بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلاصۃ تفسیر القرآن

جلد ۸

اللہ تعالیٰ کا نظام عدل

استاذ التفسیر مفتی جمیل الرحمٰن [illegible]

مدرسہ قاسم العلوم

شیرانوالہ دروازہ لاہور

مکتبۃ الحسن

۳۳ - حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل القرآن الكريم

اللہ تعالیٰ کا نظامِ عدل

المعروف بہ

خُلاصہ تفسیر القرآن جلد ثامن

تألیف

اُستاذِ تفسیر مولانا حمید الرحمٰن عباسی

پبلشرز، بک سیلرز

مکتبۃ الحسن

33 - حق سٹریٹ
اُردو بازار لاہور

297.16
خ 75 ح
92111
جلد ۸

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب ———— خلاصہ تفسیر القرآن جلد ثامن

اشاعت ———— اوّل

مؤلف ———— حمید الرحمان عباسی

تعداد ———— گیارہ سو

طباعت ———— کاروان پریس داتا دربار مارکیٹ لاہور

کتابت ———— جی۔آر۔ طاہر

قیمت ————

مکتبۃ الحسن

پبلشرز، بک سیلرز

33 - حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور

042-7241355,042-7018002;0300-4339699

تعارف

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول کریمؐ پر ہدیہ صلوٰۃ والسلام کے بعد احقر العباد حمید الرحمان عباسی شائقین دین نبویہ کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ خلاصہ تفسیر القرآن کی یہ جلد ثامن ایک سو اڑتیس بحوث پر مشتمل ہے۔ اس میں صرف وہی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ درج کی گئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نظام عدل و انصاف سے متعلق ہیں۔

اولاً ایک عنوان قائم کیا گیا ہے اور پھر اس کے متعلق جو آیات ہیں وہ تقریباً تمام نقل کر کے ساتھ لفظی ترجمہ دے دیا ہے اور پھر ان آیات سے واضح طور پر جو تفسیر معلوم ہوئی وہ لکھی گئی ہے اور اس کے بعد اسی طرح اس عنوان اور مضمون کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث ہیں وہ تقریباً ساری نقل کر دی گئی ہیں اور ساتھ ترجمہ بھی دے دیا ہے۔ اور واضح طور پر جو تفسیر معلوم ہوتی ہے وہ بھی نقل کر دی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے عادلانہ فیصلے بھی لکھ دیئے ہیں۔ اور انداز تحریر ایسا اختیار کیا گیا ہے کہ اس کے پڑھنے سے انسان کا اسلام کے نظام عدل پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور معمولی پڑھا لکھا انسان بھی اسے سمجھ سکتا ہے۔

اس تالیف کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ آج پوری دنیا میں ظلم و ستم کی آگ لگی ہوئی ہے۔ انسان ایک دوسرے کو درندوں کی طرح کاٹ رہا ہے اور اس کی قدر و قیمت گاجر اور مولی کے برابر بھی نہیں ہے۔ نیکی و بدی کا امتیاز ختم ہو چکا ہے۔ کسی کو یہ پتہ نہیں ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ ظلم کیا ہے اور انصاف کیا ہے۔ حاکم اور رعایا سارے ہی اس سے بے خبر ہیں۔ جبر و استبداد کا نام انصاف، اور انصاف کو ناانصافی سے تعبیر کرتے ہیں۔ پوری انسانیت بربریت کی چکی میں پس رہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حکام اور رعایا سب ہی اللہ کے نظامِ عدل سے بے خبر ہیں اور اس تالیف کو جب پڑھیں گے تو انشاء اللہ ان کو حق و انصاف کا پتہ چل جائے گا اور ہر خوف خدا رکھنے والا آدمی اس پر عمل کریگا۔

آخر میں قارئین کتاب ہذا سے گزارش ہے کہ اس میں جو غلطی نظر آئے اس سے بذریعہ خط آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کا ازالہ کیا جاسکے مؤلف پر ایسے حضرات کا احسان ہوگا۔ اپنی طرف سے اس کتاب کو اغلاط سے پاک کرنے کی بڑی کوشش کی ہے مگر پھر بھی انسان خطا کار ہے تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیرًا۔

احقر
حمید الرحمٰن عباسی

فہرست

۱۔ تعارف	۳
۲۔ فہرست	۵
۳۔	۱۴
۴۔ جس کے سامنے وہ جوابدہ ہو اور اس کا کوئی منصب اعلیٰ بھی نہیں ہے۔	۳۹
۵۔ زمین کیسے گھٹتی ہے۔	۴۶
۶۔ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا پہلا دنیاوی نمونہ بعثتِ رسل۔	۵۱
۷ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا دوسرا دنیاوی نمونہ مہلتِ غور	۵۶
۸ آخری وارننگ کا باعث۔	۶۴
۹۔ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا تیسرا دنیاوی نمونہ کہ مجرمین اپنے جرائم کا خود اعتراف کرتے ہیں تب عذاب دیتے ہیں۔	۶۹
۱۰۔ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا چوتھا دنیاوی نمونہ کہ مجرم خود سزا مانگتا ہے۔ تب اسے عذاب دیا جاتا ہے۔	۷۶
۱۱۔ اللہ کی طرف سے بنی نوعِ انسان کو آپس میں عدل و انصاف کا حکم۔	۸۱
۱۲۔ نظامِ عدل کی ابتداء اور اس کی ضرورت۔	۸۴

۱۳۔ تمام انبیاء نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں کے مابین فیصلے کئے۔ ۱۰۱
۱۴۔ مرتد کے بارے میں حضرت موسیٰؑ کا عادلانہ فیصلہ۔ ۱۰۷
۱۵۔ پانی کی تقسیم میں حضرت موسیٰؑ کا منصفانہ فیصلہ۔ ۱۲۰
۱۶۔ پانی کی تقسیم میں حضرت صالحؑ کا منصفانہ فیصلہ۔ ۱۲۳
۱۷۔ ہبت کے نقصان اور شرکت میں حضرت داؤدؑ کے عادلانہ فیصلوں کا بیان۔ ۱۲۷
۱۸۔ حضرت محمدؐ کو عادلانہ فیصلوں کا حکم اور اس کا طریقہ۔ ۱۳۶
۱۹۔ مسلم حکام کو عادلانہ فیصلوں کا حکم۔ ۱۵۱
۲۰۔ امانات کی قسمیں۔ ۱۵۶
۲۱۔ دستورِ مملکت کے چند زرّیں اصول۔ ۱۶۰
۲۲۔ نبی اکرمؐ اور صحابہؓ کرام کا عدل۔ ۱۶۲
۲۳۔ عدلِ صدیقیؓ۔ ۱۶۸
۲۴۔ عدلِ فاروقیؓ۔ ۱۶۹
۲۵۔ عدلِ عثمانیؓ۔ ۱۸۹
۲۶۔ عدل حضرت علیؓ۔ ۱۹۰
۲۷۔ عدل حضرت عبداللہؓ بن رواحہ۔ ۱۹۲
۲۸۔ عدل حضرت مقدادؓ بن اسود۔ //
۲۹۔ اللہ تعالیٰ عادل حکمرانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ۱۹۴
۳۰۔ انصاف مہیّا کرنے کا پانچواں طریقہ عدلیہ کی اصلاح اور طریقہ خوفِ خدا۔ ۱۹۸

۳۱۔ عہدہ قضا سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ ۲۰۲
۳۲۔ انصاف مہیّا کرنے کا چھٹا طریقہ کہ قاضی کو ہشاش بشاش ہونا چاہیئے۔ ۲۰۷
۳۳۔ قاضی کو بوقتِ ضرورت اجتہاد کی اجازت ہے۔ ۲۰۹
۳۴۔ قاضی کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہؐ کو چھوڑ کر اپنی ذاتی رائے اور اجتہاد پر عمل نہ کرے۔ ۲۱۲
۳۵۔ اہلِ کتاب نے اپنے اجتہاد سے کلامِ الٰہی میں تبدیلی کی تھی۔ ۲۲۲
۳۶۔ اہلِ کتاب نے اپنے اجتہاد سے نماز میں تبدیلی کی تھی۔ ۲۳۳
۳۷۔ اہلِ کتاب نے اپنے اجتہاد سے روزے میں تبدیلی کی تھی۔ ۲۳۴
۳۸۔ اہلِ کتاب نے اپنے اجتہاد سے نظامِ عدل میں تبدیلی کی تھی۔ ۲۳۶
۳۹۔ مشرکین اپنی رائے سے حج کے مہینوں میں تبدیلیاں کرتے تھے۔ ۲۴۶
۴۰۔ انصاف مہیّا کرنے کا ساتواں طریقہ کہ قاضی مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے بیانات سُنے۔ ۲۵۵
۴۱۔ انصاف مہیّا کرنے کا آٹھواں طریقہ کہ قاضی کھلی عدالت میں بیٹھے۔ ۲۶۰
۴۲۔ انصاف مہیّا کرنے کا نواں طریقہ کہ قاضی مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرے۔ ۲۶۴
۴۳۔ انصاف مہیّا کرنے کا دسواں طریقہ انسدادِ رشوت۔ ۲۶۷
۴۴۔ رشوت اور ہدیہ میں فرق۔ ۲۷۰
۴۵۔ نصاف، مہیّا کرنے کا گیارھواں طریقہ کہ قاضی ہدیہ قبول ۲۷۱

نہ کرے۔

۴۶-قاضی کے ناحق فیصلہ سے چیز حلال نہیں ہوتی۔ ۲۷۳

۴۷-انصاف مہیّا کرنے کا بارھواں طریقہ کہ قاضی مدعی اور مدعا علیہ میں سے صرف کسی ایک کی دعوت نہیں کرسکتا۔ ۲۷۶

۴۸-انصاف مہیّا کرنے کا تیرھواں طریقہ کہ قاضی مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو برابر بٹھائے اور انکی طرف برابر توجہ کرے۔ ۲۷۸

۴۹-انصاف مہیّا کرنے کا چودھواں طریقہ کہ عمّال کی تنخواہیں معقول ہوں۔ ۲۷۹

۵۰ بددیانتی کی اخروی سزا کا بیان۔ ۲۸۵

۵۱ انصاف مہیّا کرنے کا پندرھواں طریقہ غیر مسلموں میں عدل کا فیصلہ۔ ۲۸۹

۵۲ انصاف مہیّا کرنیکا سولہواں طریقہ حق وانصاف کی شہادت ۲۹۱

۵۳- انصاف مہیّا کرنے کا سترھواں طریقہ تحقیق شہادت۔ ۲۹۷

۵۴- بلاتحقیق فیصلہ کرنے والے قضاۃ کی اخروی سزا کا بیان۔ ۳۱۲

۵۵- طریقہ تحقیق شہادت۔ ۳۱۶

۵۶- رفع اشتباہ اور تطبیق آیات۔ ۳۱۸

۵۷- جھوٹی شہادت شرک کے برابر ہے۔ اسکی دنیاوی اور اُخروی سزا ۳۲۰

۵۸- شہادت زنا میں چار مرد ہونے چاہیئں۔ ۳۲۲

۵۹- بقیہ معاملات میں گواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہیئں۔ ۳۲۶

۶۰ - گواہ مدّعی پیش کرے۔ ۳۳۰

۶۱ - جھوٹی حلف کے انسداد کا طریقہ۔ ۳۳۳

۶۲ - جھوٹی حلف کی اخروی سزا۔ ۳۳۸

۶۳ - مدعا علیہ زیادہ ہوں تو قرعہ اندازی سے ان میں سے ایک کو قسم دی جائے۔ ۳۴۵

۶۴ مدعی اور مدعا علیہ کے پاس گواہ نہ ہوں تو متنازعہ چیز قرعہ اندازی سے ان میں تقسیم ہوگی۔ ۳۴۶

۶۵ اگر مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے پاس گواہ ہوں تو فیصلہ صاحبِ قبضہ کے حق میں ہوگا۔ ۳۴۸

۶۶ - مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے پاس گواہ ہوں تو متنازعہ چیز آدھی آدھی ہوگی۔ ۳۴۹

۶۷ - طریقۂ قسم کا بیان۔ ۳۵۰

۶۸ - عورت کی شہادت۔ ۳۵۱

۶۹ - کیا عورت آدھا انسان ہے تب دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ ۳۵۶

۷۰ - گواہی دینے کے لیے مدعی کا مطالبہ ہونا چاہیئے۔ ۳۵۷

۷۱ - مندرجہ ذیل اشخاص کی شہادت قبول نہیں۔ ۳۵۹

۷۲ - مدعی، مدعا علیہ اور شہداء کے بیانات اور قاضی کے فیصلہ کی تحریر ہونی چاہیئے۔ ۳۶۳

۷۳ - کاتب اور گواہ کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ ۳۶۵

۷۴ - مدعی اور مدعا علیہ عدالت میں قاضی کے سامنے بیٹھیں۔ ۳۶۸

۷۵ - ۳۶۹

۷۶۔ سفارشات پر کچھ معاوضہ لینا رشوت ہے۔ ۳۷۵
۷۷۔ ۳۷۶
۷۸۔ ۳۸۱
۷۹۔ ۳۸۴
۸۰۔ دوسرے نزاعات میں بھی حکم کے ذریعہ مصالحت کرائی جائے۔ ۳۸۷
۸۱۔ ۳۹۰
۸۲۔ ۳۹۸
۸۳و ئی اور بُرے القاب کی ممانعت ۴۰۰
۸۳ ب۔ مومن کی بدگمانی، تجسّس اور غیبت کی ممانعت۔ ۴۰۴
۸۴۔ ۴۱۱
۸۵۔ ۴۱۷
۸۶۔ ۴۱۹
۸۷۔ ۴۲۴
ہوجاتا ہے۔
۸۸۔ مومن سے لڑنے والا کافر اور اسے گالی دینے والا فاسق ہے ۴۳۲
۸۹۔ ایک مومن کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ ۴۳۵
۹۰۔ صرف زبان سے اظہارِ اسلام کرنے والا بھی مومن ہے اسے قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ ۴۴۴
۹۱۔ مسلمان سمجھنے کے لیے علاماتِ اسلام کافی ہیں۔ باطن کی تفتیش کرنا جائز نہیں ہے۔ ۴۴۵

۹۲۔ واقعہ کی تحقیق کے بغیر فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ ۴۴۷
۹۳۔ اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کا مطلب۔ ۴۴۹
۹۴۔ مومن کے قاتل کی دنیوی اور اخروی سزا۔ ۴۵۱
۹۵۔ خونِ ناحق کی اخروی سزا احادیث کی روشنی میں۔ ۴۶۰
۹۶۔ مومن مسلمان کا قتل حرام ہے۔ ۴۶۶
۹۷۔ کافر کے اقرارِ توحید کے بعد جو مسلمان اسے قتل کرے اس پر قصاص ہے۔ ۴۷۱
۹۸۔ قتلِ ناحق سے آدمی شقی القلب ہو جاتا ہے۔ ۴۷۵
۹۹۔ باپ پر بیٹے کا قصاص نہیں اور بیٹے پر باپ کا قصاص ہے ۴۷۸
۱۰۰۔ قصاص میں مساوات ہے۔ ۴۸۰
۱۰۱۔ قاتل ایک سے زیادہ ہوں تو سب پر قصاص ہے اور پکڑنے والے پر تعزیر۔ ۴۸۲
۱۰۲۔ اگر قتل بالارادہ ہو تو مقتول کے ورثاء قاتل سے قصاص لے سکتے ہیں۔ ۴۸۵
۱۰۳۔ قصاص و دیت معاف کرنے کی فضیلت۔ ۴۸۹
۱۰۴۔ اقرارِ توحید کرنے والا غلط فہمی میں مارا جائے تو قاتل پر قصاص اور دیت نہیں۔ ۴۹۰
۱۰۵۔ عمومِ بلوہ کے مقتول کا قصاص نہیں دیت ہے۔ ۴۹۲
۱۰۶۔ اعضاء اور زخموں کا قصاص ۴۹۴
۱۰۷۔ قتلِ معاہد کی ممانعت اور اس کی دنیاوی سزا۔ ۴۹۸
۱۰۸۔ قاتلِ معاہد اگر مسلمان ہو تو اس کی اخروی سزا۔ ۵۰۴

۱۰۹- قصاص صرف اسلحہ سے لیا جائے۔ ۵۰۵

۱۱۰- دیت (خون بہا) ۵۰۸

۱۱۱- قتل شبہ عمد کی تعریف اور اس کی دیت۔ //

۱۱۲- قتل خطا کی تعریف اور اس کی دیت۔ ۵۱۹

۱۱۳- دیت میں اونٹوں کے بجائے قیمت دینا بھی جائز ہے۔ ۵۲۰

۱۱۴- ناتجربہ کار ڈاکٹر یا حکیم کے علاج سے اگر کوئی مریض مر جائے تو اس پر دیت ہے۔ ۵۲۶

۱۱۵- اعضا کاٹنے کی دیت۔ ۵۲۸

۱۱۶- جانور کے زخمی کرنے سے یا کان کنوئیں میں گرنے سے مالک پر تاوان وغیرہ نہیں ہے۔ ۵۳۳

۱۱۷- اپنے دفاع میں اگر حملہ آور کو کوئی مار دے یا زخمی کر دے تو اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے۔ ۵۳۶

۱۱۸- صاحب خانہ بغیر اذن اندر آنے والے یا جھانکنے والے کو سزا دے تو اس پر تاوان نہیں ہے۔ ۵۴۰

۱۱۹- قاتل نامعلوم ہونے کی صورت میں فیصلے کا طریقہ۔ ۵۴۴

۱۲۰- مرتد کافر ہے اور اس کا قتل کرنا جائز ہے بشرطیکہ ارتداد جبری نہ ہو۔ ۵۴۸

۱۲۱- تمام مسلمانوں کو صرف اسلامی عدالت سے فیصلہ کرانیکا حکم۔ ۵۶۱

۱۲۲- مسلمانوں کو غیر اسلامی حکام سے فیصلہ کرانیکی ممانعت اور اس کی خلاف ورزی کرنے والا منافق ہے۔ ۵۶۵

۱۲۳- اختلافات میں آپؐ کو حکم بنانا آپؐ کے عہد مبارک کے ساتھ ۵۷۴

۱۲۴- مسلمان اپنے تنازعات ختم کرانے کے لیے اپنوں میں سے کسی عادل کو اپنا حاکم مقرر کر سکتے ہیں۔ ۵۸۰
۱۲۵- دوسرے نزاعات میں بھی حکم کے ذریعہ مصالحت کرائی جائے۔ ۵۸۵
۱۲۶- مسلمانوں پر اسلامی عدالت کا فیصلہ ماننا ضروری ہے۔ ۵۹۰
۱۲۷- نکاح میں نسبی کفو کی رعایت اور درجہ۔ ۵۹۵
۱۲۸- مشاجرات صحابہؓ کرام۔ ۶۰۳
۱۲۹- حاکم وقت اپنی صوابدید کے موافق جرائم پیشہ لوگوں کے خلاف تادیبی کاروائی کر سکتا ہے۔ ۶۰۷
۱۳۰- نبوی بشارات اور نفاذ شریعت کی برکات سرخ و سفید خزانے ۶۱۲
۱۳۱- غم و پریشانی سے نجات۔ //
۱۳۲- امن و سلامتی۔ ۶۱۳
۱۳۳- فتوحات ممالک اور مادی خزانے۔ ۶۱۶
۱۳۴- ایرانی خزانے حاصل کرنا۔ ۶۱۸
۱۳۵- نفاذِ شریعت سے امنِ عالم پیدا ہوتا ہے۔ ۶۱۹
۱۳۶- قیامِ عدل کی ایک اچھوتی مثال۔ //
۱۳۷- قیامِ عدل سے درندوں میں رحیمانہ ادا پیدا ہوتی ہے۔ ۶۲۳
۱۳۸- عادل آدمی اللہ کا محبوب ترین بندہ ہے۔ ۶۲۵

پورے عالم پر حکومت صرف خدا کی ہے

قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَكَذَّبْتُم بِهِ ۚ مَا عِندِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ○

(سورۃ الانعام آیت ۵۷)

آپ فرما دیں میرے پاس تو میرے رب کی طرف سے ایک کھلی دلیل ہے اور تم اس کو جھٹلاتے ہو۔ جس چیز کو تم جلدی چاہتے ہو وہ میرے پاس نہیں۔ ہے اللہ کے سوا اور کسی کا حکم نہیں ہے۔ وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے۔ اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝

موت آ پہنچتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اسے اپنے قبضہ میں لے لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر اللہ کی طرف پہنچائے جائیں گے جو ان کا سچا مالک ہے۔ خوب سُن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلدی حساب لینے والا ہے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝

فرما دیں تمہیں جنگل اور دریا کے اندھیروں سے کون بچا لاتا ہے جب اسے عاجزی سے اور چھپا کر پکارتے ہو کہ اگر ہمیں اس آفت سے وہ بچا لے تو البتہ ہم ضرور شکر کرنے والوں سے ہوں گے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ

آپ فرما دیں کہ اللہ ہی تمہیں اس سے اور ہر سختی سے بچاتا ہے۔ تم پھر بھی شرک

تُشۡرِكُوۡنَ ۝ کرتے ہو۔

(سورۃ الانعام آیت ۶۱ تا ۶۴)

تفسیر

یہاں اس بحث میں کل سات آیات نقل کی گئی ہیں۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا بیان ہے۔ ان میں سے پہلی آیت جو سورۃ انعام کی آیت نمبر ستاون ہے اس میں چار چیزوں کا بیان ہے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ رب العزّت نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ اعلان فرمائیں کہ مجھے اللہ نے بیّنہ دیا ہے اور تم دیدہ دانستہ اس کی تکذیب اور مخالفت کر رہے ہو۔ یعنی اللہ کی خالقیت و مالکیت و ربوبیت اور حاکمیت پر میرے پاس روشن دلائل موجود ہیں جو تمہارے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ اور تمہیں بھی ان پر یقین ہے مگر تم لوگ عمداً انکو جھٹلا رہے ہو۔ دراصل قرآن حکیم میں اللہ کی حاکمیت اور وجود پر تین طرح کے دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ وحی۔ عقلی اور نقلی۔

وحی سے مراد خود خداوند پاک کا اپنا اقرار و اعتراف ہے مثلاً قل ھو اللہ احد۔ الآیہ) آپ فرمادیں کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کے برابر کوئی نہیں ہے۔

دلیل عقلی سے مراد قدرت کے شب و روز کے تعارفی نمونے ہیں فرشِ زمین سے لے کر عرشِ بریں تک جو کچھ بھی ہے یہ سب اسی کا

بنایا ہوا ہے۔ وفی کل شیٔ له شاهد۔ تدل علی انه واحد۔ یعنی ہر چیز میں ثبوت موجود ہے اور ہر چیز بتا رہی ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے انسان کو ان دلائل سے سبق حاصل کرنے کے لیے کان بخشے ہیں تاکہ ان کو سنے۔ اور آنکھیں بخشی ہیں تاکہ ان کو دیکھے اور دل و دماغ بخشے ہیں تاکہ ان سے ان میں غور و فکر کرے۔ جب انسان ان میں تھوڑا سا فکر و تدبر کرے گا تو اللہ کی ذاتِ اقدس پر اُسے یقینِ کامل آجائے گا۔

دلیلِ نقلی سے مراد ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے سچے پیروکاروں کے اقوال اور فرامین ہیں جو انہوں نے ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں۔ اور پوری دنیا میں یہ مانا ہوا اصول ہے کہ ایک یا دو جج مل کر جو فیصلہ کریں وہ قانون بن جاتا ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو مجرم اور قابلِ سزا تصور کیا جاتا ہے۔ اور اس کی موافقت کرنے والے کو شریف کہتے ہیں۔ اور اسی طرح کسی ملک کے ایک دو یا چند مفکر کوئی بات کہہ دیں تو ان کی بات کو حجت اور دلیل گردانا جاتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام سے زیادہ اور بڑھ نہ تو کوئی مفکّر و مدبّر اور قانون دان گزرا ہے اور نہ کوئی آئے گا۔ اور ان سے زیادہ کوئی نسلِ انسانی کا ہمدرد اور بہی خواہ بھی کسی ماں نے نہیں جنا۔ لہٰذا ان پارسا اور پاکباز ہستیوں نے جو بات فرمائی ہے وہ یقیناً حجت اور دلیل ہے۔

بہرحال سورۃ الانعام کی آیت نمبر ستاون میں بیّنہ کا جو ذکر آیا ہے اس سے مراد عقیدۂ توحید کے دلائل عقلیہ نقلیہ اور دلائل وحی ہیں۔ اور

ان کی تکذیب عقلاً، نقلاً جرم اور بین الاقوامی مُسلّمہ اصولوں کے خلاف ہے۔ اور دوسری چیز جو اس آیت میں بیان فرمائی ہے وہ مخالفین عقیدہ توحید و رسالت اور شریعت محمدیہ کے ایک سوال کے جواب میں فرمائی ہے۔

سوال ان کا یہ تھا کہ جب ہم نہ تو خدائی توحید مانتے ہیں نہ رسالت مانتے ہیں اور نہ ان ہی اس کے بھیجے ہوئے نظام حیات و شریعت کو مانتے ہیں اگر خدا میں کوئی جرأت ہے اور وہ حاکم ہے تو وہ ہمارا مواخذہ کرے۔ اے محمدؐ تم اپنے خدا کے جس عذاب کی دھمکی سناتے رہتے ہو وہ لے آؤ۔ اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ ما عندی ما تستعجلون بہ۔ میرے اختیار میں وہ عذاب نہیں ہے جس کی تم جلدی کرتے ہو۔ یہ عذاب اتارنا بھی اس کے اختیار میں ہے وہی کار و مختار ہے یہ ہی تو میں تمہیں سمجھاتا ہوں اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ ان الحکم الا اللّٰہ کہ وہ خدا برگزیدہ و برتر صرف یکتا ہی نہیں ہے بلکہ وہ کُل اختیارات کا مالک ہے۔ فرش زمین سے لے کر عرش بریں تک صرف اور صرف اسی کا آرڈر چلتا ہے۔ اور چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ وہ جلدباز نہیں ہے۔ کہ ایسے احمقانہ سوالات سے برہم ہو کر فوراً کاروائی کر بیٹھے بلکہ وہ حق بیان کرتا ہے۔ یعنی وہ اپنا تعارف کرانے کے لیے دلائل بیان کرتا ہے۔ وہ حق کو خوب واضح کرتا ہے۔ یہ اس کا فیصلہ ہے اور وہ سب سے اچھے فیصلے کرتا ہے۔ اور یہ فیصلہ عام ہے خواہ تکوینی ہو یا تشریعی ہو۔ اور اس کے تکوینی فیصلے تو روزانہ منظر عام پر آتے رہتے ہیں جنہیں دنیا شب و روز ملاحظہ و مشاہدہ کر رہی ہے۔ اور اس کے تشریعی فیصلے قرآن و سنت کی شکل میں مدوّن شدہ اور موجود ہیں جن کی تفصیل ان شاء اللّٰہ العزیز عنقریب

بیان ہوگی۔

اور اس کے بعد دوسرے نمبر پر سورۃ الانعام کی آیت نمبر اکسٹھ ہے اس میں خداوند تعالیٰ کی حاکمیت تکوینی کا بیان ہے اور اس کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک نظام حیات دنیوی ہے اور دوسرا نظام ممات ہے اوّل الذکر کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ اور بندے اس کے سامنے مغلوب و مقہور ہیں۔ یعنی وہ سب خدا کے علم اور قدرت میں ہیں اور اس کے حکیمانہ نظام کے تحت چلتے ہیں۔ مثلاً کالا رنگ گورا رنگ، لنگڑا اپاہج، بینا نابینا، بہرہ گونگا، مذکر اور مؤنث وغیرہ ہونا سب اسی کے دائرہ اختیار میں ہے۔ یعنی اس کے جسم کا جو جو پرزہ جہاں جہاں فٹ کیا ہے انسان اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا کرے گا تو خود فنا ہو جائے گا اور جو پرزہ جس مقصد کے لیے اور جس کام کے لیے لگایا ہے اس سے وہی کام اور مقصد براری کر سکتا ہے اس کے خلاف کبھی نہیں کر سکتا۔ مثلاً آنکھ دیکھنے کے لیے دی ہے اور کان سننے کے لیے۔ اب انسان آنکھ سے دیکھ ہی سکتا ہے اور کان سے سن ہی سکتا ہے۔ آنکھ سے سننے اور کان سے دیکھنے کا کام نہیں لے سکتا۔ ذالك تقدير العزيز العليم۔ اور یہ تو انسان کے جسم کے اندر کی تکوینیت ہے۔ کہ انسان اس کی خلاف ورزی کر کے نہ چل سکتا ہے اور نہ زندہ رہ سکتا ہے اور آگے فرمایا ہے کہ ويرسل عليكم حفظة۔

یُرسِل فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ ارسال سے بنا ہے ارسال کے معنی بھیجنا ہے اور اس کا فاعل اللہ ہے اور علیکم کے مخاطب انسان ہیں۔ اور حفظہ حافظ کی جمع ہے۔ اب پورے جملہ کا معنی یہ ہوا کہ اے انسانو

اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے نگران اور محافظ بھیجتا ہے۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے بدنِ انسانی کے بیرونی اور خارجی حصّہ کی حفاظت کے لیے جو نظام مقرر فرمایا ہے اس کا اجمالی بیان ہے۔ اس سے تین چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔

پہلی چیز اہمیت اور مقام انسان ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا معزز اور مکرم ہے تب ہی تو اس کی حفاظت اور نگرانی کے لیے اس کے باڈی گارڈ اور نگران مقرر فرمائے ہیں۔

دوسری چیز انسان کی کمزوری اور بے بسی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اعانت کے سوا ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔

تیسری چیز نوعیت اور طریقہ حفاظت ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح حفاظت فرماتے ہیں۔ پہلی دو چیزیں تو ظاہر ہیں ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے اور تیسری کی کئی صورتیں ہیں۔ والدین، ڈاکٹر، اطباء اور حکومت کی پوری مشینری کاروباری سلسلہ۔ یہ سب بدن انسانی کی حفاظت کے لیے ہے مگر انسان کے بعض مخالفین اور اعداء ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں وہ بچشم خود دیکھ نہیں سکتا اور نہ اس کی شرارتوں اور مضرتوں سے بچ سکتا ہے جیسا کہ جنات اور ہوائی مخلوقات اور تقدیری حوادثات وغیرہ۔ انسان کو ان سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔ انسان اپنے ان محافظین کو اکثر اوقات دیکھ نہیں سکتا۔ اور گاہ دیکھ بھی لیتا ہے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز عنقریب بیان ہوگی۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا ہے۔ حتی اذا جاء احدکم الموت توفّته رسلنا و هم لا یفرّطون۔ اس جملہ میں جو لفظ توفته آیا ہے یہ وفا سے بنا ہے اس کے معنے پورا کرنے یا فوت کر دینے کے آتے

ہیں۔ اور دوسرا لفظ رسلنا آیا ہے۔ یہ رسول کی جمع ہے اس کے معنی پیغام لے جانے والے ہیں اور اس سے مراد فرشتے ہیں۔ اور تیسرا لفظ جو لا یفرّطون آیا ہے یہ تفریط سے بنا ہے اس کے معنی سستی، زیادتی یا جلدی کرنے کے آتے ہیں۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے اور اس کی مدت پوری ہو جاتی ہے۔ تو فرشتے انہیں فوت کرتے ہیں اور وہ سستی، جلدی یا تاخیر نہیں کرتے۔ اور اور اس جملہ کا حاصل یہ نکلا ہے کہ پہلے جملہ میں بدن انسانی کی جس بیرونی حفاظت کا بیان گزرا ہے۔ اس جملہ میں اس کی حد بیان فرمائی ہے۔ کہ یہ حفاظت ایک وقت مقررہ تک ہے اور جب وہ وقت آجاتا ہے تو محافظین کی پہلی ٹیم ہٹ جاتی ہے۔ اور اب دوسری ٹیم اپنا کام سنبھال لیتی ہے اور اس کا کام انسان کی روح نکالنا ہوتا ہے اور یہ ٹیم بڑی مستعد ہوتی ہے۔ اور حکم خداوندی ماننے میں ذرّہ بھر کوتاہی اور سستی نہیں کرتی۔ ایک منٹ کی تاخیر کرتی ہے اور نہ تعجیل کرتی ہے۔

اس کے بعد آیت نمبر باسٹھ ہے اس کا پہلا جملہ ہے ثم ردوا الی اللہ مولھم الحق۔ ثم جو لفظ ہے اس کے معنی ہیں پھر اور ردّوا ماضی مجہول کا صیغہ ہے اس کے معنی واپس کرنے اور ردّ کرنے کے ہیں۔ اور اللہ کے معنی معبود برحق کے ہیں اور لفظ مولیٰ ولی سے بنا ہے اس کے معنی آقا، مالک، مددگار، حاجت روا اور مشکل کشا کے آتے ہیں۔ اور اب جملہ کا معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ پھر لوٹائے جاتے ہیں طرف اللہ کے جو ان کا سچا آقا، مالک اور مددگار ہے۔ اور اس جملہ میں دراصل ان لوگوں کے نظریات کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں

کہ مرنے کے بعد دوبارہ پھر زندگی نہیں ہے۔ اور اس جملہ میں ایک تو
ان لوگوں کے نظریات کی تردید بیان فرمادی اور دوسرے ساتھ ساتھ دلیل
بھی بیان فرمادی ہے کہ جو دنیا میں ان کی کارسازی کرتا رہا ہے وہی تو انہیں
اپنے پاس بلائے گا اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ اَلَا لہ الحکم۔ اس
جملہ کے شروع میں جو حرف اَلَا ہے یہ تنبیہ کے لیے ہے۔ یہ مخاطبین کی
غفلت دور کرنے کے لیے اور ان کی توجہ مبذول کرانے کے لیے جملہ کے
شروع میں لگایا جاتا ہے اور یہاں ان لوگوں کو توجہ دلانا مقصود ہے جو
خداوند تعالیٰ کی حاکمیت قاہرہ اور باہرہ پر یقین نہیں رکھتے کیونکہ اگر وہ لوگ
تھوڑی سی بھی توجہ کریں گے اور تفصیل نظام ماسبق میں غور و فکر کریں گے
تو خدا کی حاکمیت پر انہیں یقین کامل ہو جائے گا۔ اس لیے فرمایا کہ الا لہ
الحکم آگاہ ہو جاؤ کہ کیا اس مذکورہ نمونہ میں کسی اور کا بھی عمل دخل ہے؟
ہرگز نہیں یہ صرف اور صرف اسی خالق کائنات کا آرڈر اور حکم ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ وھو اسرع الحٰسبین۔ اس جملہ میں
اسرع صیغہ اسم تفصیل ہے جو سرعت سے بنا ہے اور حاسبین
حاسب کی جمع ہے حساب سے بنا ہے اور اب اس جملہ کا معنی یہ ہوا
کہ اللہ تعالیٰ بہت جلدی حساب لینے والا ہے۔ یعنی وہ حکمران اعلیٰ اور
محتسب اعلیٰ بہت جلدی حساب لے گا کہ کس نے اس کی حکمرانی کو تسلیم
کرکے اس کے احکامات کی پیروی کی اور کسی نے نہیں کی۔

اس کے بعد آیت نمبر ترسیٹھ ہے اس میں ارشاد فرمایا ہے قل
من ینجیکم من ظلمٰت البر والبحر تدعونہ تضرعا
وخفیہ لئن انجٰنا من ھذہ لنکونن من الشٰکرین

9211

اس آیت کے شروع میں لفظ قُل ہے جو صیغہ امر ہے۔ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرمان اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس کے مخاطب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ہر مبلّغ اور داعی الی اللہ بھی اس کا مخاطب ہو سکتا ہے اور ینجّی نجات سے بنا ہے اور اسمیں ضمیر جمع مخاطب ہے اس کے مخاطب انسان ہیں اور ظلمت ظلمت کی جمع ہے اور ظلمۃ کے معنی تاریکی کے ہیں اور بَر کے معنی خشکی کے ہیں اور بحر کے معنی سمندر کے ہیں۔ اور تدعونہ جمع حاضر کا صیغہ ہے جو دعاء سے بنا ہے اور دعاء کے معنی پکار کے ہیں۔ اور تضرّعا مصدر ہے اس کے معنی عاجزی کرنے کے ہیں اور خفیہ بھی مصدر ہے اس کے معنی پوشیدہ کے ہیں۔ انجا ماضی کا صیغہ ہے نجات سے بنا ہے اور اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ لنکونن جمع متکلم ہے مضارع کا صیغہ ہے شروع میں لام اور آخر میں نون تاکید کے لیے ہیں اور شاکرین شاکر کی جمع ہے صیغہ اسم فاعل ہے اور یہ سارا جملہ سوالیہ ہے۔

اس کے بعد آیت چونسٹھ اس کا جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دیگر مبلّغین اسلام کو حکم دیا ہے کہ آپ منکرین حاکمیت خداوندی سے پوچھیں کہ تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے حالانکہ اس وقت تمہارا یہ حال ہوتا ہے کہ بڑی گریہ وزاری سے اور خفیہ خفیہ اس اللہ تعالےٰ کو پکارتے ہو اور اس سے یہ عہد کرتے ہو کہ اگر آپ نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدی تو ہم ضرور آپ کے شکر گزار رہیں گے۔

اس سوالیہ جملے کا تعلق پہلی آیات سے ہے کہ پہلی آیات کے آخر میں حرف تنبیہ لگا کر فرمایا ہے کہ الا لہ الحکم اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ اے نبی آپ ان سے پوچھیں تو اس کا مقصد یہ ہوا کہ اس سوالیہ سے یہ جانچنا اور واضح کرنا مقصود ہے کہ الا لہ الحکم سے انہیں جو تنبیہ کی گئی ہے اس کا ان پر کیا اثر پڑا ہے۔ کیا انہوں نے غور کیا ہے یا نہیں کیا۔ اگر انہوں نے غور کیا ہوگا تو اس سوالیہ جملہ کے جواب میں وہ خود بخود کہیں گے کہ اللہ ہی خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے نجات دیتا ہے اور اگر انہوں نے غور نہیں کیا ہوگا تو پھر تو وہ ایسا نہیں کہیں گے۔ تو اے نبی اور اے داعی الی اللہ تو یہ اعلان کر دے کہ اللہ ہی ان مصائب سے اور ہر قسم کی مصیبتوں سے نجات دیتا ہے۔ تم پھر بھی شرکت کرتے ہو۔

اب خلاصہ اور لبِّ لباب اس سوال و جواب کا یہ نکلا کہ بَرّ و بحر (زمین اور سمندر) تابع فرمان اور حکمِ الٰہی ہیں۔ ورنہ ان سے جو زلازل امواج اور طوفان اُٹھتے ہیں ایک انسان کی کیا حیثیت ہے کہ ان سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

ع اسی کا کرم ہے سلامت ہے زندگی
نہ ہو اس کا کرم تو قیامت ہے زندگی

اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں مثلاً سورۃ الرعد میں فرمایا ہے۔

لہ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ — ہر شخص کی حفاظت کے
بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ — لیے کچھ فرشتے ہیں اس کے

خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝

(سورۃ الرعد آیت ۱۱)

آگے اور پیچھے ۔ اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں ۔ بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے ۔ اور جب اللہ کسی قوم کی بُرائی چاہتا ہے پھر اسے کوئی نہیں روک سکتا اور اس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوسکتا ۔

تشریح الفاظ

معقبات جمع مؤنث اسم فاعل ہے اس کا واحد معقب ہے تعقیب سے بنا ہے ۔ تعقیب کے معنی کسی کے پس پشت جانا اور پس پشت لوٹ کر دیکھنا ۔ بَیْنَ یَدَیْکَ کے معنی سامنے اور خلف کے معنی پیچھے مراد فرشتے ۔ یحفظون ۔ جمع مذکر مضارع ہے حفاظت سے بنا ہے ۔ لا یغیّر واحد اور یغیّروا جمع مذکر مضارع ہیں ۔ تغیّر سے بنے ہیں اور تغیر کے معنی تبدیل کرنا ہے ۔ انفس نفس کی جمع ہے ۔ اَرَادَ واحد مذکر ماضی ہے ارادہ سے بنا ہے ۔ سوءً مصدر ہے اس کا معنی بدی یا بُرائی ہے مَرَدَّ

مصدر میمی ہے ۔ اس کا معنی لوٹنا ہے ۔ وال واحد اسم فاعل ہے ولی سے مشتق ہے اس کا معنی دوستی، قریبی یا مددگار ہے ۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے انسان کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر فرمائے ہوئے ہیں جو ہر وقت اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اسے اس کے دشمنوں سے اور حوادثات وغیرہ سے بچاتے ہیں ۔ اور جب انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے حفاظتی دستوں کو ہٹا دیتے ہیں اور ان پر اپنا عذاب مسلّط کر دیتے ہیں ۔ پھر کوئی طاقت انہیں اس کے عذاب سے نہیں بچا سکتی ۔ پس یہ آیت کریمہ سورۃ انعام والی آیات کی تشریح ہے کہ حکمران صرف اللہ تعالیٰ ہے ۔ دنیا میں کوئی بھی اصلی اور حقیقی حکمران نہیں ہے اور انسان جو دعویٰ حکمرانی کرتا ہے یہ تو اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتا یہ اوروں پر کیا حکمرانی کرے گا ۔

وَاِنَّ عَلَيۡكُمۡ لَحٰفِظِيۡنَ ۝	اور بے شک تم پر محافظ
كِرَامًا كَاتِبِيۡنَ ۝	ہیں ۔ عزت والے، لکھنے
يَعۡلَمُوۡنَ مَا	والے ۔ وہ جانتے ہیں
تَفۡعَلُوۡنَ ۝ (سورۃ الانفطار	جو تم کرتے ہو ۔

آیت ۱۰ تا ۱۲)

تشریح الفاظ

علیکم کے مخاطب انسان ہیں ۔ حافظین حافظ کی جمع ہے ۔ کراماً

کریم کی جمع ہے شرافت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کاتبین کاتب کی جمع ہے۔ یعلمون جمع مذکر مضارع ہے علم سے بنا ہے۔ تفعلون جمع مذکر حاضر ہے فعل سے بنا ہے۔

تفسیر

ان آیات سے پہلے جو سورۃ انعام کی آیات ذکر ہوئی ہیں ان میں انسانی بدن کی اندرونی اور بیرونی حفاظت کا بیان گزرا ہے اور ان آیات میں انسان کے اچھے اور بُرے اعمال کی حفاظت کا بیان ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنی طرف سے انسان کی حفاظت کا بڑا وسیع جال پھیلایا ہوا ہے۔ اور ان کی تین ڈیوٹیاں بیان کی ہیں۔ پہلی ڈیوٹی انسانی بدن کی حفاظت کرنا ہے دوسری ڈیوٹی ان کے اعمال لکھنا ہے اور تیسری ڈیوٹی انسان کے تمام کاموں کو اپنے علم میں محفوظ رکھنا ہے اور ایک ان کی صفت بیان فرمائی ہے کراما کہ وہ شریف النفس اور بزرگ ہیں کہ وہ اپنے فرائض میں کوتاہی اور بدعنوانی نہیں کرتے۔

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ	جب کہ ضبط کرنے والے
عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ	دائیں اور بائیں طرف
الشِّمَالِ قَعِيْدٌ	بیٹھے ہوئے ضبط کرتے
مَا يَلْفِظُ مِنْ	جاتے ہیں۔ وہ مُنہ سے
قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ	کوئی بات نہیں نکالتا مگر
عَتِيْدٌ ۝ ۔ (سورہ ق	اس کے پاس ایک ہوشیار

محافظ ہوتا ہے۔ (آیت ۱۷-۱۸)

تشریح الفاظ

یتلقّی مضارع کا صیغہ ہے تلقّو سے بنا ہے متلقّیان تثنیہ اسم فاعل ہے یہ بھی تلقّو سے بنا ہے۔ یمین دائیں جانب شمال بائیں جانب۔ قعید قعود سے بنا ہے بیٹھنا یہ یمین اور شمال دونوں کے ساتھ لگتا ہے۔ رقیب رقاب سے بنا ہے اس کے معنی نگہبانی کرنا۔ عتید عتد سے بنا ہے معنی ہوشیار ہے لفظ رقیب اور عتید دونوں تثنیہ کے معنی میں ہیں یعنی رقیبان عتیدان۔

تفسیر

سورۃ قٓ کی یہ آیات سورۃ انفطار کی آیات کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ سورۃ انفطار میں اتنا فرمایا ہے کہ انسان کے اعمال نامہ لکھنے والے ہوتے ہیں جمع کا صیغہ لگا دیا ہے۔ کراماً کاتبین یہ نہیں بتایا کہ ہر انسان کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں اور سورۃ ق والی آیات میں یہ بتا دیا ہے کہ یہ کراماً کاتبین دو ہوتے ہیں ایک آدمی کے دائیں جانب بیٹھتا ہے اور دوسرا بائیں جانب بیٹھتا ہے اور انسان کے منہ سے لفظ نکلتے ہی اس کو نوٹ کر لیتے ہیں پس خلاصہ اور لبِ لباب یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ جو قادرِ مطلق اور حکمرانِ اعلیٰ ہے اس

نے انسان کے ابدان اور اجسام کی بھی حفاظت فرمائی ہوئی ہے اور اعمال کی بھی حفاظت فرمائی ہے ۔ وہ اعمال خواہ نیک ہوں یا بُرے سب کو اس نے ضبط کرایا ہوا ہے ۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ	کیا میں اللہ کے سوا اور
حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ	کسی کو منصف بناؤں
اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ	حالانکہ اسی نے تمہاری طرف
مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ	ایک واضح کتاب اتاری ہے
اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ	اور جنہیں ہم نے کتاب دی
يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ	ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ
مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ	ٹھیک تیرے رب کی طرف
فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ	سے نازل ہوئی ہے پس
الْمُمْتَرِيْنَ ۝	تو شک کرنے والوں میں
	سے نہ ہو ۔
وَتَمَّتْ كَلِمَتُ	اور تیرے رب کی باتیں
رَبِّكَ صِدْقًا	سچائی اور انصاف کی
وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ	حد تک پہنچی ہوئی ہیں ۔
لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ	اس کی باتوں کو کوئی نہیں
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝	بدل سکتا ۔ اور وہ سننے
(سورۃ الانعام آیت ۱۱۴ - ۱۱۵)	والا جاننے والا ہے ۔

شانِ نزول

ان مذکورہ دو آیتوں کا مضمون سمجھنے کے لیے پہلے انکا شانِ نزول

ملاحظہ فرمالیں - حضرت مولانا غلام اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر جواہر القرآن کے حاشیہ میں ان آیات کا شانِ نزول بحوالہ روح یہ نقل فرمایا ہے کہ مشرکین مکہ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ آپ اپنے درمیان اور ہمارے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے یہود و نصاریٰ میں سے کسی کو حَکَم (فیصلہ کنندہ) مقرر کریں - وہ جو فیصلہ کرے وہ ہم دونوں فریق کو منظور ہونا چاہیئے اور اسے تسلیم کرنا چاہیئے -

اس وقت سورۃ انعام کی یہ آیت نمبر ایک سو چودہ اور ایک سو پندرہ نازل ہوئی ہیں - ان آیات میں تین چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز یہ ہے کہ اے نبی آپ اعلان فرمادیں کہ میں خدا کے سوا کسی کو حَکَم (جج) ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں حالانکہ اس نے میرے لائے ہوئے دین کی حقانیت پر مفصّل کتاب اتاری ہوئی ہے یعنی جس کا جی چاہے وہ اسے پڑھ کر دیکھ لے - اسے خود پتہ چل جائے گا اور اس پر میرے دین کی حقانیت خود بخود واضح ہو جائیگی۔

دوسری بات یہ بیان فرمائی ہے کہ اہل کتاب تو اس کتاب (قرآن مجید) کو منزل من اللہ اور برحق مانتے ہیں - یعنی اے مشرکین تمہارا مطالبہ یہ ہے کہ میں یہود و نصاریٰ میں سے کسی کو حَکَم (جج) مان لوں - وہ تو پہلے فیصلہ دے چکے ہیں - اور انہیں اس دین کے برحق ہونے پر یقین ہے جیسا کہ حضرت عبداللہؓ ابن سلام اور ان کے رفقاءؓ جو یہود میں سے تھے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے - اور اسی طرح جب آپؐ ابھی مکہ

یں تھے تو اس وقت بھی مدینہ منورہ سے کچھ لوگ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کی یہ بیعت عقبہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ کتب تفاسیر اور تواریخ میں مفصل مذکور ہے اور یہی وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مہاجرین صحابہ کو مدینہ میں جگہ دی تھی اور اسی طرح مشرکین مکہ نے ایک وفد مدینہ منورہ میں یہود کے علماء کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ ان سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حالات معلوم کرے۔ تو یہود کے علماء نے اس وفد کو تین سوالات سکھائے تھے۔ اور کہا کہ محمدؐ ان تینوں سوالات کے جوابات دے دے تو وہ خدا کا پیغمبر ہے اور اگر وہ ان کے جوابات نہ دے تو وہ پیغمبر نہیں ہے۔

وہ تین سوالات یہ تھے۔ کہ روح کیا چیز ہے؟ اصحاب کہف کون تھے؟ اور ذوالقرنین کون تھے؟۔ چنانچہ یہ وفد مدینہ منورہ سے واپس جب مکہ پہنچا اور آپؐ سے یہ سوالات کئے تو اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کے جوابات قرآن مجید میں اتار دیئے۔ روح کا جواب سورۃ بنی اسرائیل میں ہے اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں جوابات سورۃ کہف میں مفصل بیان فرما دیئے گئے ہیں اور آپؐ نے انہیں سنا دیئے۔ اور یہودی علماء نے تو یہ کہا تھا کہ اگر محمدؐ ان تینوں سوالات کے جوابات دیدیں تو وہ اللہ کے رسول ہیں اور جب آپ نے یہ جوابات دے دیئے، تو حق و انصاف کا تقاضا یہ تھا وہ لوگ آپ کے لائے ہوئے دین کو مانتے اور معاہدہ بھی ہو چکا تھا کہ آپ ان سوالات کے جوابات دیں گے تو ہم مان جائیں گے۔ مگر جوابات ملنے کے باوجود وہ لوگ منحرف ہو گئے اور آپؐ

سے مطالبہ کر دیا کہ آپ ہمارے درمیان اور اپنے درمیان یہود و نصاریٰ میں سے کسی کو حَکَم (جج) مقرر کر دیں۔ تو اس کے جواب میں یہ جملہ فرمایا ہے کہ والذین اتینھم الکتب یعلمون انہ منزل من ربک بالحق۔ اہل کتاب جانتے ہیں کہ وہ قرآن مجید تیرے رب کی طرف سے اتارا ہوا ہے برحق ہے۔ اور اس کے بعد والا جملہ (فلا تکونن من الممترین۔ آپ شک کرنے والوں میں سے مت ہو جائیں) تعریض ہے۔ کیونکہ یہاں بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو خطاب ہے کہ آپ شک کرنے والوں میں سے مت ہو جائیں اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے دین کے بارے میں کبھی شک نہیں کیا۔ پھر بھی اللہ پاک نے آپ کو فرمایا ہے کہ آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعریض ہے یعنی بظاہر خطاب آپ کی ذاتِ گرامی کو ہے۔ مگر درحقیقت سمجھانا ان لوگوں کو مقصود ہے جنہیں شک تھا یا ہو گا۔ اور منشار شک یہ ہے کہ جب مشرکین نے آپ سے یہ کہا تھا کہ آپ ہمارے درمیان اور اپنے درمیان یہود و نصاریٰ میں سے کسی کو حَکَم (جج) مقرر کریں تو آپ نے ان کے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا۔ اس سے شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آپ حق پر نہیں تھے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرما دیا ہے کہ فرما دیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حَکَم (جج) نہیں مانتا۔ اور اہل کتاب تو خود اس دین کو مان چکے ہیں تو اب اس میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیئے۔ اور واضح ہو کہ اہل کتاب کی جو مخالفت دین اسلام کے بارے میں موجود ہے یہ آپؐ کے مدینہ منورہ میں آنے کے بعد شروع ہوئی تھی۔ اور یہ مخالفت

بھی صرف ان اہل کتاب کی طرف سے ہوئی تھی جو متعصب قسم کے لوگ تھے اور جب تک کہ آپؐ مکہ مکرمہ میں تھے تو اس وقت اہل کتاب سب آپ کے حامی تھے اور جو منصف مزاج تھے وہ آپ کے مدینہ آنے کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔

اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ تمّت کلمۃ ربّک صدقا وعدّلا۔ پوری ہو گئی ہے۔ بات تیرے رب کی سچائی اور انصاف کے لحاظ سے یعنی کسی حاکم کے پاس مقدمہ لے جانے کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے کہ جب اسے اپنے موقف میں شک ہو۔ اور ہمیں تو اپنے موقف میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ ہمارا دین سراپا سچائی اور عدل وانصاف پر مبنی ہے اور حاکم کے پاس جانے کا مقصد تو یہ ہو گا کہ ہمیں اپنے دین میں شک ہے اور جب حاکم کے پاس جائیں گے تو وہ جو فیصلہ کرے گا وہ ہمیں ماننا پڑے گا خواہ اس کا فیصلہ صحیح ہو یا غلط ہو۔ اگر وہ ہمارے سارے دین کو مسترد کرے گا تو بھی ماننا پڑے گا اور اگر وہ اس میں کچھ ترمیم یا ردّوبدل کرے گا تو بھی ماننا پڑے گا حالانکہ خدا کا دین سچّا ہے اس میں کوئی ترمیم یا ردّوبدل نہیں کر سکتا۔

آیت کے آخر میں یہ فرمایا کہ اگر ہم کسی کو ایسا حاکم مقرر کر کے اس کا فیصلہ مان بھی لیں تو وہ خدا تو سننے والا جاننے والا ہے۔ پھر اس کی گرفت سے ہمیں کون بچائے گا۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ ایک مسلمان پر بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ حاکم صرف خدا کو مانے اور اس کے خلاف اس

کے مقرر کردہ فیصلوں کے مطابق جو فیصلہ دیں اسے بسر وچشم تسلیم کریں کیونکہ اس کے خلفاء کا جو فیصلہ ہوگا وہ اسی کا فیصلہ کہلائے گا۔ اسکی کی مزید تفصیل انشاء اللہ العزیز بحث خلافت میں آئے گی یہاں اتنے پر ہی اکتفا کی جاتی ہے کہ ایک مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی غیر مسلم کو اپنا حاکم، جج تسلیم کرے۔ کیونکہ جب اس امت کے سربراہ امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہود و نصاریٰ کی حاکمیت تسلیم کرنے سے منع فرما دیا گیا ہے تو پھر باقی امت کے لیے بھی یقیناً یہی ممانعت ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کوئی بھی غیر مسلم مسلمان کا کبھی بھی خیر خواہ نہیں ہو سکتا تو اس کا فیصلہ بھی مسلم کے حق میں خیر خواہی پر مبنی نہیں ہوگا۔ اور آج یہ امت جن مشکلات سے دوچار ہے اس کی واحد وجہ یہ ہی ہے کہ اس امت نے خدا کے بجائے اپنا عقدہ کشا اور قبلہ کعبہ یہود و نصاریٰ کو مانا ہوا ہے اور اس آیت میں جو یہود و نصاریٰ کو حکَم (جج) ماننے کی ممانعت ہے یہ تو صرف ایک مثال ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ صرف یہود و نصاریٰ کو حکم ماننا ناجائز ہے اور ان کے علاوہ کسی اور غیر مسلم کو حکم ماننا جائز ہے بلکہ اصل مقصد یہ ہے غیر مسلم کی حاکمیت تسلیم کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ تمام مفسرین کے نزدیک یہ مانا ہوا اصول ہے کہ بعض آیات کا شانِ نزول تو خاص ہوتا ہے لیکن حکم ان کا عام ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔

بہرحال ان آیات میں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو یہ تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاکم نہ مانو۔ اور اب اس مضمون کی تائید میں حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کا عقیدہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ	اے قید خانہ کے رفیقو کیا
ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ	کئی جدا جدا معبود بہتر ہیں
خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ	یا اکیلا اللہ جو زبردست ہے
الْقَهَّارُ ٥ مَا تَعْبُدُوْنَ	تم تو اس کے سوا چند
مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ	نام نہاد خداؤں کو پوجتے
اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ	ہو جو تم نے اور تمہارے
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ	آباؤ اجداد نے خود مقرر کر
اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ	لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے
سُلْطٰنٍ ط اِنِ الْحُكْمُ	متعلق کوئی سند نہیں اتاری
اِلَّا لِلّٰهِ ط اَمَرَ اَلَّا	حکومت سوائے اللہ کے
تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ط	اور کسی کی نہیں ہے۔ اس
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ	نے حکم دیا ہے کہ اس کے
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	سوا کسی کی عبادت نہ کرو
لَا يَعْلَمُوْنَ ٥	یہی سیدھا راستہ ہے لیکن
سورۃ یوسف آیت (۳۹-۴۰)	اکثر لوگ نہیں جانتے۔
وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا	اور کہا اے میرے بیٹو
تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ	ایک دروازے سے داخل
وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا	نہ ہونا مختلف دروازوں
مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ط	سے داخل ہونا۔ اور میں
وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ	تمہیں اللہ کی کسی بات سے
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ط	بچا نہیں سکتا۔ اللہ کے

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ج وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ٥

(سورہ یوسف آیت ۶۷)

سوا کسی کا حکم نہیں ہے۔ اللہ پر میرا بھروسہ ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ط قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ج فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ج وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ٥

(سورۃ یوسف آیت ۸۰)

پھر جب اس سے ناامید ہوئے تو مشورہ کرنے کے لیے اکیلے ہو بیٹھے۔ ان میں سے بڑے نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد لیا تھا اور پہلے جو یوسف کے حق میں قصور کر چکے ہو پس میں تو اس ملک سے ہرگز نہیں جاؤں گا۔ یہاں تک کہ میرا باپ مجھے اجازت دے یا اللہ میرے لیے کوئی فیصلہ کرے اور وہ بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے

تفسیر

حکّام مصر نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بعض مصالح کی بنا

پر جیل خانہ بھیج دیا تو اس وقت آپ کے ساتھ دو اور نوجوانوں کو بھی بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں جیل خانہ بھیجا۔ اور ان نوجوانوں نے خواب دیکھا۔ ایک نے یہ دیکھا کہ وہ شراب نچوڑ رہا ہے اور دوسرے نے یہ دیکھا کہ اس کے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا ہے اور پرندے وہ روٹیاں کھا رہے ہیں۔ ان دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نیک سمجھ کر ان سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے سمجھا کہ جب یہ لوگ میرے ساتھ عقیدت اور حسن ظن رکھتے ہیں تو مناسب ہے کہ پہلے ان کے عقائد کی اصلاح کر دوں۔ اور خوابوں کی تعبیر بعد میں بتا دوں گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت انہیں جو دعوت دی اس کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے مالک اللہ ہے اور رزاق بھی اللہ ہے اور حاکم بھی اللہ ہے مرنے کے بعد کی زندگی (قیامت) بھی برحق ہے۔ اور یہ عقائد سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے ہیں۔ ان میں سے حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ہیں۔ اور فرمایا کہ میرے پاس جو خوابوں کی تعبیر کا علم ہے یہ بھی اسی دین کی برکت ہے۔ ان عقائد کے سوا جو عقائد لوگ رکھتے ہیں وہ سب مشرکانہ ہیں۔ ان لوگوں کے پاس اپنے معبودوں کے الٰہ ہونے پر کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس کے بعد انہیں ان کے خوابوں کی تعبیر بتائی۔ کہ جو شراب نچوڑنے والا ہے وہ تو اپنی نوکری پر بحال ہو جائے گا اور جو روٹیوں والا ہے اس کو پھانسی ہو جائے گی۔

یہ تو سورۃ یوسف کی آیت نمبر ۳۹، اور ۴۰ کا مضمون ہے۔

اس کے بعد سورۃ یوسف کی آیت نمبر ۶۷ ہے۔ اس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے عقیدہ کو بیان فرمایا گیا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے جب دوسری مرتبہ اناج خریدنے کے لیے مصر جانے لگے تو اس وقت آپ نے انہیں چند نصیحتیں فرمائیں۔ پہلی نصیحت اور تدبیر یہ بتائی تھی کہ مصر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا۔ یہ تدبیر اس لیے بتائی تا کہ وہ نظرِ بد سے بچ جائیں اور دوسری یہ بتائی کہ اس عقیدہ پر قائم رہنا کہ حکمران اللہ ہے۔ اس کی طرف سے اگر کوئی مصیبت آجائے تو میں اس کو دور نہیں کر سکتا۔ تیسرا ان کو یہ بتایا کہ میں اسی اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور تم بھی اسی پر بھروسہ کرو۔ اس کے بعد سورۃ یوسف کی آیت ۸۰ ہے۔ اس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے یہودہ یا ربیل کا عقیدہ بیان فرمایا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے مصر سے غلہ لے کر کنعان کی طرف واپس آرہے تھے تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے اہل کاروں میں سے کسی نے ان سے کہا کہ تم چور ہو۔ تم ہمارا شاہی پیمانہ لے آئے ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم چور نہیں ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ اگر تمہارے سامان سے ہمارا وہ پیمانہ نکل آئے تو پھر کیا ہونا چاہیئے۔ تو انہوں نے کہا کہ اسے پکڑ لو چنانچہ تلاشی کے بعد بنیامین کے سامان سے وہ پیمانہ نکل آیا تو وہ پکڑ لیے گئے اور یہ درحقیقت اللہ کی طرف سے حضرت یوسف کو بتائی ہوئی یہ تدبیر تھی۔ ان کے بھائی چور نہیں تھے۔

اس کے بعد بھائیوں نے مل کر باہم مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے تو اس وقت بڑے نے کہا کہ میں تو نہیں جاؤنگا تم جاؤ کیونکہ ہم والد صاحب کے ساتھ وعدہ کر کے آئے ہیں کہ بنیامین کو واپس لائیں گے۔ اور اب یہ واقعہ درپیش آچکا ہے اور اس سے پہلے یوسف کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ لہٰذا تم جاؤ اور یہ واقعہ جاکر سناؤ میں تو نہیں جاؤں گا۔ اگر والد صاحب کہیں گے تو آجاؤں گا ______ اور اگر اللہ تعالےٰ کوئی سبیل پیدا کرے تو بھی آجاؤں گا۔ یہ واقعہ نقل کرنے سے ہمارا مقصد یہاں یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ حکمران اللہ ہے اور ہمیں یہ عقیدہ اپنے آباء و اجداد (حضرت ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ) سے ملا ہے اور حضرت یعقوب نے بھی یہی فرمایا۔ اور ان کے صاحبزادوں نے بھی یہی فرمایا۔ پس معلوم ہوا کہ سارے جہان کا حاکم اللہ ہے اور تمام انبیا علیہم السلام کا بھی یہی عقیدہ تھا۔

خدا کی شوریٰ نہیں ہے جسکے سامنے وہ جوابدہ ہو اور اس کا کوئی محتسب اعلیٰ بھی نہیں ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا	اے ایمان والو عہدوں کو
اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ	پورا کرو۔ تمہارے لیے
اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ	چوپائے مویشی حلال ہیں
الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰى	سوائے ان کے جو تمہیں آگے

عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝ سورہ مائدہ ۱

سنائے جائیں گے مگر شکار کو احرام کی حالت میں حلال نہ جانو اللہ جو چاہے حکم دیتا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

(سورۃ الرعد آیت ۴۱)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ہٹا نہیں سکتا۔ اور وہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝

(سورۃ الانبیاء آیت ۴۴)

کیا انہوں نے دیکھا نہیں ہے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹا رہے ہیں کیا وہ غالب آسکتے ہیں۔

ربط آیات

سے قبل جو آیات بیان ہوئی ہیں انکا مقصد یہ ہے کہ اس سارے جہاں کا حکمران حقیقی اور اصلی اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی اور ایسا حکمران نہیں ہے۔ مگر اس سے یہ چند

شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ چلو اور حکمران نہ سہی لیکن شاید اس کی کوئی شوریٰ یا پارلیمنٹ ہوگی پہلے اس میں امورِ سلطنت طے ہوتے ہونگے اور پھر خدا کو انتظامیہ کا سربراہ ہونیکی حیثیت سے ان پر عمل کرنا پڑتا ہوگا اور اس کے اختیارات کی حد بھی مقرر ہوگی۔ اور اگر وہ مفوّضہ کاموں میں کوتاہی یا تساہل برتتے یا وہ اپنے دائرہ اختیارات سے تجاوز کرے تو اسے اپنی اس شوریٰ یا پارلیمنٹ کے سامنے جواب دینا پڑتا ہوگا اور وہ شوریٰ یا پارلیمنٹ اس سے بازپُرس کرتی ہوگی یا اس پر کوئی محتسبِ اعلیٰ ہوگا تو ان آیات میں ان شبہات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ اب ہم پہلے ان آیات کی تشریح اور تفسیر عرض کرینگے اور پھر آخر میں جوابات دیں گے۔ واللہ الموفق والمعین۔

تشریح الفاظ

اَوْفُوْا جمع حاضر امر کا صیغہ ہے۔ ایفاء سے بنا ہے اس کا معنی ہے پورا کرنا۔ عقود عقد کی جمع ہے اس کا معنی عہد و پیمان ہے۔ اُحِلَّتْ واحد مؤنث غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ حلال سے بنا ہے۔ اس کا معنی جائز یا روا ہونا ہے۔ بھیمۃ بھمۃ سے بنا ہے واحد مؤنث ہے اس کی جمع بھائم آتی ہے چوپایہ کو کہتے ہیں خواہ برّی ہو یا بحری۔ انعام نعو کی جمع ہے اسکا معنی بھی چوپایہ مویشی ہے مگر یہاں مراد گائے، اونٹ، بکری، بھیڑ ہیں۔ کیونکہ آگے قرآن میں اس کی تفصیل آرہی ہے۔ یہاں اضافت عام

کی خاص، کی طرف ہے کیونکہ بھیمۃ برّی اور بحری دونوں چوپایوں کو شامل ہے۔ اور اسی طرح برّی حرام جانور بھی اس میں شامل ہیں اور انعام کی قید لگا کر باقیوں کو نکال دیا ہے۔ مُحِلّی جمع مذکر اسم فاعل ہے۔ اضافت سے اس کا نون گرا ہوا ہے اصل میں محلّین ہے۔ حُرُم۔ حرم کی جمع ہے اس کا معنی ناجائز اور حرام آتا ہے حالت احرام کو بھی کہتے ہیں۔ یَرَوْا رُؤیۃ سے بنا ہے اس کا معنی دیکھنا ہے۔ معقّب تعقیب سے بنا ہے اس کا معنی ہے پیچھا کرنا

تفسیر

یہاں دو آیتیں مذکور ہیں۔ پہلی سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ا ہے اس میں ایک حکم ہے اور دوسرا اس کی تشکیل ہے۔ حکم یہ ہے کہ عہدوں کو پورا کرو۔ اور یہ ایفاء عہد عام ہے۔ خواہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد ہو یا مخلوق سے کیا ہوا عہد ہو۔ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی ایک صورت اور شکل یہ بیان فرمائی ہے کہ اس نے جو چیزیں تمہارے لیے حلال فرمائی ہیں وہ کھاؤ اور جو چیزیں حرام فرمائی ہیں وہ نہ کھاؤ۔ مثلاً چوپایوں میں سے اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری یہ حلال ہیں۔ یہ جانور انسان کھا سکتا ہے۔ ہاں اگر انہی جانوروں کو انسان غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز کر دے تو پھر ان کا کھانا حرام ہے مثلاً اگر آدمی یوں کہے کہ اگر فلاں بزرگ نے میری فلاں مشکل حل کر دی تو اس کے نام کا بکرا دونگا تو ایسی نذر ماننا شرک ہے اور اس چیز کا کھانا حرام ہے اور

اسی طرح حالتِ احرام میں شکار کرنا بھی حرام ہے۔

سوال

یہ کیسے معلوم ہوا کہ انسان نے اللہ تعالیٰ سے اس کے ارشادات اور احکامات ماننے کا عہد و پیمان کیا ہوا ہے۔ اور اب اللہ تعالیٰ بنی آدم سے اسے پورا کرنے کا تقاضا فرما رہے ہیں۔

جواب

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان کسی دوسرے ملک میں جاتا ہے تو پہلے اسے اس ملک کی حکومت اور سلطنت سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ یہ اجازت ملنے کے بعد جب یہ اس غیر ملک میں جائے گا تو اسے اس ملک کی تمام پابندیوں اور قوانین کی پیروی کرنی پڑے گی۔ اس اجازت نامہ میں جن جن مقامات کا ذکر ہوگا وہیں تک جا سکے گا اور جتنے عرصے کا ذکر ہوگا اتنا عرصہ تک ہی اس میں رہ سکے گا اور اس کی خلاف ورزی پر وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح جب انسان اللہ تعالیٰ کے ملک میں رہتا ہے۔ اسی نے اسے پیدا کیا ہے وہی اسے روزی دیتا ہے اور یہ سارا جہان اسی نے بنایا ہے۔ وہی حکمرانِ اعلیٰ ہے اور اس نے اپنے کارندوں (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے ذریعہ انسان کو اس سے آگاہ بھی فرما دیا ہے اور انسان سے اس کی وحدانیت اور توحید کا اقرار بھی کروا دیا ہے۔ اب انسان پر لازم ہے کہ اس کے پورے قوانین اور اصولوں کی پیروی کرے

اگر ایسا کرے گا تو اجازت نامہ میں دی ہوئی مراعات سے استفادہ کر سکے گا۔ اور اگر اس کی خلاف ورزی کرے گا تو سزا کا مستحق ہو گا۔ اور یہ مضمون یاایھا الذین امنوا میں بیان فرمایا گیا ہے اور اس کے بعد بعض مراعات اور بعض پابندیوں کا بیان ہے جس کی قدرے تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔

سوال

دنیا میں تو حکومتیں اس لیے غیر ملکیوں پر پابندی عائد کرتی ہیں کہ انہیں غیر ملکیوں سے خطرہ رہتا ہے کہ یہ لوگ انہیں نقصان نہ پہنچائیں تو کیا خدا کو بھی ایسا ہی خطرہ ہوتا ہے۔

جواب

ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو پابندیاں عائد فرمائی ہیں وہ صرف اور صرف شفقت کی بناء پر فرمائی ہیں کیونکہ انسان کی حیثیت ایک بچے جیسی ہے۔ جیسا کہ بچے کو شروع شروع میں صرف دودھ ہی دیا جاتا ہے باقی غذائیں نہیں دی جاتی ہیں۔ ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اگر بچہ اور غذائیں کھائے گا تو ماں اور باپ کا نقصان ہو گا بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس وقت بچے کے لیے یہی غذا مفید ہے۔ اس وقت اور غذائیں اس کے لیے مضر ہیں۔ اور اس کا علم ماں اور باپ کو ہے بچے کو نہیں ہے اسی طرح خالق کائنات نے اس جہان میں بعض ایسی چیزیں پیدا فرمائی

ہیں جو انسان کے لیے مفید ہیں اور بعض ایسی چیزیں بھی پیدا فرمائیں جو اس انسان کے لیے مضر ہیں۔ اور چونکہ انسان کو مضر اور مفید کا امتیاز نہیں ہے اس لیے اس نے اپنے کارندے بھیج کر انسان کو اس سے آگاہ فرما دیا ہے اور اسی لیے ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ الرحمان الرحیم لگا دیا گیا ہے۔ یعنی اس سورۃ میں جتنے احکامات بیان ہوں گے وہ سراسر شفقت پر مبنی ہیں۔ انسان کا ہی ان میں نقصان یا فائدہ ہے۔ خدا کا نقصان ہے نہ فائدہ۔

سوال

پھر خداوند پاک نے ایسے اسباب پیدا کیوں فرمائے ہیں جن میں بنی آدم کا نقصان ہے جب کہ وہ اتنا بڑا مہربان بھی ہے۔

جواب اوّل

اس کا جواب دیا ہے کہ ان اللہ یحکم ما یرید، بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے جو چاہے اور یہ آیت ذرا سی مجمل ہے اور اس کے بعد سورۃ الرعد کی آیت ۴۱ اس کی تشریح ہے۔ یعنی انہوں نے دیکھا نہیں ہے کہ ہم زمین کو اس کی جوانب سے گھٹا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے اور اس کے فیصلے کو کوئی ہٹانے والا نہیں ہے اور اگر اس کے فیصلوں کو کوئی ہٹانے کی کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کا جلدی حساب لے گا یعنی اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے کے سلسلہ میں کسی سے رائے لینے کا پابند نہیں ہے اور وہ جو فیصلہ کرے اس سے

کوئی پوچھنے والا نہیں ہے کہ تو نے یہ کام کیوں کیا ہے اور یہ کیوں نہیں کیا۔ وہ قادر مطلق ہے جیسے چاہے کرے۔ پس اس نے اپنے بندوں کے لیے جو حلال و حرام کے فیصلے دیے ہیں وہ اس نے اپنی مرضی سے کئے ہیں۔ اس کے بعد سورۃ الرعد کی آیت اکتالیس ہے اس میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو گھٹاتا ہے اور اس کا کوئی تعاقب کرنے والا نہیں۔

اس کے بعد سورۃ الانبیاء کی آیت ۴۴ کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس کے اندر بھی آیت الرعد کی تشریح ہے اور اس کے آخر میں فرمایا ہے کہ کیا ان میں کوئی ہے جو خدا پر غالب آ جائے۔ یہ استفہام انکاری ہے کہ ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس خدا پر غالب آسکے یعنی جب اللہ پاک زمین کو گھٹا رہے ہیں تو کیا کسی کی طاقت ہے جو اس خدا کا مقابلہ کرے اور اسے اس کام سے روک دے؟ تو خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ وہ قادر مطلق ہے حکمران اعلیٰ ہے وہ جو کام کرتا ہے اس کام سے کوئی روک بھی نہیں سکتا اور اس سے کوئی باز پرس بھی نہیں کر سکتا۔

زمین کیسے گھٹتی ہے

ان آیتوں میں جو زمین کو گھٹانے کا ذکر آیا ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ حقیقت بھی ہو سکتی ہے اور مجاز بھی اور اس سے اگر حقیقت مراد لی جائے تو بھی صحیح ہے۔ کیونکہ زمین کا گھٹنا تجربہ سے ثابت ہے۔

تفصیل اس کی احادیث میں یوں آئی ہے حضرت عبداللہ بن مجاہد قتادہ اور سدی نے فرمایا کہ سب سے پہلے پانی کی سطح پہ کعبہ کا مقام نمودار ہوا۔ شروع میں یہ سفید منجمد جھاگ تھی۔ پھر اس کے بعد زمین اس کے نیچے سے پھیلائی گئی اور یہ بہت بڑا برّاعظم بنا اور اس کے چاروں طرف سمندر تھا اور پھر وہ بڑا برّاعظم ٹوٹ کر آج کے یہ سات برّاعظم اور جزائر بنے۔ مگر آج پھر سمندری چوڑائی بڑھ رہی ہے اور خشکی گھٹ رہی ہے۔ (ملخّص از "اگر اب بھی نہ جاگے تو" تالیف مولانا شمس نوید صاحب عثمانی بحوالہ تفسیر مواہب الرحمان ج ۴ ص ۱۵)

پس خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ اس زمین کو بڑھایا بھی خدا نے ہے اور وہی گھٹا بھی رہا ہے۔ یہ زمین بناتے وقت بھی اس کو کوئی نہیں روک سکا کہ کیوں بنا رہے ہو۔ ہم نہیں بننے دیں گے۔ اور اللہ پاک اس کو گھٹا بھی رہے ہیں مگر اس کو کوئی نہیں روک سکتا کہ اس کو کیوں گھٹا رہے ہو۔ حالانکہ طبقات الارض کے ماہرین جدید تحقیقات کے مطابق یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ یہ تمام برّاعظم مختلف سمتوں میں بہہ رہے ہیں جیسا کہ بحر اوقیانوس کی چوڑائی بڑھ رہی ہے۔ یورپ اور شمالی امریکہ ایک دوسرے سے ڈھائی سنٹی میٹر سالانہ کی رفتار سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور امریکہ اس وقت سپر طاقت کا دعویدار ہے مگر کسی میں یہ جرأت نہیں ہے کہ خدا کو کوئی ایسا کرنے سے روک سکے۔ پس معلوم ہوا کہ سارے جہاں کا حقیقی حکمران اعلیٰ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ توجیہ تو اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ نقص الارض کو حقیقی معنی پر حمل کریں۔ اور اگر ہم اس آیت سے مجازی معنی مراد لیں

تو پھر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہم کفر کی زمین کو گھٹا رہے ہیں اور اسلام کی سرزمین کو بڑھا رہے ہیں۔ کیا ہے کوئی خدا کا مقابلہ کرنے والا کہ وہ غالب آسکے۔ یا ہے کوئی خدا سے باز پرس کرنے والا ؟

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سے اسلام کا دعویٰ کیا اس وقت سے لے کر آج تک اسلام کی سرزمین بڑھ رہی ہے اور کفر کی گھٹ رہی ہے باوجودیکہ اس ملتِ بیضا کو مٹانے کے لیے بڑی بڑی کوششیں کی گئیں مگر سب ناکام ہوگئیں۔ پس معلوم ہوا کہ حکمران حقیقی اور اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بس۔ اس کی کوئی مشوری نہیں ہے کہ خدا اس کے سامنے جواب دہ ہو اور اس سے بالا اور کوئی طاقت نہیں ہے کہ وہ اس خدا کو روک ٹوک سکے۔ بہرحال اس زمین کو بڑھانے اور گھٹانے میں جو بقول شاعر

ع سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے ایک وہی باقی بتانِ آزری

مصلحت ہے وہی جانتا ہے۔

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ	بے شک تمہارا رب اللہ
الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	ہے جس نے آسمانوں اور
وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ	زمین کو چھ دن میں پیدا کیا
اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی	پھر عرش پر قرار پکڑا۔
عَلَی الْعَرْشِ قف یُغْشِی	رات سے دن کو ڈھانک
الَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ	دیتا ہے کہ وہ اس کے
حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ	پیچھے دوڑتا ہوا آتا ہے

وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ	سورج ، چاند اور ستارے
مُسَخَّرَاتٍۢ بِاَمْرِهٖ ط	اپنے حکم کے تابعدار بنا کر پیدا
اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط	کیے ۔ اسی کا کام ہے پیدا
تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ	کرنا اور حکم فرمانا ۔ اللہ بڑی
الْعٰلَمِيْنَ ٥	برکت والا ہے جو سارے
(سورۃ الاعراف آیت ۵۴)	جہاں کا رب ہے ۔

تشریح الفاظ

رَبّ مصدر بمعنے اسم فاعل ہے اس کی جمع اَرْبَاب آتی ہے ۔ الرّب الف لام سے غیر اللہ پر اس کا اطلاق جائز نہیں ہے اور اضافت سے غیر اللہ پر بھی اس کا اطلاق صحیح ہے ۔ رب کا معنی ہے چیز کو بنانا اور تدریجی طور پر اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانا ۔ خلق واحد مذکر ماضی کا صیغہ ہے خلقت سے بنا ہے اس کا معنی سوائے مادہ اور نمونہ کے چیز بنانا ۔ سموات' سماء کی جمع ہے بلندیاں ۔ واحد ماضی ہے اِسْتَوٰی، سواء سے بنا ہے بمعنی برابری ۔ عرش بمعنی تخت ہے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کا تخت ہے جو تمام آسمانوں کو حاوی اور کرسی کے نیچے ہے اور کرسی سب کو حاوی ہے ۔ حثیثا واحد مذکر صفت مشبہ ہے حَثّ سے بنا ہے بمعنی برانگیختہ کرنا اور تیز دوڑنا ہے ۔ شمس سے مراد شمسی نظام ہے اور قمر سے مراد قمری نظام ہے ۔ نجوم نجم کی جمع ہے سیّارات کا نظام مراد ہے تبارک برکت سے بنا ہے اس کا معنی ہے چیز کے حجم میں اضافہ کرنا ۔

تفسیر

یہ سورۃ اعراف کی آیت چون ہے۔ یہ بھی پہلے مضمون کی تائید ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ فرش زمین سے لے کر عرش بریں تک یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور اسی کے کنٹرول میں ہے

جواب دوم

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ	وہ لوگ جو اس رسول کی
الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ	پیروی کرتے ہیں جو نبی
الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ	امّی ہے جسے وہ اپنے
مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی	ہاں توراۃ، انجیل میں لکھا
التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ	ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان
یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ	کو نیکی کا امر کرتا ہے
وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ	اور برے کاموں سے
وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ	روکتا ہے اور وہ انکے
وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ	لیے پاک چیزیں حلال کرتا
الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ	ہے اور گندی چیزیں حرام
عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ	کرتا ہے اور ان سے ان
وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ	کے بوجھ اور قیدیں اتارتا
كَانَتْ عَلَیْهِمْ	ہے جو ان پر تھیں۔

(سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷)

تفسیر

یہاں اس آیت میں چار مضمون ہیں۔ پہلا مضمون یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ توریت انجیل میں بھی تھا۔ دوسرا مضمون یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے لوگوں کو اچھے کاموں کی تبلیغ فرمائی ہے اور بُرے کاموں سے انہیں منع کرتے ہیں اور تیسرا مضمون یہ ہے کہ آپ اللہ کے حکم سے لوگوں کو اچھی چیزیں کھانے کا حکم دیتے اور گندی چیزوں سے منع کرتے ہیں اور چوتھا مضمون یہ ہے کہ لوگ دین کو چھوڑ دینے کی وجہ سے جن مشکلات میں مبتلا ہو چکے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین پر عمل کرا کر ان کے بوجھ اور مشکلات کو دور فرما رہے ہیں۔ پس یہ آیت اس سوال کا دوسرا جواب ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کے لیے وہی چیزیں ممنوع اور حرام قرار دی ہیں جو گندی اور ناپاک ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا پہلا دنیاوی نمونہ

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

(سورۃ یونس آیت ۴۷)

اور ہم نے ہر اُمت کے پاس ایک رسول بھیجا ہے پھر جب انکے پاس ان کا رسول آیا۔ تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا اور ان پر ظلم

نہیں کیا۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا	جو سیدھے راستے پر
يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ج	چلا تو اپنے ہی لیے
وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا	اور جو بھٹک گیا تو
يَضِلُّ عَلَيْهَا ط	اس کا نقصان بھی وہی
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ	اٹھائے گا اور کوئی بوجھ
وِّزْرَ اُخْرٰى ط	اٹھانے والا دوسرے
وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ	کا بوجھ نہیں اٹھائے گا
حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝	اور ہم سزا نہیں دیتے
(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۵)	جب تک کہ رسول کو
	نہیں بھیجتے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ	اور تیرا رب بستیوں کو
مُهْلِكَ الْقُرٰى	ہلاک نہیں کرتا جب تک
حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ	کہ ان کے بڑے شہر
اُمِّهَا رَسُوْلًا	میں پیغمبر نہ بھیج لے جو
يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ	انہیں ہماری آیتیں پڑھ
وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي	کر سنائے۔ اور ہم بستیوں
الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا	کو ہلاک نہیں کیا کرتے مگر
ظٰلِمُوْنَ ۝	اس حالت میں کہ وہاں
(سورۃ القصص آیت ۵۹)	کے باشندے ظالم ہوں
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ	بے شک ہم نے آپ کو

بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ؕ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ ○ (سورہ فاطر آیت ۲۴)

سچا دین دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی امت نہیں گزری مگر اس میں ایک ڈرانے والا گزر چکا ہے

ربط آیات

اس سے پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سارے جہاں کا حکمران اعلیٰ ہے۔ کُل اختیارات کا مالک ہے۔ اس پر کوئی بالا افسر نہیں ہے جس کے حکم کی اسے تعمیل کرنی پڑے اور اس کی کوئی شوریٰ بھی نہیں ہے جس کے سامنے اسے جواب دہ ہونا پڑے۔ اس کی ہر بات اور ارشاد قانون ہے اور اس کی تعمیل بندوں پر لازم اور فرض ہے۔ مگر اس سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ جب وہ اتنا کار مختار اور قادر مطلق ہے تو پھر وہ جیسے اور جب چاہے کسی کو سزا دے دے۔ وہاں انصاف نامی چیز کا تو سوال ہی نہیں ہوگا جیسا کہ دنیا کے ڈکٹیٹر حکمران کرتے ہیں تو اس کے جواب میں مندرجہ ذیل آیات بیان فرمائی ہیں۔

تفسیر

یہاں چار آیات نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۂ یونس کی ہے اس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں ایک رسول

بھیجا ہے اور رسول کے جانے کے بعد وہاں کے انسانوں کی دو جماعتیں ہوگئیں ۔ ایک جماعت خدا کو اپنا خالق و مالک اور حکمران ماننے والی اور دوسری جماعت اس کے منکرین کی ۔ اور پھر اللہ تعالےٰ نے ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا اور ان میں سے کسی پر زیادتی نہیں کی گئی اور اس کے بعد دوسرے نمبر پہ آیت سورۃ بنی اسرائیل کی ہے اس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اس پیغمبر کے کہنے پر جن لوگوں نے لبیک کہا انہیں فائدہ پہنچا اور جنہوں نے انکار کیا انہیں بڑا نقصان ہوا ۔ اور پھر کوئی انہیں خدا کے عذاب سے نہ چھڑا سکا ۔ اور ہمارا اصول ہی یہی ہے کہ رسول بھیجنے کے سوا عذاب نہیں دیتے ۔

اس کے بعد تیسرے نمبر پر سورۃ القصص کی آیت نمبر انسٹھ ہے یہ آیت پہلی دو آیتوں کی تفسیر ہے ۔ پہلی آیتوں میں اتنا فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے ۔ رسول بھیجنے کے سوا اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتے ۔ مگر ان آیتوں میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کس جگہ بھیجا ۔ مرکز میں یا کسی دیہات میں ۔ تو سورۃ القصص کی آیت میں اس کی وضاحت بیان فرمادی ہے کہ تیرا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے بڑے شہر میں رسول نہ بھیجے ۔ اور اس آیت میں رسول کا کام بھی بیان فرمادیا ہے کہ رسول کا کام اللہ تعالیٰ کے تعارفی نمونے پیش کرنا ہے اور مرکز کا انتخاب اس لیے فرمایا کہ مرکز سے عام لوگوں کی وابستگی اور تعلقات ہوتے ہیں ۔ مرکز میں ہدایت آجائے تو پورے ملک میں اس کا پھیلانا آسان ہوجاتا ہے اور آیت کے آخر میں بھی پہلی دو آیتوں کی

تشریح ہے۔ کیونکہ پہلی دو آیتوں میں عذاب کا اجمالی ذکر ہے۔ یہ بیان نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عذاب کیسے لوگوں کو دیتا ہے اور سورۃ القصص کی اس آیت میں یہ بھی بیان فرمادیا ہے کہ ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اس حال میں ان کے رہنے والے ظالم ہوں یعنی ظالموں کو عذاب ملتا ہے نیکوں کو عذاب نہیں ملتا۔

اس کے بعد سورۃ فاطر کی آیت نمبر چوبیس ہے۔ اس میں دو چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز پیغمبروں اور رسولوں کا انداز تبلیغ ہے۔ یہاں اگرچہ بظاہر مخاطب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کو فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو سچا دین دے کر بھیجا ہے آپ کا کام بشارت سنانا اور عذاب الٰہی سے ڈرانا ہے مگر اسی آیت کے بعد والے جملے اور بعض دیگر آیات سے معلوم ہوا ہے کہ تبلیغ دین کے سلسلہ میں تمام انبیائ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی طریقہ اپنانے کا حکم تھا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا۔

پس خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کارمختار اور قادر مطلق تو ہے لیکن وہ ظالم نہیں ہے کہ جسے چاہے اور جب چاہے اور جس کو چاہے عذاب دے دے بلکہ وہ بہت بڑا مہربان ہے۔ وہ اپنے رسولوں اور فرستادوں کے ذریعہ پہلے اپنا تعارف کراتا ہے اور اس تعارف کے سلسلہ میں ان پیغمبروں کا لب ولہجہ بھی عام حکمرانوں کے کارندوں جیسا نہیں ہوتا کہ جس سے حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہو۔ بلکہ انکا لب لہجہ انتہائی شفیقانہ اور رحیمانہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ عقیدت اور محبّت پیدا ہو جاتی ہے اور یقین کامل

ہو جاتا ہے کہ فی الواقع وہی خالق و مالک ہے۔ وہی حکمران اعلیٰ ہے وہی با اختیارات ہستی ہے اور عدل و انصاف کا پیکر ہے وہ ذرّہ بھر کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا دوسرا نمونہ مہلت غور

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا	اور کافروں کی باتوں پر
يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ	صبر کرو اور انہیں عمدگی
هَجْرًا جَمِيْلًا ۝	سے چھوڑ دو اور مجھے
وَذَرْنِىْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ	اور جھٹلانے والے دولتمندوں
اُولِى النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ	کو چھوڑ دو۔ اور انہیں
قَلِيْلًا ۝ اِنَّ لَدَيْنَا	تھوڑی سی مدّت مہلت
اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝	دو بے شک ہمارے
وَطَعَامًا مَا ذَا	پاس بیڑیاں اور جہنم ہے
غُصَّةٍ وَّعَذَابًا	اور گلے میں اٹکانے والا
اَلِيْمًا ۝	کھانا اور دردناک عذاب

(سورۃ المزمل آیت ۱۰ تا ۱۳)

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝	بے شک وہ قرآن قطعی
وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝	بات ہے اور ہنسی کی
اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ	بات نہیں ہے۔ بے شک
كَيْدًا ۝ وَاَكِيْدُ	وہ ایک تدبیر کر رہے ہیں

كَيْدًا ۝ فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝	اور میں بھی ایک تدبیر کر رہا ہوں۔ پس کافروں کو مہلت دے۔ انہیں تھوڑے دنوں کی مہلت دے۔
(سورۃ رق آیت ۱۳ تا ۱۷)	
وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝	اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم انہیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے۔ ایسی جگہ سے جہاں انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ اور میں انہیں مہلت دوں گا۔ بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔
(سورۃ الاعراف آیت ۱۸۲-۱۸۳)	
رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝	کافر بڑی حسرت کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہو جاتے۔ انہیں چھوڑ دو، کھا لیں اور نفع اٹھا لیں اور انہیں آرزو بھلائے رکھے۔ سو آئندہ معلوم کر لیں گے۔ اور ہم نے جتنی بستیاں ہلاک کی ہیں ان سب کے لیے ایک وقت مقرر لکھا

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ٥
(سورۃ الحجر آیت ۲ تا ۵)

ہوا تھا۔ کوئی قوم اپنے وقت مقررہ سے نہ پہلے ہلاک ہوئی ہے اور نہ پیچھے رہی ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ٥ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٥ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ٥

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں سے بے زاری ہے جن سے تم نے عہد کیا تھا۔ سو اس ملک میں چار مہینے پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکو گے اور بے شک اللہ کافروں کو ذلیل کرنے والا ہے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ ط

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑے حج کے دن لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بے زار ہیں۔

فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ

پس اگر تم توبہ کرو تو تمہارے

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ	لیے بہتر ہے اور اگر نہ
تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا	مانو تو جان لو کہ بے شک
اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِ	تم اللہ کو عاجز کرنے
اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ	والے نہیں ہو اور
كَفَرُوْا بِعَذَابٍ	کافروں کو دردناک عذاب
اَلِيْمٍ ۝	کی خوشخبری سُنا دو۔
اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ	مگر جن مشرکوں سے تم
مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ	نے عہد کیا تھا پھر انہوں
لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا	نے تمہارے ساتھ کوئی قصور
وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا	نہیں کیا اور تمہارے مقابلہ
عَلَيْكُمْ اَحَدًا	میں کسی کی مدد نہیں کی۔
فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ	سو ان سے ان کا عہد
عَهْدَهُمْ اِلٰى	ان کی مدّت تک پورا
مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ	کر دو بے شک اللہ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝	پرہیزگاروں کو پسند کرتا
	ہے۔
فَاِذَا انْسَلَخَ	پھر جب عزت والے
الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ	مہینے گزر جائیں تو مشرکوں
فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ	کو جہاں پاؤ قتل کر دو
حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ	اور انہیں پکڑو اور گھیر
وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ	لو اور ان کی تاک میں ہر

وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ج فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○	جگہ بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ○	اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو یہاں تک کہ اللہ کا کلام سنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگ بے سمجھ ہیں۔
(سورۃ التوبۃ آیت ۱ تا ۶)	

تفسیر آیات

یہاں اس بحث میں اٹھارہ آیات نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت میں اللہ رب العزت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو تین حکم دیتے ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ کافر جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کریں۔ کفار نے آپ کی ذات گرامی پر کبھی بھی بد اخلاقی، بد دیانتی اور بدکرداری وغیرہ کا الزام نہیں لگایا۔ وہ لوگ تو آپ کو محمدؐ امین کہہ کر پکارتے تھے۔ البتہ آپ کے

ساتھ عقائد کے بارے میں ان کا جو اختلاف تھا اس کی وجہ سے از روئے عناد وہ لوگ آپ کو کبھی شاعر، کبھی مجنون، کبھی مفتری اور کبھی کاہن وغیرہ کہتے تھے ۔ اور ظاہر بات ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ ایک معلم اعظم تھے تو انہوں نے ان الفاظ کی وجہ سے ناراض اور کبیدہ خاطر تو ہونا ہی تھا تو اللہ رب العزّت نے ان آیات میں آپ کو تسلّی دی ہے اور پھر آپ کو تین ہدایات دی ہیں۔ پہلی ہدایت یہ ہے کہ آپ ان کے ان بیہودہ الفاظ پر صبر کریں ۔ اور دوسری ہدایت یہ ہے کہ آپ انکو عمدگی سے چھوڑ دیں ۔ یہ ہدایت اس لیے دی کہ اس انداز سے اگر کسی سے علیحدگی اختیار کی جائے تو دوبارہ انسان مل کر بیٹھ سکتا ہے اور بد خلقی سے اگر علیحدگی اختیار کی جائے تو دوبارہ مل کر بیٹھنا مشکل ہوتا ہے اور چونکہ آپ ان لوگوں کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دے رہے تھے اور وہ لوگ نہیں مان رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر اعلیٰ اخلاق پر قائم رہنے کی تعلیم دی ہے اور ہمیشہ عالی اخلاق لوگوں کا یہی وطیرہ ہوتا ہے ۔ وہ عظیم مشن کے علمبردار ہوتے ہیں لیکن کم ظرف نہیں ہوتے ۔

تیسری ہدایت یہ دی ہے کہ آپ مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیں اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں ۔ اس گستاخی اور انکار کی سزا ہم خود انہیں دیں گے ۔ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں جہنم ہے اور گلے میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے اور اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے ۔

اس کے بعد سورۃ طارق کی پانچ آیات ہیں ان کا ربط پہلی سورۃ مزمّل والی آیات سے یہ ہے کہ سورۃ مزمّل والی آیات میں وذرنی والمکذبین

کا ذکر ہے کہ آپ مجھے اور جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیں۔

اور سورۃ طارق کی پہلی آیت میں بتایا ہے کہ یہ مکذّبین قرآن ہیں۔ یعنی مجھے اور قرآن جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیں میں خود ان کو اس کی سزا دُوں گا کیونکہ وہ قرآن تو ایک قطعی بات ہے ہنسی کی بات نہیں ہے اور یہ لوگ اس کو مٹانے کے منصوبے بنا رہے ہیں اور میں بھی انہیں سزا دینے کے منصوبے بنا رہا ہوں۔ آپ ان کو تھوڑی مہلت دے دیں پس سورۃ طارق کی آیات سورۃ مزمل کی آیات کی تشریح ہیں۔

اس کے بعد سورۃ الاعراف کی دو آیتیں ہیں۔ ان کا ربط سورۃ المزّمل اور سورۃ طارق والی آیات سے یہ ہے کہ سورۃ المزّمل میں تو ایک دفعہ یہ فرمایا ہے کہ مهلهو قليلاً ان کو تھوڑی سی مہلت دے دو اور سورۃ طارق میں تین دفعہ فرمایا ہے۔ ایک فمهل الكافرين اور دوسرا امهلهو اور تیسرا رویدا جو بمعنی اَمْهِل ہے پس یہ تین دفعہ فرمانا گویا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکید در تاکید ہے کہ اے نبی آپ کافروں کے عذاب کے لیے جلدی نہ کریں۔ ان کو سمجھنے کی اور غور کرنے کی مہلت دے دیں۔

اور سورۃ الاعراف کی پہلی آیت میں ان کے غور کرنے کے لیے ایک صورت تجویز فرمائی ہے کہ دنیا میں ان کو تدریجی طور پر پکڑیں گے فوراً نہیں پکڑیں گے بلکہ وقتی طور پر انہیں مہلت دیں گے تاکہ وہ غور کر سکیں۔ اس کے بعد سورۃ الحجر کی آیات ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ یہ مہلت انہیں اس لیے دے رہے ہیں کہ یہ لوگ کل افسوس کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ اور اس کے

بعد والی آیت میں فرمایا ہے کہ اے نبی انہیں چھوڑ دو انہیں کھا پی لینے دو۔ اور ان کی کچھ آرزوئیں ہیں جن کی وجہ سے بات میں وہ غور نہیں کر رہے ہیں۔ عنقریب وہ سمجھ جائیں گے۔ اور اس کے بعد والی آیتوں میں فرمایا ہے کہ جن لوگوں کی ہلاکت کا وقت مقرر ہے۔ اس وقت مقررہ سے پہلے بھی انہیں ہلاک نہیں کرتے اور اس وقت مقررہ کے آجانے پر بھی انہیں مہلت بھی نہیں ملتی لہذا ابھی ان مشرکین کو بھی مہلت دینا چاہیئے تاکہ یہ بعد میں افسوس نہ کریں۔

اس کے بعد سورۃ براءت کی آیات ہیں ان میں اس دنیاوی مہلت کا وقت متعین کر دیا گیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس سے پہلے جن آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کفار کو مہلت دیں وہ سب مکی ہیں۔ اور یہ سورۃ براءۃ کی ہیں جن میں یہ حکم ہے آپ انہیں چار ماہ کی مہلت دیں یہ مدنی ہے اور یہ ہجرت کے آخری ایام میں نازل ہوئی ہے پس معلوم ہوا کہ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر نزول براءۃ تک کا یہ سارا زمانہ اور پھر اس کے بعد کے یہ چار ماہ مہلت غور کے لیے دیئے گئے تھے اور اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم تھا کہ آپ ان کے ہر قسم کے اور ہر طرح کے شکوک و شبہات رفع کریں۔ چنانچہ آپ نے انہیں وعظ و نصیحت کے ذریعہ، معجزات کے ذریعہ، جہاد کے ذریعہ، غزوات کے ذریعہ ان لوگوں کے شبہات رفع کیے چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ مکہ مکرمہ بغیر جنگ کے فتح ہو گیا۔ اور تھوڑے لوگوں کے سوا عرب کی اکثریت اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئی جیسا کہ سورۃ نصر میں ہے۔ پس ایک تو یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی سارے جہاں کا خالق و مالک ہے اور وہی حکمران اعلیٰ ہے

اور جو لوگ اس خدا کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت اور پرستش کرتے ہیں وہ تو کسی چیز کے مالک نہیں ہیں ۔ نہ تو وہ اپنی جان بچا سکتے ہیں اور نہ اپنے پرستاروں کی ۔ اور یہ ہی چیز ان مشرکین کو سمجھانی تھی ۔ اور دوسرا اس سے یہ معلوم ہوا کہ خدا اتنا بڑا حکمران ہونے کے باوجود وہ ظالم نہیں ہے ۔ بلکہ وہ عدل و انصاف چاہتا ہے ۔ اگر وہ ظالم ہوتا تو وہ اپنے مخالفین کو فوراً صفحہ ہستی سے مٹا دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان کی طرف اپنا پیغمبر بھیجا اور پھر اس پیغمبر نے ان لوگوں کی اصلاح پر تیئیس سال صرف کیے اور الحمد للہ اس کا اچھا اور خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور اکثر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور اس کے بعد اسلامی فتوحات کے ابواب کھل گئے

آخری وارننگ کا باعث

دراصل اس آخری وارننگ اور اختتام مہلت کا باعث یہ ہوا کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجری چھ میں ایک خواب دیکھا کہ وہ اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ ادا کر رہے ہیں ۔ اور نبی کا خواب وحی کا حکم رکھتا ہے ۔ چنانچہ جب آپ نے اپنا یہ خواب صحابہؓ کے سامنے بیان فرمایا تو آپ نے بھی اور صحابہؓ نے بھی اس کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہی سمجھا، اور عمرہ کی تیاری شروع کی یہاں تک کہ ۱۴ سو صحابہ کی معیت میں ماہ ذیقعدہ میں طواف کعبہ کے لیے روانہ ہوئے ۔ مکہ سے تقریباً تین میل دور شمال کی جانب ایک مقام حدیبیہ ہے وہاں یہ قافلہ پہنچا تو مشرکین

مکہ کی طرف سے مزاحمت کی اطلاع ملی تو آپ نے آگے بڑھنے کے بجائے وہیں قیام فرمایا اور اپنا ایک قاصد مکہ والوں کے پاس بھیجا کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ ہم صرف عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں۔ جب جواب نہ آیا تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالے عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ ان کی واپسی میں بھی تاخیر ہوئی اور آپ یہ خبر مشہور ہوئی کہ مکہ والوں نے انہیں شہید کر دیا ہے۔ اس پر آپ کو غصہ آیا اور رائے گرامی میں تبدیلی ہوئی۔ اور فرمایا کہ پہلے تو ہم عمرہ کرنے آئے تھے اور اب ان مشرکین سے انتقام لیں گے۔ چنانچہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر آپ نے تمام صحابہ سے جہاد پر بیعت لی۔ اس بیعت کو بیعت علی الموت بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ مشرکین مکہ نے جب یہ سنا تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا اور پھر مکہ سے چند سردار بھی آپ کی خدمت میں آئے۔ اور گفتگو کے بعد صلح نامہ مرتب ہوا۔ اور اس صلح نامہ میں مختلف دفعات تھیں۔ ان میں ایک یہ دفعہ بھی تھی کہ اس سال تم واپس جاؤ اور آئندہ سال آکر عمرہ کرو۔ اور تین دن مکہ میں قیام کرنے کے بعد واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ آپ نے یہ شرط منظور فرمائی۔ اور پھر اسی کے موافق عمل ہوا اور دوسری دفعہ یہ تھی کہ آپس میں جنگ نہیں کریں گے۔

مگر اس میں تفصیل ہے۔ بعض قبائل کے ساتھ تو معاہدہ تھا مگر مدت متعین نہیں تھی۔ اور بعض قبائل کے ساتھ بالکل معاہدہ نہیں تھا اور بعض کے ساتھ معاہدہ تو تھا مگر اس کی خاص مدت تھی۔ اور سورۂ براءت کے نزول کے وقت ان کی میعاد کے نو ماہ باقی تھے۔ اور قریش

مکہ کے ساتھ دس سال کا معاہدہ تھا۔ اور یہ بھی معاہدہ تھا جو قبیلہ مسلمانوں کا حلیف بنے اسے اجازت ہوگی اور جو قبیلہ کفارکا حلیف بنے اسے بھی اجازت ہوگی چنانچہ قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف بن گیا اور قبیلہ بنی بکر قریش مکہ کا حلیف بن گیا۔ اور معاہدہ میں یہ شق بھی شامل تھی اگر کوئی فریق اپنے حلیف حملہ آور کی مدد کرے گا تو اسے بھی معاہدہ کی خلاف ورزی تصور کیا جائے گا چنانچہ ہجری ۷ ذیقعدہ میں معاہدہ کے مطابق آپ اپنے صحابہ کے ساتھ فوت شدہ عمرہ کی قضا کرنے کے لیے مکہ تشریف لے گئے اور وہاں تین دن قیام کر کے واپس آ گئے اور اس کے پانچ یا چھ ماہ بعد قبیلہ قریش کے حلیف قبیلہ بنو بکر نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف قبیلہ خزاع پر حملہ کر دیا اور قریش مکہ نے اپنے حلیف کا ساتھ دیا اور اس طرح یہ معاہدہ ٹوٹ گیا۔ جس کا اعتراف قریش مکہ نے خود بھی کر لیا تھا اور جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس عہد شکنی کا علم ہوا تو آپ نے ہجری ۸ رمضان المبارک میں ان مکہ والوں پر حملہ کیا اور مکہ والے اس حملہ کا مقابلہ نہ کر سکے اور مکہ فتح ہو گیا۔ اگر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو ان کا کشت وخون کرتے ان کی عورتوں کو لونڈیاں بناتے اور مردوں کو اور بچوں کو غلام بنا لیتے۔ اور ان کی جائدادوں کو مال فے میں شامل کر لیتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لنا ولکم۔ تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تمہیں بھی معاف فرمائے اور ہمیں بھی معاف فرمائے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ یہ چاہتے تھے کہ انہوں نے چونکہ ہمیں

اذیتیں پہنچائی ہیں لہٰذا ہمیں بھی ان سے انتقام لینا چاہیئے۔
تو اس وقت وحی اتری۔ ولا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا بجزار
کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا تو تم بھی ان پر زیادتی کرو اور پھر ان لوگوں کو چار ماہ غور کرنے کے لیے اور دے دیئے گئے اور صحابہ کو ان چار ماہ میں ان پر زیادتی سے منع فرمایا ہے مگر یہ آخری وارننگ تھی اور اس کے بعد حکم یہ تھا کہ اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ خالی کر دو ان کو کچھ بھی نہیں کہنا اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو جہاں پاؤ انہیں قتل کرو۔
پس خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ ہی سارے جہاں کا خالق و مالک ہے اور وہی حکمران اعلیٰ ہے۔ وہ جس کو چاہے شکست دے دے اور یہ ساری تبدیلیاں اور انقلابات اس کے ہاتھ میں ہیں اور وہ اتنی طاقت کا مالک ہو کر بھی ظالم نہیں ہے بلکہ وہ عادل ہے، وہ انصاف چاہتا ہے وہ اپنے مخالفین کو فوراً عذاب نہیں دیتا بلکہ وہ انہیں سمجھنے اور سوچنے کی مہلت دیتا ہے اور اس کی مہلت کا عرصہ بہت دراز ہوتا ہے

سوال

جب اللہ تعالیٰ اتنا کریم و رحیم ہے تو پھر یہ آخری وارننگ کیوں دی؟ بلکہ اس مہلت اور تاخیر میں مزید توسیع چاہیئے تھی

جواب

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اوّلین فریضہ تو یہ تھا کہ تمام ادیان باطلہ کو مٹا کر دین حق کو غالب کر دیں اور اس سلسلہ میں آپنے تیئیس سال تک محنت کی اور اب آپ کی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام تھے جیسا کہ تفاسیر میں لکھا ہے کہ حجۃ الوداع کے بعد آپ اسّی ۸۰ دن بحیات رہے اور اس کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہونے والا تھا اس لیے اب حکمت اور مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام الانبیاء بیت اللہ کو (جو مرکز رشد وہدایت ہے) شرک و بدعات سے پاک کر کے وہاں سلامی پرچم لہرا کر جائیں۔ اور نیز چونکہ آپ صرف رسول العرب نہیں تھے بلکہ آپ رسول النّاس بھی تھے اور بیت اللہ شریف بھی اقوام عالم کے لیے مرکز ہدایت ہے اور مناسب یہ تھا کہ یہاں سے صاف اور ستھری ہدایت اقوام عالم تک پہنچے اس لیے یہ آخری وارننگ دی گئی تھی۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ	اور تجھ سے پہلے کئ
بِرُسُلٍ مِّنْ	رسولوں سے ہنسی کی گئی
قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ	پھر میں نے کافروں کو
لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا	مہلت دی۔ پھر انہیں
ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ	پکڑ لیا پھر ہمارا عذاب
فَكَيْفَ كَانَ	کیسا تھا۔
عِقَابِ ۝	

تفسیر

اس آیت کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کا نمونہ بیان فرمایا ہے کہ اس سے پہلے جتنی قومیں ہلاک کی گئی ہیں پہلے ان کی اصلاح کے لیے رسول بھیجے گئے اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے ساتھ مذاق اڑایا پھر بھی اُن کو مہلت دی۔ مگر انہوں نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا تو پھر ان لوگوں کو مٹا دیا گیا۔ تب اس سے معلوم ہوا کہ مہلت غور صرف اُمّتِ محمدؐ کے ساتھ مخصوص نہیں پہلی امتوں کو بھی یہ مہلت دی گئی تھی پس جنہوں نے فائدہ اٹھایا وہ تو بچ گئے اور جنہوں نے فائدہ نہ اٹھایا وہ ہلاک ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا تیسرا دنیاوی نمونہ

کہ مجرم خود اعتراف کرتے ہیں تب عذاب دیتے ہیں

وَلَمَّا جَآءَهُمْ	اور جب ان کے پاس
كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ	اللہ کی طرف سے کتاب
اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا	آئی جو تصدیق کرتی ہے
مَعَهُمْ وَكَانُوْا	اس کی جو ان کے پاس
مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ	ہے۔ اور وہ اس سے
عَلَى الَّذِيْنَ	پہلے کفار پر فتح مانگا کرتے
كَفَرُوْا ج	تھے۔

فلما جاءھم	پھر جب ان کے پاس
ما عرفوا کفروا	وہ چیز آئی جسے انہوں
بہٖ فلعنۃ اللہ	نے پہچان لیا تو اس کا
علی الکافرین ۝	انکار کیا ۔ سو کافروں پر
(سورۃ البقرہ آیت ۸۹)	اللہ کی لعنت ہے ۔

تفسیر

یہ آیت سورۃ بقرہ کی ہے اس میں جو ھم ضمیر ہے اس کا مرجع بنی اسرائیل ہیں کیونکہ اس سے پہلے بحث بنی اسرائیل کی شروع ہے اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کے بعد اس کتاب کی دو صفتیں بیان فرمائی ہیں پہلی من عند اللہ اور دوسری مصدّق ۔ من عند اللہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب قرآن مجید اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے ۔ یہ کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے از سر خود نہیں بنائی ۔ اور اس کی دوسری صفت لفظ مصدّق میں دو احتمال ہیں ۔ ایک یہ ہے کہ قرآن مجید پہلی ان تمام کتب اور صحف کا مصدّق ہے جو پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پہ اتاری گئی تھیں یعنی ان کتابوں میں جو عقائد (توحید، رسالت، قیامت اور احکامات) بیان کئے گئے تھے ۔ قرآن مجید میں بھی وہی عقائد اور احکامات بیان فرمائے گئے ہیں ۔ اور ممنوعات اور محرّمات بھی وہی ہیں سوائے چند ایک مسائل کے جن کے ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے اور اس میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ پہلی کتابوں میں قرآن مجید کے بارے میں اور

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارات اور پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ اور قرآن مجید کے اترنے سے انکی تصدیق ہوگئی۔ پس اس آیت میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز قرآن مجید پہلی کتابوں کا مصدّق ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ بنی اسرائیل اس قرآن مجید کے اترنے سے پہلے یا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے قرآن کا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرکے کفار پر فتح مانگا کرتے تھے ——— اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ جب وہ کتاب (قرآن مجید) یا رسول ان کے پاس آگیا اور انہیں اس کا پورا تعارف بھی ہوگیا تو پھر اس کا انہوں نے انکار کر دیا۔

چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ پھر ان کافروں پر اللہ کی طرف سے لعنت پڑی۔ اور لعنت کے معنی بعید من الرحمت کے ہیں۔ یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہونا اور یہ دو قسم کی ہے ایک دنیاوی رحمتوں سے دور ہونا اور دوسرا اخروی رحمتوں سے محروم رہنا۔ بنی اسرائیل کی دنیاوی رحمتوں سے دُوری تو متحقق ہو چکی ہے اور اس کی بڑی لمبی تفصیل ہے یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے اور اخروی باقی ہے پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک کہ انہیں دین حق کا یقین اور اعتراف نہ ہو جائے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا اعلیٰ نمونہ ہے اور اس کے بعد انہیں عذاب اس لیے دیا جاتا ہے کہ ایسے لوگ چونکہ ہٹ دھرمی اور ضدی ہوتے ہیں اور باقیوں کی گمراہی اور بے دینی

کا باعث بنتے ہیں لہٰذا باقی معاشرہ کی جان اور ایمان بچانے کے لیے اس ناسور کو کاٹنا ضروری سمجھا گیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ	وہ لوگ جنہیں ہم نے
الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ	کتاب دی تھی وہ اسے
کَمَا یَعْرِفُوْنَ	پہچانتے ہیں جیسے اپنے
اَبْنَآءَھُمْ ؕ وَاِنَّ	بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور
فَرِیْقًا مِّنْھُمْ	بے شک کچھ لوگ ان
لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ	میں سے حق کو چھپاتے
وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝	ہیں اور وہ جانتے ہیں۔

(سورۃ البقرہ آیت ۱۴۶)

تفسیر

یہ آیت پہلی آیت کی تشریح اور تفسیر ہے۔ پہلی آیت میں بنی اسرائیل پر جس لعنت الٰہی کا ذکر آیا ہے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی تھی کہ انہوں نے سچے دین کا انکار کیا ہے اور اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے اس سچے دین کو چھپایا ہے اور یہ صرف لفظی فرق ہے۔ حقیقت میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ کافرین کفر سے بنا ہے کفر کا لغوی معنی بھی چھپانا ہے اور یکتمون، کتمان سے بنا ہے اس کا معنی بھی چھپانا ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی	اور جب عیسیٰ بن مریم
ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ	نے کہا اے بنی اسرائیل

اِسْرَائِيْلَ اِنِّيْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ
مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ
وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ
يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي
اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ
فَلَمَّا جَآءَهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا
هٰذَا سِحْرٌ
مُّبِيْنٌ ○
(سورۃ الصف آیت ٦)

بے شک میں اللہ کا
تمہاری طرف رسول ہوں
تورات جو مجھ سے پہلے
ہے اس کی تصدیق کرنے
والا ہوں اور ایک رسول
کی خوشخبری دینے والا
ہوں جو میرے بعد
آئے گا اس کا نام احمد
ہوگا پس وہ جب واضح
دلیلیں لے کر ان کے
پاس آگیا تو کہنے لگے
کہ یہ تو صریح جادو ہے

تفسیر

اس آیت کے اندر بھی چار چیزوں کا بیان ہے ۔ پہلی چیز یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول تھے ۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام توراۃ کے مصدق تھے اور تیسری چیز یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت بھی سُنائی تھی اور چوتھی یہ بیان فرمائی کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے اپنے رسُول برحق ہونے کے دلائل اور براہین بھی پیش کیے مگر بنی اسرائیل نے

انہیں جادو کہہ کر مسترد کر دیا۔

پس یہ آیت بھی سورۃ بقرہ کی آیت ۸۹ کی تشریح اور توضیح ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ بنی اسرائیل پر جو لعنت پڑی تھی اس کا باعث تین چیزیں ہوئیں۔ حق کا انکار، کتمان حق اور اسکو جادو کہنا

وَقَالُوْٓا اِنْ	اور انہوں نے کہا ہے کہ
نَّتَّبِعِ الْهُدٰى	اگر ہم تیرے ساتھ ہدایت
مَعَكَ نُتَخَطَّفْ	پر چلیں تو اپنے ملک سے
مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ	اچک لیے جائیں گے
نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا	کیا ہم نے انہیں حرم میں
اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ	جگہ نہیں دی جو امن کا
ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ	مقام ہے۔ جہاں ہر قسم
رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا	کے میووں کا رزق ہماری
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ	طرف سے پہنچایا جاتا ہے
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝	لیکن اکثر ان میں سے
(سورۃ قصص آیت ۵۷)	جانتے نہیں۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عذر لنگ پر شکوہ فرمایا ہے۔ عذر انہوں نے یہ پیش کیا تھا کہ مانا ہم نے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین سچا ہے مگر ہم کیا کریں کہ ہماری مجبوریاں ہیں۔ ہم گر اس دین پر چلنا شروع کر دیں تو باقی عرب ہمیں اس مکہ شہر سے نکال دینگے

تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مکّہ میں یہ امن کی جگہ ہم نے انہیں دی ہے اور دُور دراز سے روزی ہم ان کے پاس پہنچاتے ہیں تو یہ لوگ ان سے کیوں ڈرتے ہیں - ان عربوں نے تو ان کو مکّہ میں جگہ نہیں دی - وہ تو ان کو روزی نہیں دیتے تو انکو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے اور ان کو اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی چاہیئے - اور آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابھی تک ان میں سے اکثر کو بات سمجھ نہیں آئی - بہرحال اس آیت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکّہ نے بھی زبانی طور پر دین اسلام کے برحق ہونے کا اعتراف کر لیا تھا تب خدا نے انہیں آخری عذاب کی دھمکی سنائی تھی -

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۚ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ○	اور انہوں نے ان کے ظلم اور تکبّر سے انکار کیا حالانکہ ان کے دِل یقین کر چکے تھے - پھر دیکھ مفسدوں کا انجام کیسا ہوا -

(سورۃ النمل آیت ۱۴)

تفسیر

اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فرعونی قوم پر اس وقت عذاب اترا جب انہیں یقین ہو گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا مذہب سچا ہے اور پھر ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کا انکار کیا - پس واضح ہو گیا کہ خدا تعالیٰ ظالم نہیں ہے کہ جب چاہے اور جیسے چاہے کسی کو عذاب

دے دے بلکہ پہلے مہلت دیتا ہے اور پھر اس دور میں انکو سمجھانے کے لیے پیغمبر بھیجتا ہے اور پھر جن لوگوں کو خدا کے دین پر یقین آجائے اور پھر بھی نہ مانیں تو ان کو عذاب دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا چوتھا دنیاوی نمونہ

کہ مجرم خود سزا مانگتا ہے تب اسے عذاب دیا جاتا ہے

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ج	اور ہر اُمّت کا ایک
فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ	رسول ہے پھر جب ان
قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ	کے پاس ان کا رسول آیا
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝	تو ان کے درمیان انصاف
وَيَقُولُونَ مَتَىٰ	سے فیصلہ کیا گیا۔ اور ان
هَٰذَا الْوَعْدُ	پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ اور
إِنْ كُنْتُمْ	کہتے ہیں یہ وعدہ کب ہے
صَادِقِينَ ۝ قُلْ	اگر تم سچّے ہو۔ کہہ دو
لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي	میں اپنی ذات کے بُرے
ضَرًّا وَلَا نَفْعًا	اور بھلے کا بھی مالک نہیں
إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ط	ہوں۔ مگر جو اللہ چاہے
لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ط	ہر امت کا ایک وقت
إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ	مقرر ہے۔ جب وہ
فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ	وقت آتا ہے تو ایک

سَاعَةً وَّلَا
يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ قُلْ
اَرَءَيْتُمْ اِنْ
اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ
بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا
مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ
مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝
اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ
اٰمَنْتُمْ بِهٖ ط وَقَدْ
كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝
ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا
عَذَابَ الْخُلْدِ ج
هَلْ تُجْزَوْنَ
اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ
تَكْسِبُوْنَ ۝ وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ
اَحَقٌّ هُوَ ط قُلْ
اِيْ وَرَبِّيْٓ
اِنَّهٗ لَحَقٌّ ط وَمَآ
اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

گھڑی بھی دیر نہیں کر سکتے
اور نہ جلدی کر سکتے ہیں
کہہ دو بھلا دیکھو تو اگر
تم پر اس کا عذاب رات،
گویا دن کو آ جائے۔ تو
عذاب میں سے کون سی
ایسی چیز ہے کہ مجرم اس
کو جلدی مانگتے ہیں۔ کیا
پھر جب وہ آ چکے گا
تب اس پر ایمان لاؤ گے
اب مانتے ہو اور تم اس
کی جلدی کرتے تھے پھر
ظالموں سے کہا جائے گا
ہمیشگی عذاب چکھتے رہو
تمہیں نہیں بدلہ دیا جاتا
مگر اس چیز کا جو تم
کرتے تھے۔ اور تم سے
پوچھتے ہیں کیا یہ بات
سچ ہے۔ کہہ دو ہاں میرے
رب کی قسم بے شک یہ
سچ ہے اور تم عاجز کرنے

(سورہ یونس آیت ۴۷ تا ۵۳)	والے نہیں ہو۔
وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ	اور وہ تجھ سے عذاب
وَلَوْلَآ اَجَلٌ	جلدی مانگتے ہیں اور اگر
مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ	ایک وعدہ مقرر نہ ہوتا
الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ	تو ان پر عذاب آجاتا
بَغْتَةً وَّهُمْ	اور البتہ ان پر اچانک
لَا يَشْعُرُوْنَ ○	آئے گا اور انہیں خبر
(سورۃ العنکبوت	بھی نہ ہوگی۔
وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ	اور جب انہوں نے
اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ	کہا کہ اے اللہ اگر
الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ	یہ دین تیری طرف
فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً	سے حق ہے تو ہم پر
مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا	آسمان سے پتھر برسا
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○	یا ہم پر دردناک عذاب لا
(سورۃ الانفال آیت ۳۲)	

تفسیر آیات

یہاں اس بحث میں کل نو آیات نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سے سات تو سورۃ یونس کی ہیں۔ ایک سورۃ عنکبوت کی ہے اور ایک سورۃ انفال کی ہے۔

سورۃ یونس کی آیات میں سے پہلی آیت میں اتنا فرمایا ہے کہ

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے اور پھر جب ان لوگوں نے رسول کو نہ مانا توان کے درمیان انصاف کا فیصلہ کیا گیا۔ اور ان پر زیادتی نہیں کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی قاعدہ کلیہ کے تحت مبعوث فرمائے گئے ہیں اور مخالفین اسلام کو اشارۃً اس میں بتا دیا گیا ہے کہ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور دین کو نہیں مانو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان بھی حق و انصاف کا فیصلہ کریں گے تو اس کے جواب میں مشرکین نے کہا کہ ہم تو نہیں مانتے۔ پھر تم یہ فیصلہ کرنے کا وعدہ پورا کرو اگر تم سچے ہو۔ تو اس کے بعد والی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو جواب سکھائے۔

پہلا جواب یہ ہے کہ آپ فرما دیں کہ تم مجھ سے عذاب کا مطالبہ کرتے ہو۔ میں تو اپنے نفع اور نقصان کا مالک بھی نہیں ہوں۔ یہ تو سارا اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یہی مسئلہ میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ ہر نافرمان امت کا وقت مقرر ہوتا ہے اور جب وہ وقت مقررہ آجاتا ہے تو نہ دیر لگتی ہے۔ اور نہ وقت مقررہ سے پہلے ہلاکت ہوتی ہے۔

دوسرا جواب یہ سکھایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں فرما دیں کہ تم غور کرلو ہم تمہیں مہلت دیتے ہیں۔ اگر اس اللہ تعالیٰ کا عذاب رات کو یا دن کو کسی وقت بھی آگیا تو تم اس کو روک تو نہیں سکو گے تو تم اس کی جلدی کیوں کرتے ہیں۔ اس وقت اگر تم ایمان لاؤ گے تو ہم تمہارا ایمان اس وقت قبول نہیں کریں گے اور اس وقت ظالموں کو

اپنے ظلم کا اور اپنی بداعمالیوں کا بدلہ چکھنا پڑے گا۔ اور اس وقت تم خدا کا نہ تو مقابلہ کر سکو گے اور نہ فرار اختیار کر سکو گے

اس کے بعد سورۃ عنکبوت کی آیت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین نے اس نصیحت آمیز بیان کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب کا مطالبہ کر دیا تو اس کا جواب یہ دیا کہ وقت اس کا مقرر ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ کب آئے گا ان مذکورہ آیات میں تو مشرکین نے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عذاب لانے کا مطالبہ کیا تھا اس کا بیان گزر رہا ہے۔

اس کے بعد سورۃ انفال کی آیت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اور مخالفین اسلام کو جب یہ جواب ملا کہ عذاب لانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں تو نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو پھر انہوں نے براہِ راست اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ اگر یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین تیری طرف سے سچا ہے تو پھر ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ چنانچہ ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور جنگِ بدر میں ان کے کچھ لوگ قتل کر دیئے گئے تھے۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ	انہوں نے کہا اے نوح تو
جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ	نے ہم سے جھگڑا کیا اور
جِدَالَنَا فَاْتِنَا	بہت جھگڑا کر چکا۔ اب
بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ	لے آ جو تو ہم سے وعدہ
كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝	کرتا ہے اگر تو سچا ہے

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ (سورۃ ھود آیت ۳۲-۳۳)	نوح نے کہا اسے تو اللہ ہی لائے گا اگر چاہے گا اور تم اسے روک نہ سکو گے۔

تفسیر

ان آیات سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت نافرمان پر اس وقت عذاب اترا جب انہوں نے خود عذاب مانگا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ عادل بادشاہ ہے۔ وہ اپنے مخالفین کو فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور پھر اس مدت مہلت میں اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ انہیں سمجھاتا ہے یہاں تک کہ وہ لوگ اپنی زبان سے اس دین کے برحق ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں اور پھر خود عذاب مانگتے ہیں تب انہیں عذاب دیا جاتا ہے۔ پس یہ عدل و انصاف کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ اس سلسلہ میں بہت مثالیں ہیں نمونے کے طور پر یہی دو کافی ہیں۔

اللہ کی طرف سے بنی نوع انسان کو آپس میں عدل و انصاف کا حکم

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ	بے شک اللہ انصاف احسان اور رشتہ داروں

وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى	کو دینے کا حکم کرتا ہے
وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ	اور بے حیائی بُری
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ	بات اور ظلم سے منع
يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ	کرتا ہے تمہیں سمجھاتا
تَذَكَّرُوْنَ ۝	ہے تاکہ تم سمجھو۔

(سورۃ النحل آیت ۹۰)

تفسیر

اس آیت کریمہ میں تین احکام ہیں اور تین ممنوعات ہیں۔ احکامات میں سے پہلی چیز عدل ہے۔ لغت کے اعتبار سے عدل کے معنی مساوات اور انصاف کرنے کے آتے ہیں (مفردات امام راغب) اور شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ نے جو حقوق رکھے ہیں ان کو ادا کرنے کا نام عدل ہے اور عدم ادائیگی کا نام ظلم ہے۔ اور حقوق دو قسم کے ہیں۔ اللہ کا حق بندوں پر اور بندوں کا حق ایک دوسرے پر۔

اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی بندگی کریں اور غیر کی بندگی نہ کریں۔ اور یہ حق اس کا اس لیے ہے کہ وہی سب کا خالق اور مالک اور پالنے والا ہے۔

بندوں پر ایک دوسرے کے حقوق کی تفصیل بڑی لمبی ہے۔ والدین، اولاد اور میاں بیوی کے حقوق کی تفصیل خلاصہ تفسیر جلد خامس میں بیان ہو چکی ہے۔ اور معاشی اور رہائشی حقوق کی تفصیل خلاصہ

تفسیر جلد سادس اور سابع میں بیان ہو چکی ہے جو چاہے وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ اور بقیہ تفصیل ان شاء اللہ العزیز عن قریب بیان ہوگی اور ان احکامات میں سے دوسری چیز احسان ہے۔ احسان کے لفظی معنی کسی چیز کو اچھا اور خوبصورت بنانے کے آتے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح میں احسان دو قسم کا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ سے احسان کرنا اور دوسرا بندوں سے احسان کرنا۔

اللہ تعالیٰ سے احسان کرنے کی تفصیل جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بزبان خود بیان فرمائی ہے۔ آپؐ سے جبریل علیہ السلام نے پوچھا تھا کہ

قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔

ترجمہ: جبریلؑ نے کہا کہ آپ مجھے احسان کے بارے میں بتائیں تو آپ نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو بیشک وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

بندوں پر احسان کی تفصیل اور اسی طرح ذی القربیٰ کے حقوق کی تفصیل بھی مذکورہ دو جلدوں میں بیان ہو چکی ہے اور اسی طرح تین ممنوعات فحشاء، منکر اور بغی کی تفصیل بھی انہی کتابوں میں بیان ہو چکی ہے۔ اور ہمارا مقصد یہاں اتنا کچھ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود عادل ہے اور اس نے اپنے بندوں کو بھی آپس میں عدل و انصاف

کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس نے اپنی طرف سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرما کر لوگوں کو عدل و انصاف کے طریقے بھی سکھا دیئے ہیں۔

نظامِ عدل کی ابتدا اور اسکی ضرورت

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً	لوگ ایک امت تھے۔
وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ	پھر اللہ نے انبیاء
اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ	خوشخبری دینے والے
وَ مُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ	اور ڈرانے والے بھیجے
مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ	اور ان کے ساتھ بھی
لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ	کتابیں نازل کیں تاکہ لوگوں
فِيْمَا اخْتَلَفُوْا	میں اس بات کا فیصلہ
فِيْهِ ط	کریں جس میں وہ اختلاف
	کریں۔
وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ	اور اس میں اختلاف
اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ	نہیں کیا مگر انہیں لوگوں
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ	نے جنہیں وہ کتاب دی
الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا	گئی تھی بعد اس کے کہ
بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى اللّٰهُ	ان کے پاس روشن دلیلیں
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	آچکی تھیں۔ آپس کی ضد

لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ط وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○
(سورۃ بقرۃ آیت ۲۱۳)

کی وجہ سے پھر اللہ نے اپنے ارادہ سے ایمان والوں کو ہدایت دی ۔ اس حق بات کی جس میں انہوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہیے سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے ۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰى ج شَهِدْنَا ج اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ○ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا

اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان کی جانوں پر اقرار کرایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں انہوں نے کہا ہاں ہے ہم اقرار کرتے ہیں تم قیامت کے دن کہو گے ہمیں اس کی خبر نہ تھی یا کہو گے کہ ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے شرک کیا تھا اور

ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ج	ہم ان کے بعد ان کی اولاد
اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ	تھے۔ کیا تو ہمیں اس کام
الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ	پر ہلاک کرتا ہے جو گمراہوں
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ	نے کیا اور اس طرح ہم
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝	آیتیں کھول کر بیان کرتے
(سورۃ الاعراف آیت ۱۷۲ تا ۱۷۴)	ہیں تاکہ وہ لوٹ آئیں۔
هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ	وہ وہی ہے جس نے تمہیں
مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ	ایک جان سے پیدا کیا اور
وَّجَعَلَ مِنْهَا	اسی سے ان کا جوڑا بنایا
زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ	تاکہ اس سے آرام پائے
اِلَيْهَا ج فَلَمَّا	پھر جب میاں نے بیوی
تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ	سے ہمبستری کی تو اس کا
حَمْلًا خَفِيْفًا	ہلکا سا حمل رہ گیا پھر
فَمَرَّتْ بِهٖ ج	اسے لیے پھرتی رہی پھر
فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ	جب بوجھل ہو گئی تب
دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا	دونوں میاں بیوی نے
لَئِنْ اٰتَيْتَنَا	اللہ سے جو ان کا مالک
صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ	ہے دعا کی۔ اگر آپ نے
مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝	ہمیں صحیح سالم اولاد دے
فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا	دی تو ہم ضرور شکر گزار
صَالِحًا جَعَلَا	ہوں گے۔ پھر جب اللہ

لَهُ شُرَكَآءَ	نے ان کو صحیح سالم اولاد
فِيمَآ آتٰهُمَا	دی تو اللہ کی دی ہوئی
فَتَعَالَى اللّٰهُ	چیز میں وہ دونوں اللہ
عَمَّا يُشْرِكُونَ ٥	کا شریک بنانے لگے
(سورۃ الاعراف آیت ۱۸۹-۱۹۰)	سو اللہ ان کے شرک
	سے پاک ہے۔

تفسیر

یہاں اس بات میں چھ آیات نقل کی گئی ہیں ۔ پہلی آیت سورۃ البقرہ کی ہے ۔ اس میں چھ چیزوں کا بیان ہے ۔ پہلی چیز یہ ہے کہ نسل انسانی شروع میں ایک امت اور جماعت تھی ۔ اور یہ جملہ مجمل ہے کیونکہ یہاں یہ واضح نہیں ہے ۔ کہ آیا یہ وحدت اعتقادی تھی یا قومی اور وطنی ۔ اور تمام مفسّرین کے نزدیک یہ مانا ہوا اصول ہے کہ قرآن کا بعض حصّہ بعض کی تفسیر کرتا ہے ۔ اس ضابطہ کے تحت معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ تا ۱۷۴، اور آیت ۱۸۹ اور ۱۹۰ اس اجمال کی تفصیل ہے ۔ کیونکہ آیت ۱۷۲ میں اللہ تعالیٰ نے روزِ اول میں بنی آدم سے اپنی ربوبیّت کا جو عہد لیا تھا اس کا بیان ہے اور اس آیت میں جو لفظ اِذْ ہے اس سے پہلے اُذْكُرْ مقدر ہے کیونکہ یہ مفعول فیہ ہے اور اس کے لیے فعل ہونا لازم ہے ۔ اور اس کے مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ اور معنی یہ ہوگا کہ اے نبی وہ دور قابل یادداشت ہے کہ جب آپ کے رب نے بنی ادم کی پیٹھوں سے ان

کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان کی جانوں پر اقرار کروایا ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ۔ تو انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں آپ ہمارے رب ہیں اور اس کے بعد عہد یاد دلانے کی تین وجوہات بیان فرمائی ہیں ۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ تم قیامت کے دن کہو گے کہ ہمیں تو عقیدۂ توحید کی خبر ہی نہیں تھی ۔ اور دوسری وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تم قیامت کے دن کہو گے کہ ہمارے بڑوں نے شرک کیا ہم تو ان کے پیروکار تھے ۔ ان کی وجہ سے آپ ہمیں کیوں ہلاک کرتے ہیں ۔ اور تیسری وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ عہد یاد دلانے سے عقیدہ توحید کی تفصیل سامنے آگئی ہے تاکہ لوگ شرک چھوڑ دیں ۔

ان آیات کی مزید تشریح احادیث کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ اَخَذَ الْمِیْثَاقَ مِنْ ظَھْرِ اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِنُعْمَانَ یَوْمَ عَرَفَۃَ فَاَخْرَجَ مِنْ صُلْبِہٖ کُلَّ ذُرِّیَّۃٍ ذَرَاَھَا فَنَثَرَھَا بَیْنَ یَدَیْہِ ثُمَّ کَلَّمَھُمْ قُبُلًا	حضرت ابن عباس نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عرفہ کی ان وادیٔ نعمان (عرفات) میں آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے عہد لیا پھر اس کی پیٹھ سے اس کی ساری اولاد کو نکالا جو اس نے پیدا کرنا تھی پھر اس کے

قَالَ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْا - اِلٰى قَوْلِهٖ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

سامنے ان کو پھیلایا پھر ان سے ان کے سامنے کلام کیا ۔ کہا میں تمہارا رب نہیں ہوں ۔ انہوں نے کہا ہاں ہم اعتراف کرتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر تک یہ آیت پڑھی ۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ اللّٰهَ مَسَحَ صُلْبَ اٰدَمَ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ كُلَّ نَسَمَةٍ خَلَقَهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَاَخَذَ مِنْهُمُ الْمِيْثَاقَ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَتَكَفَّلَ لَهُمْ بِالْاَرْزَاقِ ثُمَّ اَعَادَهُمْ فِيْ صُلْبِهٖ -

ابن عباس سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس سے ہر ذی رُوح چیز کو نکال لیا جو اس نے قیامت تک پیدا کرنا تھی ۔ پھر ان سے عہد لیا کہ اسی کی بندگی کریں ۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور اللہ نے انہیں روزی پہنچانے کی ذمہ داری اٹھائی اور پھر انکو آدم

کی پیٹھ میں لوٹا دیا (ابن کثیر)

تشریح

یہاں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ اور دونوں حضرت ابن عباس سے مروی ہیں۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ پہلی حدیث مرفوع ہے اور دوسری موقوف ہے۔ اور یہ دونوں سورۃ اعراف کی آیت ۱۷۲ تا ۱۷۴ کی تشریح ہیں۔ کیونکہ ان آیتوں میں سے پہلی آیت میں اتنا فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو ان کی پیٹھوں سے پیدا کیا اور پھر ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا اور عہد و پیمان لیا۔ اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ عہد و پیمان کہاں لیا گیا، کس وقت لیا گیا۔ پہلے کس سے عہد لیا اور بعد میں کس سے لیا گیا۔ اور اس وقت اولاد آدم کی شکل و صورت کیسی تھی اور پھر یہ عہد و پیمان لینے کے بعد وہ اولاد آدم کہاں گئی۔ اس کی کوئی تفصیل یہاں مذکور نہیں ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشادات عالیہ اور فرامین سے یہ تفصیل معلوم ہو گئی۔ اور وہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم سے جس دن عید یا وہ دن عرفہ کا تھا اور میدان عرفات کا جو وادیٔ نعمان کے نام سے بھی مشہور ہے۔ پھر آدم کی پشت سے اس کی اولاد پیدا کی اور ان کو آدم کے سامنے پھیلایا۔ اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ان کی شکل و صورت چیونٹیوں جیسی تھی اور ابن عباس کی دوسری حدیث میں اس کی مزید تفصیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کی پشت پر اپنا دست مبارک

پھیرا۔ اور پھر اس سے ہر روح والی چیز جو تا قیامت پیدا کرنا تھی نکال لی۔ اور پھر ان سے تین عہد لیے۔

پہلا یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔

دوسرا عہد یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

اور تیسرا عہد یہ ہے کہ تمہاری روزی کا ذمہ دار اللہ ہے۔

پہلی حدیث میں صرف عہد ربوبیت کا ذکر ہے اور اس حدیث میں ان تین عہدوں کا ذکر ہے۔ پس ان دونوں حدیثوں کو تطبیق دینے سے معلوم ہوا کہ یہ چاروں عہد لیے گئے ہیں۔ اور اس حدیث کے آخر میں فرمایا کہ یہ عہد لینے کے بعد ان کو پھر آدم کی پشت میں داخل کر دیا گیا۔

سوال

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روز ازل میں صرف آدم کی پشت سے ساری اولاد پیدا کی گئی ہے اور پھر انہیں ان کی پشت میں داخل کر دیا گیا ہے اور آیت ۱۷۲ تا ۱۷۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد آدم سے تا قیامت جو اولاد پیدا ہونے والی تھی ان کو پہلے اسی طرح پیدا کیا گیا ہے۔ یہ تو آیات اور احادیث میں تعارض پیدا ہو گیا ہے۔

جواب

مفسرین حضرات نے ان آیات اور احادیث کو آپس میں تطبیق دی ہے کہ پہلے تو آدم علیہ السلام کی پشت سے جو پیدا کرنے تھے

انہیں پیدا کیا اور پھر ان سے جن کو پیدا کرنا تھا ان کو پیدا کیا اور پھر ان سے جن کو پیدا کرنا تھا ان کو پیدا کیا۔ علیٰ ہذا القیاس تا قیامت اور سب سے عہد لے کر پھر اپنی اپنی پشت میں داخل کر دیا گیا ہے۔ اس تطبیق سے یہ احادیث ان آیات کی تفصیل بن جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

پس سورۃ اعراف کی آیت ۱۷۲ تا ۱۷۴، اور حضرت ابن عباس سے مروی یہ مذکورہ دو احادیث سورۃ بقرہ کی آیت ۲۱۳ کے پہلے جملہ (کان الناس امۃ واحدہ) کی تشریح اور توضیح ہیں۔ یعنی اس جملہ میں امت کی جس وحدت کا ذکر ہے اس سے مراد روزِ اوّل کی وحدت ہے۔ یعنی اس وقت تا قیامت پیدا ہونے والی پوری اولادِ آدم نے اللہ کی توحید کا اقرار کیا۔ اور اس کی بندگی کرنے کا اور شرک نہ کرنے کا عہد کیا۔ اور سورۃ اعراف کی آیت ۱۸۹ اور ۱۹۰ بھی اسی اجمال کی تفصیل ہے کیونکہ ان میں سے اوّل الذکر آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس کے بعد پیدائش کا سلسلہ یہ رکھا کہ پہلے آدم سے اس کی بیوی پیدا کی۔ اور پھر ان دونوں سے ان کی اولاد پیدا کی۔ یعنی روزِ ازل میں آدم علیہ السّلام کی پشت سے جو لطیف اولاد پیدا کی تھی ان کو اللہ تعالیٰ نے جب جسمِ عنصری میں تبدیل کرنا چاہا تو اس کا نظام یہ رکھا گیا۔ کہ پہلے آدم علیہ السّلام سے اس کی بیوی پیدا کی۔ اور پھر ان دونوں کا باہم ملاپ ہوا تو بیوی حاملہ ہو گئی اور آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حوّا کو یہ پتہ تو نہیں تھا کہ اس ملاپ سے ایسا حمل ہو جائیگا اور پھر اس حمل نے بڑھنا بھی شروع کیا تو دونوں گھبرا گئے مگر دونوں نے مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ کہ اے اللہ آپ ہمیں اگر نیک فرزند

دیں گے تو تیرا شکر کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم اور حوّا (علیہما السلام) دونوں توحید پرست تھے۔ اور روزِ اوّل والے عہد پر وہ دونوں قائم تھے اسی لیے ان دونوں نے اپنی اولاد کے لیے بھی نیک اور صالح اولاد کی دُعا کی تھی۔

پس سورۃ اعراف کی یہ آیت ۱۸۹ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۱۳ کے پہلے جملہ (کان الناس امۃ واحدۃ) کی تشریح ہے۔ کہ لوگ جس طرح روزِ ازل میں عقیدۃً ایک امت تھے۔ اسی طرح معرضِ وجود میں آنے کے بعد اور یہ جسم خاکی بننے کے بعد بھی وہ ایک ہی عقیدہ والے تھے۔

آیت ۱۹۰ کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض اس طرف گئے ہیں کہ فلما اٰتٰھُمَا میں جو ھما ضمیر ہے یہ آدم اور حوّا کی طرف لوٹتی ہے۔ اور شرک سے مراد شرک فی التسمیہ ہے اور اس کی تائید میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشادِ گرامی پیش کیا ہے جو حضرت سمرۃ سے منقول ہے تو آپ نے فرمایا جب حوّا کی اولاد پیدا ہونا شروع ہوئی تو شیطان نے اس کے دل میں وساوس پیدا کرنا شروع کئے اور اس کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا تو شیطان نے کہا کہ اس کا نام عبدالحارث رکھو گی تو بچ جائے گا۔ چنانچہ حوّا نے جب ایسا کیا تو اس کا بچہ بچ گیا۔ مگر یہ حدیث غریب ہے اور یہ اصل میں شیطانی دھوکہ تھا جس طرح اس نے انہیں دھوکہ دے کر جنت سے نکالا تھا یہاں بھی دھوکہ دیا اور حسن بصری اس طرف گئے ہیں۔ کہ فلمّآ اٰتٰھُمَا میں یہ ھما ضمیر حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما السلام کی طرف

نہیں لوٹتی بلکہ اولادِ آدم کی طرف لوٹتی ہے۔ کیونکہ اگر یہ ضمیر ان کی طرف لوٹائی جائے تو مقصد یہ بنتا ہے کہ آدم اور حوّا علیہما السلام دونوں پہلے تو عقیدہ توحید کے قائل تھے۔ مگر جب اولاد ملی تو وہ دونوں عقیدہ توحید سے منحرف ہو گئے تھے حالانکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام شرک تو کجا ہر صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے بھی پاک ہوتے ہیں۔ اور حضرت آدم علیہ السّلام تو نبی بھی تھے اور خلیفۃ اللہ بھی تھے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ضمیر آدم اور حوّا کی طرف نہیں لوٹتی بلکہ اولاد آدم کی طرف لوٹتی ہے۔

حضرت مفتی محمّد شفیع رحمۃ اللہ نے درّ منثور کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی یہی تفسیر نقل کی ہے اور قرآن مجید کے سیاق وسباق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تعالی اللہ عمّا یشرکون، اللہ تعالیٰ بلند ہے اس چیز سے جسے وہ خدا کا شریک بناتے ہیں اور آدم چونکہ مشرک تو نہیں تھے اس لیے یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو مشرک تھے مگر چونکہ یہ دونوں آیتیں باہم ملی ہوئی ہیں اور بادی النظر میں اور سرسری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ھما کی ضمیر آدم اور حوّا کی طرف ہی لوٹتی ہے اس لیے یہاں ایک اصول بیان کرنا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید کے بعض مقامات پر اسے استعمال فرمایا ہے۔ اور ان مقامات میں سے ایک یہ مقام بھی ہے۔ اور وہ اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ایک مسئلہ بطور توطئۃ اور تمہید بیان فرماتے ہیں۔ مگر وہ قصّہ یا واقعہ مفصّل بیان نہیں ہوتا بلکہ اس کا

مقصودی حصّہ بیان کیا جاتا ہے اور غیر مقصودی حذف کر دیا جاتا ہے۔
کیونکہ وہ غیر مقصودی تدبّر اور غور و فکر کے بعد خود بخود معلوم ہو جاتا ہے
قرآن مجید میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ہم مشت از نمونہ
خروارے کے طور پر صرف ایک ہی مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ الآیۃ

یہ سورۃ آل عمران کی آیت ۴۹ کا ایک جملہ ہے اس سے پہلے عقیدۂ توحید
کا بیان ہے اور اس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے اِلٰہ ہونے
کی نفی ہے اور پھر اس سلسلہ میں ان کی ولادت باسعادت کا بیان ہے،
اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا مقولہ بیان فرمایا ہے۔ انی
قد جئتکم باٰیۃ من ربکم کہ میں تمہارے پاس تمہارے
رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ اور ظاہر بات ہے کہ آپ کا
یہ مقولہ ولادت کے وقت تو نہیں ہوگا بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں
منصبِ نبوت سے نوازا ہوگا اس وقت کا یہ جملہ اور اس کے بعد
کی کلام ہوگی اور درمیان میں ولادت سے لے کر زمانہ نبوّت کی تفصیل
قرآن مجید میں موجود نہیں یہ خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے۔ اسی طرح یہاں
بھی اللہ تعالیٰ نے پہلے عقیدہ توحید بیان فرمایا ہے اور آیت ۱۸۹ میں
اس پر ایک عقلی دلیل بیان فرمائی ہے اور دوسری نقلی دلیل ہے کہ آدم
اور اس کی بیوی حوّا علیہما السلام دونوں اس عقیدۂ توحید کے قائل تھے
تب ہی تو انہوں نے نیک اور صالح لڑکے کے لیے اللہ تعالیٰ سے
دعا مانگی تھی۔

آیت ۱۹۰ میں اس کا نتیجہ بیان فرمایا کہ آدم تو اس عہد الست پر

قائم رہے مگر ان کی اولاد قائم نہ رہ سکی اور ان میں شرک پھیل گیا اور اب یہ اتحاد ملی کب تک قائم رہا۔ اور شرک اولاد آدم میں کب سے پھیلا، اس کی تفصیل مندرجہ ذیل احادیث میں ملاحظہ فرمائیں۔ مگر صرف ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ مسند بزار میں یہ مذکور ہے کہ یہ وحدتِ عقیدہ حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر حضرت ادریس علیہ السّلام تک قائم رہی۔ اس وقت تک سب لوگ مسلم اور توحید کے معتقد تھے اور آدم علیہ السلام اور ادریس علیہ السّلام کے درمیان زمانہ دس قرن ہے۔ بظاہر قرن = ایک صدی مراد ہے تو کل زمانہ ایک ہزار سال کا ہو گیا۔ اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ وحدتِ عقیدہ کا زمانہ وہ ہے جب کہ نوح علیہ السّلام کی بد دعا سے دنیا میں طوفان آیا۔ اور بجز ان لوگوں کے جو نوح علیہ السّلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔ باقی ساری دنیا غرق ہو گئی تھی۔ طوفان ختم ہونے کے بعد جتنے آدمی اس دنیا میں رہے وہ سب مسلمان موحّد اور دینِ حق کے پیرو تھے۔ اور درحقیقت ان تینوں اقوال میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ تینوں زمانے ایسے تھے جن میں سارے انسان ملّتِ واحدہ اور امّتِ واحدہ بنے ہوئے دینِ حق پہ قائم تھے (معارف القرآن تالیف مفتی محمد شفیعؒ)۔

ان آیات اور احادیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شروع میں لوگ توحید پرست تھے بعد میں شرک پھیلا۔ اس سے ان لوگوں کے نظریات کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شروع میں لوگ مشرک تھے بعد میں انہیں توحید کا علم ہوا اور موحّد بنے۔ یہاں تک تو سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۳ کے پہلے جملہ (کان الناس امۃ واحدۃ) کی تشریح اور تفسیر

ہوئی ہے۔ اور پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس آیت میں کل چھ چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہوگئی اور دوسری چیز دوسرے جملہ میں بیان فرمائی ہے۔ فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین۔ کہ پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا دراں حالیکہ وہ خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تھے یعنی اس ملّتِ واحدہ کو اس عقیدۂ توحید پر قائم و دائم رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور ان کی تعلیم کے دو طریقے رکھے تھے۔ ایک عقیدہ توحید کو ماننے کی دنیاوی اور اخروی بشارت اور برکات یہ مضمون مبشرین کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔ اور دوسرا طریقہ اس عقیدہ کو نہ ماننے والوں کے لیے دنیاوی اور اخروی سزا۔ یہ مضمون منذرین کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔ اور یہ طریقۂ تعلیم و تفریب اور موعظت و نصیحت کا انداز اس لیے اپنایا تاکہ انسان اپنے مفاد کی خاطر اور حرص ولالچ میں پڑھ کر اس نصب العین اور مشن پر کاربند رہے۔ اور نیز یہ بھی اندیشہ تھا۔ شیطان جو انسان کا ازلی اور ابدی دشمن ہے اس وحدت ملی کو کہیں پارہ پارہ نہ کردے۔ مبشرین اور منذرین کے ضمن میں یہ مضمون بھی شامل ہے۔

اور تیسری چیز انزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ میں بیان فرمائی ہے یعنی ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ نے ایسی کتابیں اتاریں جو صحیح طور پر اس ملّتِ واحدہ کے لیے مشعلِ راہ اور کامیابی وکامرانی کی ضامن تھیں۔ اور یہ کتابیں نازل کرنے کا مقصد یہ بیان فرمایا

ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اختلافی چیزیں فیصلہ کرے یعنی ان کے درمیان ہرگز مذہبی، اعتقادی، ذاتی یا قومی وغیرہ کا جھگڑا پیدا ہو تو کتاب الٰہی کے ذریعہ ان کے مابین فیصلہ کیا جائے۔ اور یہ سب کچھ ملّت واحدہ کی وحدانی کیفیت قائم و دائم اور برقرار رکھنے کے لیے اختیار کیا گیا۔

اور چوتھی چیز وما اختلف سے لے کر بینھم تک بیان فرمائی ہے۔ یعنی ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محنت شاقہ، پند و نصیحت، تبشیر و انذار اور عادلانہ فیصلوں کے باوجود ملّت واحدہ کا اعتماد برقرار نہ رہ سکا اور یہ اس لیے نہیں کہ ان کے پاس حقانیت کے دلائل نہیں تھے۔ بلکہ دیدہ و دانستہ حق و انصاف کو بالائے طاق اور پس پشت ڈال کر جادۂ حق سے روگردانی کی اور قومی عصبیتوں اور ذاتی اغراض و مقاصد کی وجہ سے دین اور شریعت خداوندی کو پامال کیا۔

پانچویں چیز فھو اللہ الذین سے لے کر باذنہ تک بیان فرمائی۔ یعنی جو لوگ انابت اللہ، جویندۂ ہدایت، اور طلب گار حق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی راہ نمائی فرمائی۔

چھٹی چیز یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا صفات والوں کو ہدایت دیتا ہے اور جن میں یہ صفات نہ ہوں انہیں اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔ درحقیقت اختلافات کی وجہ سے حق پر پردہ پڑ جاتا ہے پتہ نہیں چلتا کہ حق بات کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں سنت اللہ یہی رہی ہے کہ ایک پیغمبر بھیج کر حق و

باطل کو جدا کیا جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے امام الملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تین نظریات تھے۔ یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور ہم اس کے پیروکار ہیں۔ اور عیسائی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے اور ہم ان کے متبع ہیں۔ اور مشرکین کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک تھے اور ہم ان کے مذہب پر ہیں۔ اب اس اختلاف کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کی حیثیت کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور پھر ان پر اپنی مقدس کتاب قرآن مجید اتاری جس میں صاف فرمایا۔ ماکان ابراھیم یھودیًا ولٰکن کان حنیفًا مسلمًا وما کان من المشرکین ○ کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی نہیں تھے لیکن وہ کٹر مسلمان تھے اور وہ مشرکین میں سے بھی نہیں تھے۔ اور اس طرح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو راہِ ہدایت بتائی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی اختلاف پڑ گیا تھا۔ یہودی تو ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت زنا لگاتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ لوگ ولد نامعلوم قرار دیتے تھے اور ان کے بارے میں اب بھی ان کے یہی نظریات ہیں۔ اور بعض عیسائی لوگ ان کو خدا مانتے تھے اور بعض خدا کا بیٹا اور حضرت مریم کو خدا کی بیوی مانتے تھے۔ اور ان گروہوں کے ان کے بارے میں اب بھی یہی نظریات ہیں۔

بہرحال اس اختلاف اور غلو کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب پر بھی پردہ پڑ چکا تھا۔ یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ حق بات کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہدایت عطا فرمائی۔ اور اس سلسلہ میں قرآن مجید کی سورۃ آل عمران اور سورۃ مریم میں بڑی تفصیل اور بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ یہودی نظریات کی بھی تردید فرمائی ہے اور عیسائیوں کی بھی۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم پاکدامن اور پارسا تھیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کسی ناجائز تعلق کی بنا پر جنم نہیں دیا تھا بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا تھا۔ اور ان کی حیثیت پیدائش کے سلسلہ میں حضرت آدمؑ جیسی ہے۔ جس طرح ان کو خداوند پاک نے سوائے ماں اور باپ کے پیدا فرمایا اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سوائے باپ کے پیدا فرمایا۔ اور عیسائی نظریات کی بھی تردید فرمائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا خدا کا بیٹا نہیں تھا بلکہ وہ خدا کا پیغمبر تھا۔

بہرحال اس باب میں مذکورہ تمام آیات اور احادیث کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی ابتداء آفرینش سے ہی انہیں عقیدۂ توحید کے ساتھ ساتھ نظام عدل کی بھی تعلیم دی تھی۔ اور ہر دور کے ہر نبی کو لوگوں کے مابین اختلافی امور میں (چاہے وہ مذہبی نوعیت کے ہوں یا ذاتی) حق و انصاف کا فیصلہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور اس سلسلہ میں ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں میں کسی قسم کا امتیاز یا طرف داری برتنے کی

اجازت نہیں تھی - چنانچہ ہر نبی نے حکم خداوندی کی تعمیل کی - اور انہوں نے اپنے اپنے دور میں لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دی اور عادلانہ نظام بھی قائم کیا -

تمام انبیاءؑ نے اللہ کے حکم کے مطابق لوگوں کے مابین فیصلے کیے

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ	ہم نے توراۃ نازل کی ہے
فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ	اس میں ہدایت اور
يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ	روشنی ہے - اس پر پیغمبر
الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا	جو اللہ کے فرمانبردار تھے
لِلَّذِيْنَ هَادُوْا	یہودی لوگوں کا فیصلہ
وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ	کیا کرتے تھے - اور اہل
بِمَا اسْتُحْفِظُوْا	اللہ اور علماء بھی اس لیے
مِنْ كِتٰبِ	کہ وہ لوگ کتاب اللہ
اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ	کے محافظ بنائے گئے
شُهَدَآءَ ۚ فَلَا	تھے - اور اسکی خبرگیری
تَخْشَوُا النَّاسَ	پر مقرر تھے - سو تم لوگوں
وَاخْشَوْنِ وَلَا	سے نہ ڈرو، مجھ سے
تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ	ڈرو - اور میری آیتوں
ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ	کے بدلے میں تھوڑا مول

لَّمْ يَحْكُمْ	نہ لو۔ اور جو کوئی اس
بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ	کے موافق فیصلہ نہ کرے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	جو اللہ نے اتارا تو وہی
الْكٰفِرُوْنَ ۝	لوگ کافر ہیں۔
وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ	اور ہم نے ان پر اس
فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ	کتاب میں لکھا تھا کہ جان
بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ	بدلے جان کے اور آنکھ
بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ	بدلے آنکھ کے اور
بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ	ناک بدلے ناک کے
بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ	اور کان بدلے کان کے
بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ	اور دانت بدلے دانت
قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ	کے اور زخموں کا بدلہ
تَصَدَّقَ بِهٖ	ان کے برابر ہے۔ پھر
فهو كفارة	جس نے معاف کر دیا
لهٗ ومن لم	تو وہ گناہ سے پاک ہو
يحكم بما	گیا۔ اور جو کوئی اس
انزل الله فاولٰئك	کے موافق حکم نہ کرے
هم الظٰلمون	جو اللہ نے اتارا سو وہی
(سورۃ المائدہ آیت ۴۴۔۴۵)	لوگ ظالم ہیں۔

تفسیر

ان آیات میں سات چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ توراۃ منزّل من اللہ تھی اور اس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ ہدایت سے مراد اللہ تعالیٰ کے تعارفی نمونے ہیں اور نور سے مراد عدل و انصاف کے نمونے ہیں۔ اور عدل و انصاف کو نور سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح انسان نور (روشنی) میں آسانی سے چلتا پھرتا ہے اور آسانی کے ساتھ کاروبار کرتا ہے۔ اسی طرح جس ملک میں عدل و انصاف کا نظام نافذ ہو اور اس پر عمل ہوتا ہو۔ وہاں کی رعایا بھی اس ملک میں آسانی کے ساتھ چلتی پھرتی ہے اور کاروبار کرتی ہے۔ اور جہاں یہ نظام نافذ نہ ہو وہاں کی رعایا کے لیے بڑی مشکلات ہوتی ہیں۔ اور ان آیتوں میں چونکہ عادلانہ نظام کا بیان ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے شروع میں ہی لفظ نور ذکر فرمایا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ توراۃ میں جس نظام عدل کا بیان ہے اس کے موافق یہود کے مابین انبیاء علیہم السلام، اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے۔ اور پھر وہ اپنے فیصلوں کی نگرانی بھی کرتے تھے اور پھر رعایا اور پبلک سے ان پر عمل بھی کرواتے تھے۔ یہ دراصل سورۃ بقرہ کی آیت ۲۱۳ کی تشریح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کتابیں دے کر اس لیے مبعوث فرمایا تھا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلے کریں۔ اور سورۃ مائدہ کی اس آیت ۴۴ کے دوسرے جملے

میں ان انبیاء علیہم السلام میں سے انبیاء بنی اسرائیل کے عملی نمونے کو بیان فرمایا ہے کہ ان انبیاء نے صرف خود ہی لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے فیصلے نہیں کئے بلکہ انہوں نے اس سلسلہ میں بڑے بڑے ایسے اہل اللہ اور علماء بھی پیدا کیے جو ایسے فیصلے کرتے تھے۔

تیسری چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودی علماء کو خطاب ہے کہ لوگوں سے ڈالر اور رشوت لے کر ناجائز فیصلے مت کرو۔

چوتھی چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ جو حکام اللہ کے حکم کے موافق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔ مفسرین حضرات نے اس جملہ کی دو تفسیریں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ کے فیصلہ کو جو برحق نہ مانیں وہ کافر ہے۔ اور دوسری تفسیر یہ بیان فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو برحق تو مانے مگر فیصلہ اس کے موافق نہ کرے تو یہ کافر ہے اعتقادی نہیں۔

پانچویں چیز مسئلہ قصاص کو بیان فرمایا ہے۔

چھٹی چیز یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء قصاص معاف بھی کر سکتے ہیں۔ یہ معاف کرنا ان کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

ساتویں چیز یہ بیان فرمائی کہ اللہ کے حکم کے موافق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں اور ایسے حکام کو ظالم اس لیے فرمایا کہ مدّعی یا مدعا علیہ دونوں میں سے ایک تو ظالم ہونا ہی ہے اور جب حاکم بھی ظالم کی طرفداری کر کے اس کے حق میں فیصلہ کرے گا تو یقیناً وہ بھی ظالم ہی ہوگا۔ اور اگر حاکم پوری تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر

پہنچے کہ فلاں کا یہ حق ہے اور فلاں کا حق نہیں ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہو تو وہ ظالم نہیں ہو سکتا۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ
بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ
مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
التَّوْرٰاةِ وَاٰتَيْنٰهُ
الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ
هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا
لِّمَا يَدَيْهِ مِنَ
التَّوْرٰاةِ وَهُدًى
وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ
وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ
الْاِنْجِيْلِ بِمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ
وَمَنْ لَّمْ
يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(سورۃ المائدۃ آیت ۴۶-۴۷)

اور ہم نے ان کے قدموں پر ان کے پیچھے عیسیٰؑ مریمؑ کے بیٹے کو بھیجا جو اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اسے انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کی تصدیق کرنے والی تھی۔ اور راہ بتانے والی اور ڈرنے والوں کے لیے نصیحت تھی۔ اور چاہیے کہ انجیل والے اس کے موافق فیصلہ کریں۔ جو اللہ نے اس میں اتارا ہے۔ جو شخص اس کے موافق فیصلہ نہ کرے سو وہی لوگ نافرمان ہیں۔

تفسیر

اس سے پہلے آیت چوالیس میں یہ فرمایا ہے کہ توراۃ میں عدل وانصاف کا حکم تھا۔ اور انبیاء علیہم السلام، اہل اللہ اور علماء اس کے موافق فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اور ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ انجیل کے اندر بھی یہی حکم تھا۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی تھی۔ اور آپ بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ ان کے بارے میں یہاں یہ فرمایا ہے کہ وہ توراۃ کے مصدق تھے اور ان پر جو انجیل اتاری گئی تھی۔ اس کے بارے میں بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ توراۃ کی مصدق تھی یعنی توراۃ میں جو بھی عقائد اور احکامات تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بزبان خود بھی اور آپ پر جو انجیل اتاری گئی ہے اس نے بھی توراۃ کے بیان کردہ ان عقائد اور احکامات کی تصدیق کی ہے۔ اور ان احکامات میں سے عدل و انصاف کا حکم بھی ہے۔

پس خلاصہ اور لبّ لباب یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی کتابیں اتاری ہیں ان سب میں انسانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپس میں انصاف کرو اور انصاف سے فیصلے کرو۔ یہ تو آیت ۴۶ کا مضمون ہے اور آیت ۴۷ میں فرمایا ہے کہ انجیل والوں کو بھی اللہ تعالےٰ کے حکم کے موافق فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اور جو شخص اللہ کے حکم کے موافق فیصلہ نہیں کرے گا وہ فاسق ہے۔ آیت ۴۴، اور ۴۵ میں گزر چکا ہے کہ جو اللہ کے حکم کے موافق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے اور ظالم ہے اور اس آیت ۴۷ میں ایسے لوگوں کو فاسق فرما دیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ایسے حکام کافر بھی ہیں، ظالم بھی ہیں اور فاسق بھی ہیں۔ اور ایسے لوگ بہت بڑے مجرم ہیں۔ کیونکہ جب حکام غلط فیصلے کریں گے تو پھر کفر کے دروازے بھی کھلیں گے، ظلم کے بھی کھلیں گے اور فسق و فجور کے بھی اور ان کا انسداد مشکل ہوگا۔ اور ایسے حکام بھی اپنے غلط فیصلوں کی وجہ سے ان کافروں کے ساتھ ظالموں کے ساتھ اور فاسقوں کے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے حکام کو کافر، ظالم اور فاسق فرمایا ہے۔

مرتد کے بارے میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عادلانہ فیصلہ

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَاۤءِ عَلٰۤى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ۝	اور اے موسیٰ تجھے اپنی قوم سے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا۔ اس نے کہا وہ بھی میرے پیچھے آ رہے ہیں۔ اور اے میرے رب میں جلدی تیری طرف آیا تاکہ تو خوش ہو۔ فرمایا تیری قوم کو تیرے بعد ہم نے آزمائش میں ڈال دیا

فَرَجَعَ مُوسَىٰ
إِلَىٰ قَوْمِهِ
غَضْبَانَ أَسِفًا ج

ہے اور انہیں سامری
نے گمراہ کر دیا ہے پھر
موسیٰ اپنی قوم کی طرف
غصہ میں بھرے ہوئے
افسوس کرتے ہوئے لوٹے

قَالَ يَٰقَوْمِ أَلَمْ
يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ
وَعْدًا حَسَنًا ط
أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ
الْعَهْدُ أَمْ أَرَدتُّمْ
أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ
غَضَبٌ مِّن
رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم
مَّوْعِدِي ○ قَالُوا
مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ
بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا
حُمِّلْنَا أَوْزَارًا
مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ
فَقَذَفْنَاهَا
فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى
السَّامِرِيُّ فَأَخْرَجَ

کہا اے میری قوم کیا
تمہارے رب نے تم
سے اچھا وعدہ نہیں کیا
تھا۔ پھر کیا تم پر بہت
زمانہ گزر گیا تھا یا تم نے
چاہا کہ تم پر تمہارے رب
کا غصہ نازل ہو۔ تب
تم نے مجھ سے وعدہ خلافی
کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم
نے اپنے اختیار سے آپ
سے وعدہ خلافی نہیں کی
لیکن ہم سے اس قوم کے
زیور کا بوجھ اٹھوایا گیا تھا
سو ہم نے اسے ڈال دیا
پھر اسی طرح سامری نے
ڈال دیا۔ پھر ان کے

لَهُمْ عِجْلًا	لیے ایک بچھڑا نکال لایا
جَسَدًا لَّهٗ	ایک جسم جس میں گائے
خُوَارٌ فَقَالُوْا	کی آواز تھی پھر کہا یہ
هٰذَآ اِلٰهُكُمْ	تمہارا اور موسیٰ کا معبود
وَاِلٰهُ مُوْسٰى	ہے سو وہ بھول گیا
فَنَسِيَ ۝ اَفَلَا	ہے کیا پس وہ نہیں
يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ	دیکھتے کہ وہ انہیں کسی
اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۝	بات کا جواب نہیں دیتا
وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ	اور وہ ان کے نقصان
ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝	اور نفع کا بھی اسے اختیار
وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ	نہیں اور انہیں ہارون
هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ	نے اس سے پہلے کہہ دیا
يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ	تھا اے میری قوم اس
بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ	سے تمہاری آزمائش کی گئی
الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ	ہے اور بے شک تمہارا
وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝	رب رحمان ہے سو میری
قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ	پیروی کرو اور میرا کہا مانو
عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ	انہوں نے کہا ہم برابر اسی
حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا	پر جمے بیٹھے رہیں گے۔
مُوْسٰى ۝ قَالَ يٰهٰرُوْنُ	یہاں تک کہ موسیٰ ہمارے
مَا مَنَعَكَ اِذْ	پاس لوٹ کر آئے اس

رَئَيْتَهُمْ ضَلُّوْاہ	نے کہا اے ہارون تمہیں
اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ	کس چیز نے روکا جب
اَمْرِیْ ہ قَالَ	تم نے دیکھا تھا کہ وہ
يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ	گمراہ ہو گئے ہیں کہ تو
بِلِحْيَتِیْ	میرے پیچھے نہ آیا۔ پھر
وَلَا بِرَاْسِیْ ج	تو نے بھی میری حکم عدولی
اِنِّیْ خَشِيْتُ	کی اس نے کہا اے میری
اَنْ تَقُوْلَ	ماں کے بیٹے میری ڈاڑھی
فَرَّقْتَ بَيْنَ	اور سر نہ پکڑ بیشک میں
بَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ	اس سے ڈرا کہ تو کہے گا
وَلَمْ تَرْقُبْ	کہ تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ
قَوْلِیْ ہ	ڈالدی اور میرے فیصلہ کا
	انتظار نہ کیا۔
قَالَ فَمَا خَطْبُكَ	کہا اے سامری تیرا کیا
يٰسَامِرِیُّ ہ قَالَ	معاملہ ہے۔ اس نے کہا
بَصُرْتُ بِمَا	میں نے وہ چیز دیکھی
لَمْ يَبْصُرُوْا	تھی جو دوسروں نے نہ
بِهٖ فَقَبَضْتُ	دیکھی۔ پھر میں نے رسول
قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ	کے نقش قدم کی ایک مٹھی
الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا	مٹی لے کر ڈال دی۔ اور
وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ	میرے دل نے مجھے ایسی

لِیْ نَفْسِیْ ۝	ہی بات سوجھائی ۔
قَالَ فَاذْهَبْ	کہا پس چلا جا ۔ تیرے
فَاِنَّ لَكَ	لیے زندگی میں یہ سزا ہے
فِی الْحَیٰوةِ	کہ تو کہے گا ہاتھ نہ لگانا
اَنْ تَقُوْلَ لَا	اور تیرے لیے ایک اور
مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ	وعدہ ہے جو تجھ سے
مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ	ٹلنے والا نہیں اور تو اپنے
وَانْظُرْ اِلٰۤى	معبود کو دیکھ جس پر تو
اِلٰهِكَ الَّذِیْ	جما بیٹھا تھا ۔ ہم اسے
ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ	ضرور جلا دیں گے ۔ پھر
لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ	اسے دریا میں بکھیر کر بہا
لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ	دیں گے ۔ بیشک تمہارا
نَسْفًا ۝ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ	معبود وہی اللہ ہے جس
اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ	کے سوا کوئی معبود نہیں
وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ۝	اس کے علم میں سب چیز
(سورۃ طٰہٰ آیت ۸۳ تا ۹۸)	سما گئی ہے ۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصری مہم سے فارغ ہوئے اور صحرائے سینائی کو اسلامی ریاست کا مرکز بنایا ۔ اور ہنوز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی اُمّت کی اصلاح کے لیے کوئی کتاب نہیں ملی

تھی۔ اور اس سے قبل تو آپ صرف توحید و رسالت قیامت اور نماز کی دعوت دیتے رہے تھے۔ اور اب جب کہ مستقل اپنی حکومت قائم کر لی تو قوم کی اصلاح کے لیے اور ان کے عقائد اخلاق سنوارنے کے لیے۔ اور ان کے درمیان اختلافی امور میں فیصلہ کرنے کے لیے انہیں کتاب کی ضرورت تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کوہ طور پر تیس دن اعتکاف کرنے کا حکم دیا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنا کر حکم خداوندی کے مطابق کوہ طور پر چلے گئے۔ اور آپ کو حکم یہ تھا کہ اپنی امت میں سے کچھ لوگوں کو ساتھ لانا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ساتھ چلنے کو فرمایا۔ اور ان لوگوں نے آپ کے ساتھ چلنے کا وعدہ کیا۔ اور آپ سے ان لوگوں نے کہا کہ آپ چلیں ہم آرہے ہیں۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے گئے اور وہ لوگ نہ گئے، انہوں نے وعدہ خلافی کی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے پہلی مرتبہ ہی پوچھا کہ تم نے اپنی قوم سے جلدی کیوں کی۔ ان کو بھی ساتھ لانا چاہیئے تھا۔ تو حضرت موسےٰ عٰ نے عرض کی کہ باری تعالیٰ وہ میرے بعد آرہے ہیں۔ اور میں تو صرف آپ کو خوش کرنے کے لیے جلدی آگیا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تو نہیں آرہے۔ اور آپ کے آنے کے بعد ہم نے ان کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا ہے۔ سامری سامرہ کی طرف منسوب ہے۔ دراصل اس شخص کا والد سامرہ کا رہنے والا تھا اور وہاں سے مصر میں جا کر آباد ہو گیا تھا۔ وہاں اس کی اولاد

ہوئی ان میں سے ایک کا نام ہارون تھا اور یہ وہ ہارون نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے اور بعض نے اس کا نام بھی موسیٰ لکھا ہے۔ جب بنی اسرائیل نے مصر سے ہجرت کی تو یہ بھی ان کے ساتھ ہو گیا تھا۔

مگر چونکہ یہ منافق تھا تو اس نے جب دیکھا کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نہیں ہیں تو اس نے سونے اور چاندی کا بچھڑا بنا کر اس میں مٹی ڈالی۔ یہ مٹی اس نے جبرئیل امین کی گھوڑی کے قدموں کی جگہ سے اٹھائی تھی۔ اور اس مٹی کی وجہ سے اس بچھڑے میں قدرتی طور پر گائے کے بچھڑے جیسی آواز پیدا ہوئی تو اس نے بنی اسرائیل سے کہا کہ خدا تو یہ ہے اور موسیٰ بھول گیا ہے۔ اور یہ بچھڑے کا واقعہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کی آزمائش تھی کیونکہ یہ بنی اسرائیل بہت بڑے بے ادب اور گستاخ تھے۔ یہ اس سے پہلے بھی حضرت مُوسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر چکے تھے کہ آپ ہمارے لیے کوئی خدا بنائیں۔ اگر ان کا خدا پر یقین ہوتا تو وہ ایسا مطالبہ نہ کرتے اور اس موقعہ پر بھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جب کوہ طور پر جانے کو فرمایا تو وہ نہ گئے۔ اگر ان کا خدا پر ایمان ہوتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر یقین ہوتا تو شوق زیارت کی وجہ سے فوراً جاتے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مقدس ہستی تھے۔ انکا ادب بھی ضروری تھا اور وہ جس جگہ پر اعتکاف کے لیے گئے تھے وہ بھی مقدس تھی اس کا ادب بھی ضروری تھا اور اللہ تعالےٰ نے چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام بھی ہونا تھا اس لحاظ سے وقت

بھی بڑا قابلِ احترام تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت بنی اسرائیل میں سوائے معدودے چند کے ابھی تک ایسے مؤدب اور توحید پرست افراد پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کو کوہ طور پر جانے کا حکم دے گئے تھے وہ ایسے ہی تھے۔ اس لیے ان کو آزمائش میں ڈالا گیا تاکہ توحید پرست اور مشرک واضح ہو جائیں۔ اور اس آزمائش کا ذریعہ سامری کو ٹھہرایا گیا

موسیٰ علیہ السلام نے تیس دن کے بجائے چالیس دن اعتکاف کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بنی اسرائیل قوم کی رشد و ہدایت کے لیے توراۃ ملی۔ اور جب واپس تشریف لائے تو قوم کی گمراہی پر غصہ آیا اور افسوس کیا اور انہیں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے جو تمہیں کوہ طور پر بلا کر تم پر احسانات فرمانے کا اور کتاب عطا فرمانے کا وعدہ کیا تھا یہ وعدہ تو بڑا اچھا تھا اور کچھ زیادہ وقت بھی نہیں لگتا تھا۔ اور تم لوگ میرے ساتھ کوہ طور پر جانے کا وعدہ کر کے منحرف ہو گئے۔ تم نے ایسا کیوں کیا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ تم پر خدا کا غضب اترے۔ تو انہوں نے اس کارروائی کا ذمہ دار سامری کو ٹھہرایا حالانکہ انہوں نے اتنا تک نہ سوچا کہ بچھڑا ان سے بات تک نہیں کر سکتا اور انہیں نفع نقصان بھی نہیں دے سکتا اور پھر انہوں نے اس سامری کے کہنے پر اس بچھڑے کو خدا مان لیا اور اگر وہ لوگ تھوڑا سا بھی غور و فکر کرتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی مگر انہوں نے نہ سوچا۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام بدستور انہیں اس شرکیہ عقیدے سے روکتے رہے مگر انہوں نے آپ کی بات بھی نہ مانی

اور ان سے کہا کہ ہم موسیٰ کی واپسی تک اسی بچھڑے کی عبادت کرتے رہیں گے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو زبانی سرزنش کرنے کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کو ڈانٹا کہ تمہاری موجودگی میں ان لوگوں نے شرک کیا اور تم نے ان کو روکا نہیں تم نے ایسا کیوں کیا ہے۔ تمہیں تو چاہیئے تھا کہ جب ان لوگوں نے شرک شروع کی تھی۔ اور تمہارے کہنے سے نہیں رکتے تھے تو تم میرے پاس کوہ طور پر ہی آجاتے۔ تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ تم نے ایسا کیوں کیا ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو داڑھی اور سر سے پکڑ کر جھنجھوڑا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا میری ماں کے بیٹے میرے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرو۔ میرے دشمنوں کو میرے ساتھ نہ ہنساؤ۔ میں نے تو انہیں روکا تھا مگر ان کے ساتھ سختی نہیں کی کیونکہ اس سے ان میں پھوٹ پڑتی اور پھر تمہاری طرف سے بھی خطرہ تھا کہ تم کہتے کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی ہے، تم نے میرا انتظار نہ کیا۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا کہ تو نے یہ کیسا چکر چلایا ہے تو اس نے کہا کہ دریا عبور کرتے وقت میں نے ایک چیز دیکھ لی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی کہ رسول (جبریل) کے قدموں کے نیچے کی مٹی سرسبز ہوگئی تھی اور میں نے اس کو اٹھا لیا تھا۔ پھر اسی طرح زیورات کا بچھڑا بنا کر میں نے وہ مٹی اس میں ڈال دی۔ اور یہ بات خود مجھے سوجھی ہے کسی اور نے مجھے نہیں بتائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بد دعا دی اور فرمایا کہ تو دنیا میں کہے گا (لَا مِسَاسَ یعنی اس کو آپ کی بد دعا سے بخار ہو گیا اور وہ خود لوگوں سے کہتا کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا اور

اسے جو ہاتھ لگاتا تا اسے بھی بخار ہو جاتا۔ اور اسے فرمایا کہ قیامت کا عذاب بعد میں ہوگا۔ اس کے بعد اس بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دیا تاکہ ان کی رسوائی ہو اور ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ معبود تو اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور وہ بڑے وسیع علم والا ہے۔ یعنی وہ نافرمانوں اور فرماں برداروں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى	اور جب موسیٰ نے اپنی
لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ	قوم سے کہا اے میری قوم
ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ	بے شک تم نے بچھڑا بنا
بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ	کر اپنی جانوں پر ظلم کیا سو
فَتُوْبُوْٓا اِلٰى	اپنے پیدا کرنے والے کے
بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا	آگے توبہ کرو۔ پھر اپنے
اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ	آپ کو قتل کرو۔ تمہارے
خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ	لیے تمہارے خالق کے
بَارِئِكُمْ فَتَابَ	نزدیک یہی بہتر ہے پھر
عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ	اس نے تمہاری توبہ قبول کر
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝	لی۔ بیشک وہی بڑا توبہ
	قبول کرنے والا نہایت رحم
	والا ہے۔

تفسیر

اس سے پہلے سورۃ قصص کی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے بچھڑے کو خدا ماننے کی وجہ سے بنی اسرائیل کو جو زبانی طور پر زجر اور ڈانٹ پلائی تھی اس کا بیان گزرا ہے اور پھر اسی طرح حضرت ہارون کو تنبیہ فرمائی۔ اور سامری کو جو بد دعا دی۔ پھر اس بچھڑے کو جو راکھ بنا کر بہا دیا اس کا بیان گزرا ہے۔ اس سورۃ بقرہ کی آیت میں اس بچھڑے کے پرستاروں کے لیے جو سزا تجویز فرمائی اس کا بیان ہے یعنی بچھڑے کے پرستاروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ تم لوگ توبہ کرو اور اس کی صورت یہ تجویز ہوئی کہ شرک کے مرتکبین کو قتل کر دیا جائے چنانچہ اس پر عملدرآمد ہوا اور اس شرک کی پاداشں میں تقریباً تین ہزار آدمی قتل کئے گئے۔ آیت میں اس قتل کو بہتر فرمایا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے آپ کو اس قتل کے لیے پیش کیا تھا اور وہ مقتول ہوئے تو ان کی یہ بہت بڑی توبہ تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ قتل باغی معاشرہ کے لیے بھی بہتر تھا کیونکہ اس سے شرک اور بقیہ جرائم کا سدّباب ہو گیا۔ کیونکہ ہر نیکی کی جڑ عقیدۂ توحید ہے اور ہر برائی کی بنیاد عقیدہ شرکیہ ہے۔

دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توحید کی بنیاد اور شرک اور ظلم کی مخالفت پر ہی یہ جماعت قائم کی تھی۔ اس کے سوا ان کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔ اور آزادی سے قبل تو بنی اسرائیل سارے کے سارے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اس لیے وہ قوم ستم زدہ تھی، وہ سالہا سال سے اور عرصہ دراز سے فرعونی جماعت کے مظالم برداشت کرتے چلے آرہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب عقیدۂ توحید کے ساتھ ساتھ آزادی کا بھی نعرہ لگایا تو بنی اسرائیل نے اس کو اپنے لیے

ذریعہ نجات سمجھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیوستہ ہو گئے۔ اور جب انہیں آزادی ملی تو انہوں نے اپنے لیے الگ راہ تلاش کرنا شروع کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عقیدہ کے خلاف چلنا ان کے لیے آسان کام نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے اوّلین کوشش یہ کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ہی کوئی شرک کا مرکز بن جائے۔

چنانچہ انہوں نے جب ایک قوم کو مبتلاء شرک دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اجعل لنا الٰھا کما لھم اٰلھۃ ہمارا بھی کوئی خدا بنائیں جیسا کہ ان کا خدا ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تم جاہل لوگ ہو۔ یہ عقیدہ تو غلط ہے اور باطل ہے۔ اور یہ سب تباہ و برباد ہونے والی چیز ہے۔ اور جب ان لوگوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہماری بات نہیں مانی تو وقتی طور پر تو خاموش ہو گئے مگر موقعہ کے متلاشی رہے۔ اور جب دیکھا کہ موسیٰ تو کوہ طور پر چلا گیا ہے۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام نرم مزاج ہیں تو اس موقعہ کو غنیمت جان کر از سر خود بچھڑا بنا کر خدا کھڑا کر دیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے، حالات دیکھے تو انہیں بہت غصہ آیا اور افسوس بھی ہوا کیونکہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بڑا چیلنج تھا۔ اولاً اس لیے کہ یہ پارٹی ڈسپلن کی بڑی سنگین خلاف ورزی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چلائی گئی تحریک کی بنیاد کو اکھاڑنے والی بات تھی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے قبل جو مصر میں تحریک چلائی تھی وہ توحید ہی کی بنیاد پر چلائی تھی اور ثانیاً اس لیے کہ خلاف ورزی کرنے والے پارٹی اور جماعت کے ہی

بڑے اہم قسم کے لوگ تھے۔ اور بڑے با اثر تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کوئی فیصلہ کرنا آسان کام نہ تھا۔

پارٹی کے ان لوگوں کی طرف سے اور ان کی برادری کے لوگوں کی طرف سے بڑی سخت مزاحمت کا اندیشہ تھا۔ مگر آپ نے نرمی نہیں برتی اور کسی قسم کی پروا کیے بغیر سخت قدم اٹھایا۔ اور آپ کا یہ بہت جرأت مندانہ اقدام تھا۔ اگر آپ اس موقعہ پر چشم پوشی سے کام لیتے تو یہ تحریک فیل اور ناکام ہو جاتی مگر آپ نے اسے ناکام نہیں ہونے دیا۔ اور تمام خطرات کو بالائے طاق رکھ کر سخت قدم اٹھایا اور ہر ایک کو اس کے جرم کے مطابق سزا دی۔ ابتدا اپنے بھائی سے کی، ان کی داڑھی اور سر پکڑ کر جھنجھوڑا کیونکہ ان کی لغزش اتنی ہی ہے کہ انہوں نے ان مشرک بنی اسرائیل سے نرمی برتی تھی۔ سامری کو بد دعا دی اور اسے بخار ہو گیا اور تا دم مرگ اس کا بخار ٹوٹا نہیں تھا اور جو اسے ہاتھ لگاتا اسے بھی بخار ہو جاتا تھا۔ اور یہ اس کی بڑی سخت سزا اور ذلت تھی۔ یہ طریقہ اس لیے اختیار فرمایا تاکہ وہ اوروں کے لیے عبرت بنا رہے اور بچھڑے کو جلا کر اس لیے سمندر میں بہا دیا تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ وہ خدا نہیں اور نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ اس کے پرستاروں کو قتل کی سزا اس لیے دی تاکہ آئندہ شرک اور جرائم کا سدّ باب ہو جائے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے یہاں ہر مجرم کے لیے جو سزا تجویز فرمائی اور اس پر عمل بھی کیا۔ یہ عدل و انصاف کا نمونہ ہے کیونکہ دنیا میں یہ مانا ہوا اصول ہے کہ باغی کی سزا موت ہے خواہ وہ کتنا ہی با اثر کیوں نہ ہو۔ اور اس کے ساتھ کسی طرح کی نرمی روا نہیں رکھی جاتی۔ کیونکہ ایسی نرمی پوری قوم سے دشمنی ہوتی ہے

بہر حال یہ لوگ مرتد تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ان مرتدین کو سزا دی تاکہ آئندہ کے لیے ارتداد کا دروازہ بند ہو جائے اور اسی کو ان کی توبہ قرار دیا گیا ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی مرتدین کی یہی سزا ہے۔ لیکن ان کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز عن قریب بیان ہو گی۔

پانی کی تقسیم میں حضرت موسیٰ کا مُنصفانہ فیصلہ

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

(سورۃ بقرہ آیت ۶۰)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنے عصا کو پتھر پر مار۔ سو اس سے بارہ چشمے بہہ نکلے۔ ہر قوم نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ پیو۔ اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔

تفسیر

اس آیت میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت بنی اسرائیل کے لیے پانی کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل صحرار سنائی کے کسی ایسے علاقہ میں پہنچے جہاں پانی نہیں تھا۔ تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ پانی کا بندوبست فرمائیں۔ تو آپ نے اللہ کے حضور دعا فرمائی اور اللہ تعالےٰ نے ان کی یہ التجا قبول فرمائی اور حکم دیا کہ عصا (لاٹھی) پتھر پہ مارو وہاں سے پانی نکلے گا۔ یہ لاٹھی وہی ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام میدان میں پھینکتے، تو اژدھا بن جاتی اور جب اسے بحیرہ قلزم میں مارا تو اس نے بارہ راستے چھوڑ دیئے تھے۔ اور جب اسے پتھر پہ مارا تو اس سے پانی کے بارہ چشمے نکل آئے۔

الحجر سے مراد کوئی خاص پتھر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کیونکہ الحجر پر جو الف لام ہے یہ تعریفی علامت ہے، جو خصوص کے لیے آتا ہے۔ مفسّرین حضرات نے تاریخی حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ چٹان وسیع وادی میں واقع ہے۔ دس اور پندرہ فٹ کے درمیان اس کی بلندی ہے۔ اور اس کا پانی بارہ مقام سے نکلتا ہے اور بعض نے اس کے چوبیس سوراخ لکھے ہیں۔ بارہ ایک طرف ہیں اور بارہ دوسری طرف ہیں مگر قرآن مجید نے بارہ کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اسی کا اعتبار کرنا چاہیئے۔ خشک لاٹھی خشک پتھر پہ مارنے سے جو پانی کے بارہ

چشمے نکلے یہ قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس میں شک نہیں کرنا چاہیئے قدرت کے ایسے کرشموں میں شک کرنا زندیقیت اور الحاد ہے اور دوسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پانی کی تقسیم بارہ خاندانوں کے درمیان فرمائی تھی۔ کیونکہ بنی اسرائیل کے بارہ خاندان تھے۔ اور آپ نے ہر خاندان کو الگ الگ چشمہ دے دیا تاکہ تنگی کی وجہ سے جھگڑا نہ پیدا ہو۔

پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ ملکی پیداوار کو قومی اور علاقائی بنیادوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے ورنہ علاقائی باشندوں میں احساس محرومی بڑھے گا۔ جیسا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن کا گورنر بنایا تھا تو آپ نے انہیں ہدایات دی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ ہدایت بھی تھی کہ ان کے غنیوں سے زکوٰۃ لے کر انہیں کے غریبوں میں تقسیم کرنا ہے۔ اور تیسرا یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھانے اور پینے کا حکم ہے۔ چوتھا دنگا فساد سے بچنے کی تاکید ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قومی اور قبائلی بنیادوں پر جو پانی کی تقسیم فرمائی تھی یہ منصفانہ تقسیم تھی تاکہ کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے کیونکہ پانی ذریعہ حیات ہے اس سے کسی کو محروم رکھنا ناجائز اور ظلم ہے۔ اور طاقت ور انسان کمتروں کو ذرائع حیات سے محروم کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید کے بعض دیگر مقامات پر بھی یہ مضمون موجود ہے یہاں اختصار کے طور پر ایک ہی سورۃ بقرہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی فالتو پانی روکنے

سے منع فرمایا ہے۔ تفصل خلاصہ تفسیر القرآن جلد سادس میں ہے۔ صفحہ ۳۴۶ تا ۳۵۳۔

پانی کی تقسیم میں حضرت صالح کا منصفانہ فیصلہ

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ	قوم ثمود نے پیغمبروں کو
الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ	جھٹلایا جب ان سے ان
قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ	کے بھائی صالح نے کہا کیا
صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝	تم ڈرتے نہیں۔ میں تمہارے
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ	لیے امانت دار رسول ہوں
اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا	پس اللہ سے ڈرو اور
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝	میرا کہا مانو۔ اور میں
وَمَآ اَسْئَلُكُمْ	تم سے اس پر کوئی مزدوری
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ	نہیں مانگتا۔ میری مزدوری
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا	تو رب العلمین کے ذمہ
عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	ہے۔ کیا تمہیں ان چیزوں
اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ	میں بے فکری سے رہنے
مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝	دیا جائے گا یعنی باغوں
فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝	اور چشموں میں اور کھیتوں
وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ	اور کھجوروں میں جنکا خوشہ
طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝	ملائم ہے اور تم پہاڑوں

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝
وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ
الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ
يُفْسِدُوْنَ فِى
الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝
قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ
مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝
مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُنَا فَاْتِ
بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝
قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ
لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ
شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝
وَلَا تَمَسُّوْهَا
بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ
عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝
فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا
نٰدِمِيْنَ ۝

کو تراش کر تکلّف سے
گھر بناتے ہو۔ پس اللہ
سے ڈرو اور میرا کہا مانو
اور ان حد سے نکلنے والوں
کا کہا مت مانو جو زمین
میں فساد کرتے ہیں اور
اصلاح نہیں کرتے۔ کہنے
لگے تم پر تو کسی نے جادو
کیا ہے۔ تو بھی ہم جیسا
ایک آدمی ہے سو تو کوئی
نشانی لے آ، اگر تو سچا ہے
اس نے کہا یہ اونٹنی ہے
اس کے پینے کا ایک
دن ہے اور تمہارے
پینے کے لیے ایک دن
معین ہے۔ اور اسے
برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ
تمہیں بڑے دن کا عذاب
آ پکڑے گا۔ سو انہوں
نے اس کے پاؤں کاٹ
ڈالے پھر پشیمان ہوئے

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ	پھر انہیں عذاب نے
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ	آ پکڑا ۔ البتہ اس میں
لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ	بڑی نشانی ہے اور ان
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝	میں سے اکثر ایمان لانے
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ	والے نہ تھے اور بیشک
الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝	تیرا رب زبردست مہربان
(سورۃ الشعراء آیت ۱۴۱ تا ۱۶۰)	ہے ۔

تفسیر

ان آیات میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا واقعہ بیان فرمایا ہے ۔ یہ قوم عرب کے شمالی مغربی علاقہ میں رہتی تھی ۔ مال و دولت کے لحاظ سے یہ لوگ بہت امیر تھے ۔ سرسبز اور شاداب علاقے میں رہتے تھے ۔ عقائد کے لحاظ سے یہ لوگ مشرک تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے ان کی اصلاح کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ۔ ان لوگوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا کہ پتھر سے دودھ والی اونٹنی پیدا ہو تو ہم تمہیں رسول مان لیں گے ۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ نہ ایسی اونٹنی پیدا ہوگی اور نہ ہم مانیں گے ۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ایسی اونٹنی پیدا کر دی ۔ اور اس اونٹنی میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت رکھی تھی کہ اس کا دودھ ساری آبادی کو کفایت کرتا تھا ۔ مگر وہ پانی بھی زیادہ پیتی تھی اور گھاس بھی زیادہ کھاتی تھی اور آبادی میں صرف ایک ہی کنواں تھا ۔ اور اسکے بکثرت پانی پینے

پینے کی وجہ سے پانی کی قلت پیدا ہوئی۔ تو حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس پانی کی تقسیم فرمائی جیسا کہ ارشاد ہے وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَاۗءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ،

یعنی اسے صالح اپنی قوم کو بتلا دیں کہ کنوئیں کا پانی ان کے اور ناقۃ اللہ کے درمیان تقسیم ہوگا۔ ایک دن اونٹنی کا اور دوسرا دن ساری قوم کا۔ اور یہاں یہ فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے۔ ایک دن کا پانی اس کا حق ہے اور دوسرے دن کا پانی تمہارے لیے معین اور مقرر ہے۔ مگر ان لوگوں نے یہ تقسیم نہ مانی اور اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا تو پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا جس سے وہ پوری قوم مٹ گئی۔ ہمارا مقصد یہاں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت صالح علیہ السلام کو یہ پانی تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ یہ صرف اس لیے تاکہ انسانوں کے دلوں میں آپس میں بھی اور حیوانات پر بھی رحم کا جذبہ پیدا ہو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جس طرح اونٹنی پیدا فرمائی جو اتنا دودھ دیتی تھی وہ ان کے لیے بے شمار چشمے بھی پیدا فرما سکتے تھے لیکن اس سے شفقت کا پتہ نہ چلتا۔

بہر حال پانی کی اس تقسیم کا جو فیصلہ تھا منصفانہ تھا تاکہ انسان بھی اس سے محروم نہ رہیں اور حیوان بھی محروم نہ رہیں۔ کیونکہ یہ پانی سب کی زندگی کا ذریعہ ہے۔ پس جن لوگوں نے یہ تقسیم خداوندی نہ مانی، اور اس جاندار کو زندگی سے محروم کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں بھی اس حیاتِ عزیز سے محروم کر دیا اور انہیں صفحہ ہستی سے بالکل مٹا دیا قرآن مجید میں یہ واقعہ کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے تاکہ آنے والے

اس سے سبق حاصل کریں - اور آپس میں حق و انصاف کے فیصلے کریں اور حیوانات پر بھی رحم کریں -

حضرت داودؑ کے عادلانہ فیصلوں کا بیان

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ
وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ
وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝
وَهَلْ اَتٰكَ
نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ
تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝
اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى
دَاوٗدَ فَفَزِعَ
مِنْهُمْ قَالُوْا
لَا تَخَفْ ج خَصْمٰنِ
بَغٰى بَعْضُنَا
عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ
بَيْنَنَا بِالْحَقِّ
وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا
اِلٰى سَوَآءِ
الصِّرَاطِ ۝

اور ہم نے اسکی سلطنت
کو مضبوط کر دیا تھا اور
ہم نے اسے نبوت
دی تھی اور مقدمات کے
فیصلے کرنے کا سلیقہ دیا
تھا اور کیا آپ کو دو
جھگڑنے والوں کی خبر بھی
پہنچی - جب وہ عبادت
خانے کی دیوار پھاند کر
آئے - جب وہ داود
کے پاس آئے تو وہ ان
سے گھبرایا - انہوں نے
کہا ڈر نہیں - دو جھگڑنے
والے ہیں - ایک نے
دوسرے پر زیادتی کی ہے
پس آپ ہمارے درمیان

اِنَّ هٰذَآ
اَخِیْ قف لَهٗ تِسْعٌ
وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً
وَّلِیَ نَعْجَةٌ
وَّاحِدَةٌ قف
فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا
وَعَزَّنِيْ فِي
الْخِطَابِ ۝ قَالَ
لَقَدْ ظَلَمَكَ
بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ
اِلٰى نِعَاجِهٖ ط
وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ
بَعْضُهُمْ عَلٰى
بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ
مَّا هُمْ ط وَظَنَّ
دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ

انصاف کا فیصلہ کریں اور
بات کو دور نہ ڈالیں۔
اور ہمیں سیدھی راہ پر چلائیں
بیشک یہ میرا بھائی ہے
اس کے پاس ننانویں دنبیاں
ہیں اور میرے صرف ایک
دنبی ہے۔
پس اس نے کہا مجھے وہ
بھی دے دے اور اس
نے مجھے گفتگو گفتگو میں دبا
لیا ہے۔ کہا البتہ اس
نے تجھ پر زیادتی کی ہے
جو تیری دنبی کو اپنی دنبیوں
میں ملانے کا سوال کیا اور
اکثر شریک ایک دوسرے
پر زیادتی کیا کرتے ہیں،
مگر جو ایماندار ہیں اور
انہوں نے نیک کام بھی
کئے اور وہ بہت ہی کم
ہیں اور داود سمجھ گیا۔
کہ ہم نے اسے آزمایا ہے

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ	پھر اس نے اپنے رب
وَخَرَّ رَاكِعًا	سے معافی مانگی اور
وَّاَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا	سجدہ میں گر پڑا اور توبہ
لَهٗ ذٰلِكَ ۚ وَ	کی۔ پھر ہم نے ان کی یہ
اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا	غلطی معاف کر دی اور
لَزُلْفٰى وَحُسْنَ	اس کے لیے ہمارے ہاں
مَاٰبٍ ۝ يٰدَاوٗدُ	مرتبہ اور اچھا ٹھکانا ہے
اِنَّا جَعَلْنٰكَ	اے داؤد ہم نے تجھے
خَلِيْفَةً فِى	زمین میں خلیفہ بنایا ہے
الْاَرْضِ فَاحْكُمْ	پس تو لوگوں میں انصاف
بَيْنَ النَّاسِ	سے فیصلہ کیا کر۔ اور نفس
بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ	کی خواہش کی پیروی نہ
الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ	کر وہ تمہیں اللہ کی راہ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ	سے ہٹا دے گا بیشک
اِنَّ الَّذِيْنَ	جو لوگ اللہ کی راہ سے گمراہ
يَضِلُّوْنَ عَنْ	ہوتے ہیں ان کے لیے
سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ	سخت عذاب ہے اسلئے
عَذَابٌ شَدِيْدٌ	کہ وہ حساب کے دن کو
بِمَا نَسُوْا يَوْمَ	بھول گئے ہیں۔
الْحِسَابِ ۝	

(سورۃ ص آیت ۲۰ تا ۲۶)

تفسیر

ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السّلام کے ایک عادلانہ فیصلہ کا بیان ہے۔ پہلی آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی تعریف اور عظمت بیان فرمائی کہ ہم نے اسے بڑی مضبوط اور مستحکم حکومت عطا کی تھی۔ اس کو نبوّت دی اور فیصلہ کرنے کا سلیقہ بھی دیا تھا مگر یہ آیت مجمل ہے اور اس کے بعد آیت ۲۱ سے لے کر ۲۶ تک اس اجمال کی تفصیل ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے عبادت خانے میں محوِ عبادت تھے اور دروازے پر پہرے دار کھڑے تھے کہ اس اثنا میں عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر دو آدمی اندر چلے گئے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام ان کے اس انداز سے اندر آنے کی وجہ سے خوف زدہ ہوئے تو انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تسلی دی کہ ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ ہمارا ایک مقدمہ ہے اسی لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔ مگر انہوں نے اس کے بعد توہین آمیز گفتگو شروع کی کہ انصاف سے فیصلہ کرو۔ اس معاملہ کو نہ ٹالو بلکہ ابھی فیصلہ کرو۔ اور ہمیں سیدھی راہ پر چلاؤ۔ اب مدّعی نے مقدمہ پیش کیا کہ یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانویں دنبیاں ہیں اور میری ایک ہی دنبی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ یہ ایک بھی مجھے دے دو اور یہ مجھے گفتگو میں دبا لیتا ہے۔ اب حضرت داؤد نے فیصلہ سنایا اور مدّعی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مدعا علیہ تجھ پر زیادتی کرتا ہے جو ایک دنبی بھی تجھ سے مانگتا ہے اور فرمایا کہ اکثر شرکاء کار

ایسی زیادتی کرتے ہیں۔ بہرحال یہ لوگ توفیصلہ سننے کے بعد چلے گئے ۔ اب حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ دروازے پر تو پہرہ ہے تو یہ لوگ اندر کیسے آگئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتے ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے میرا امتحان ہے ۔ توبہ کی اور اللہ تعالےٰ سے معافی مانگی ۔ اللہ تعالیٰ نے معافی بھی دے دی ۔

آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ داؤد کا ہمارے پاس بڑا مرتبہ اور اچھا ٹھکانا ہے ۔ آیت ۲۰ کے اندر بھی یہی مضمون بیان فرمایا تھا اور اب بالفاظ دیگر بیان فرمایا ہے ۔ آیت ۲۶ میں مزید فرمایا ہے کہ اے داود تم تو ہمارے خلیفہ ہو لہٰذا تمام لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا ، اپنی خواہش کی پیروی نہ کرنا ورنہ گمراہ ہوجاؤ گے اور گمراہوں کے لیے سخت عذاب ہے ۔ اب خلاصہ یہ نکلا کہ اس آیت ۲۶ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی تین قسم کی لغزشوں کی اصلاح مقصود ہے ۔

پہلی یہ ہے کہ خلافت کا دروازہ بند نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ جب داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے تو پھر جس طرح اللہ تعالیٰ کا دروازہ سب کے لیے ہر وقت کھلا رہتا ہے اسی طرح خلیفۃ اللہ کا دروازہ بھی انصاف چاہتے والوں کے لیے ہر وقت کھلا رہنا چاہیئے ۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے اوقات کو تقسیم کیا ہوا تھا ۔ ایک دن اہل وعیال کے لیے مخصوص کیا ہوا تھا ۔ ایک عبادت کے لیے مخصوص تھا ۔ ان دو دنوں میں عدالت سے چھٹی کی ہوئی تھی اور عدالت کے لیے صرف ایک ہی دن مقرر تھا اور

یہ تقسیم آپ نے اپنی رائے سے کی ہوئی تھی اس لیے پروردگار نے اس سے روکا تھا۔

دوسری لغزش یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان مدعی اور مدعا علیہ کے بے وقت اور اس انداز سے آنے کی وجہ اور ان کے گستاخانہ لہجے کی وجہ سے طبیعت مبارک میں کچھ تکدّر پیدا ہوا ہوگا اور غصہ آیا ہوگا جو حاکم کے لیے مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اگر حاکم بحالت غصہ ہوگا تو پھر انصاف نہیں کر سکے گا اس سے طرف داری ہو جائے گی اس لیے آگے فرمایا ہے کہ لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر۔ اپنی خواہش کی پیروی نہ کر۔

تیسری یہ اصلاح مقصود ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں سے پوچھنا چاہیئے تھا۔ اور یہاں داؤد علیہ السلام نے صرف مدعی کا بیان سنا اور مدعا علیہ کے سکوت کو بیان بنا کر اس کے خلاف فیصلہ دے دیا اور اس کی طرف ظلم کی نسبت بھی کر دی۔ حالانکہ انہیں چاہیئے تھا کہ مدعا علیہ سے بھی پوچھتے۔ بہرحال یہ بھی لغزش تھی جسکی اصلاح فرمائی گئی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعا علیہ کی طرف ظلم کی نسبت کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اس کے بعد فرمایا ہے کہ وان کثیرا من الخلطاء لیبغی بعضھم علی بعض الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں دنبیوں کے کاروبار میں شریک تھے۔ ایک کا حصہ زیادہ تھا اور دوسرے کا کم تھا اور وہ زیادہ والا تھوڑے والے کو بالکل ہی نکالنا چاہتا تھا اور اسے کچھ نہیں دینا چاہتا تھا اور یہ یقیناً ظلم ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ

انصاف پر ہی مبنی تھا۔

پس خلاصہ اور لبِّ لباب یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں عدل و انصاف کا نظام پھیلانے کے لیے مبعوث فرمایا ہے اور اگر ان سے اس نظام کے نفاذ میں کچھ معمولی لغزش یا چوک بھی ہو جائے تو فوراً اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی یہاں اصلاح کی گئی۔

کتب تفاسیر میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بازاروں میں گھومتے تھے اور اجنبی لوگوں سے پوچھتے تھے کہ داؤد کا نظام کیسا ہے۔ شاید کہ اس تنبیہ کے بعد معمول بنایا ہوگا اور پھر چھٹی بھی ختم کی ہوگی کیونکہ نفلی عبادت سے شرعی فیصلے زیادہ اہم تھے۔ اب ہم ذیل ایک اور مقدمے کا واقعہ نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو جب اپنے فیصلے سے بہتر اپنے بیٹے کا فیصلہ نظر آیا تو اسے نافذ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اتباعِ ہوا نہیں کرتے تھے۔

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ	اور داؤد اور سلیمان جب
إِذْ يَحْكُمَانِ	وہ کھیتی کے جھگڑے میں
فِي الْحَرْثِ	فیصلہ کرنے لگے۔ جب
إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ	کہ اس میں کچھ لوگوں کی
غَنَمُ الْقَوْمِ	بکریاں رات کے وقت
وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ	جا پڑیں اور ہم اس فیصلہ
شَاهِدِينَ ۝	کو دیکھ رہے تھے۔ پھر

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمٰنَ ج	ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو
وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا	سمجھا دیا اور ہر ایک کو ہم
وَّ عِلْمًا	نے حکمت اور علم دیا تھا۔

(سورۃ الانبیا آیت ۷۸ - ۷۹)

تفسیر

یہاں سورۃ انبیاء کی دو آیتیں دی گئی ہیں۔ آیت ۷۸، اور ۷۹۔
آیت ۷۸ میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ ایک داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے فیصلہ کا بیان ہے مگر اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ دونوں نے فیصلہ الگ الگ کیا یا اکٹھے کیا یہ تفصیل نہیں ہے اور دوسرا مقدمے کی نوعیت کا بیان ہے کہ ایک کی بکریاں دوسرے کے کھیت میں پڑ گئیں۔ تیسرا یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم (اللہ تعالیٰ) ان کے فیصلوں کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

آیت ۷۹ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ پھر ہم نے سلیمان کو سمجھ دی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ کچھ اور تھا مگر اس میں کچھ کمی تھی تو سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ کمی دور کرنے کا سلیقہ عطا فرما دیا۔ آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ ہر ایک کو ہم نے سمجھ اور علم دیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ داود علیہ السلام کا فیصلہ بھی غلط نہیں تھا۔ فرق صرف پیغمبری کا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا تھا اس میں بکریوں والے کا نقصان تھا اور حضرت سلیمان نے جو فیصلہ فرمایا تھا اس میں دونوں کا فائدہ تھا۔

تفصیل اس کی امام بغوی نے حضرت ابن عباس، قتادہ اور زہری سے اس طرح نقل کی ہے کہ دو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک بکریوں والا تھا اور دوسرا کھیت والا تھا۔ کھیت والے نے بکریوں والے پر یہ دعویٰ کیا کہ اس کی بکریاں رات کو میرے کھیت میں گھس گئیں اور کھیت کو بالکل صاف کر دیا (بالکل کچھ نہیں چھوڑا)۔ غالباً مدعا علیہ نے اس کا اقرار کر لیا ہوگا۔ اور بکریوں کی پوری قیمت اس کے ضائع شدہ کھیت کی قیمت کے برابر ہوگی اس لیے حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ سنا دیا۔ کہ بکریوں والا اپنی ساری بکریاں کھیت والے کو دے دے کیونکہ جو چیزیں قیمت ہی کے ذریعہ لی اور دی جاتی ہیں جن کو عرف فقہاء میں ذوات القیم کہا جاتا ہے۔ وہ اگر کسی نے ضائع کر دی تو اس کا ضمان قیمت ہی کے حساب سے دیا جاتا ہے۔ بکریوں کی قیمت چونکہ ضائع شدہ کھیتی کی قیمت کے مساوی تھی اس لیے یہ ضابطہ کا فیصلہ فرما دیا گیا)

یہ دونوں مدعی اور مدعا علیہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت سے واپس ہوئے تو دروازہ پر ان کے صاحبزادہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تمہارے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا۔ ان لوگوں نے بیان کر دیا تو حضرت سلیمان نے فرمایا کہ اگر اس مقدمہ کا فیصلہ میں کرتا تو اس کے علاوہ کچھ اور ہوتا جو فریقین کے لیے مفید ہوتا پھر خود والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہی بات عرض کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تاکید کے ساتھ دریافت کیا کہ وہ فیصلہ کیا ہے جو دونوں کے لیے اس فیصلہ سے بہتر ہے تو حضرت

سلیمان نے کہا کہ آپ نے بکریاں تو سب کھیت والے کو دے دیں کہ وہ ان کے دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا رہے اور کھیت کی زمیں بکریوں والے کے سپرد کریں کہ وہ اس میں کاشت کر کے کھیت اگائے جب یہ کھیت اس حالت پہ آجائے جس پر بکریوں نے کھایا تھا، تو کھیت کھیت والے کو دلوا دیں اور بکریاں۔ بکریوں والے کو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس فیصلے کو پسند فرمایا اور کہا کہ بس فیصلہ یہی رہنا چاہیے اور فریقین کو بلا کر دوسرا فیصلہ نافذ کر دیا (منقول از معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

اس سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اگر قاضی کو معلوم ہو جائے کہ اس کا پہلا فیصلہ بہتری کے خلاف تھا تو اسے چاہیئے کہ اسے توڑ کر بہتر جو فیصلہ ہے وہ صادر کرے۔ اور دوسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کو جب یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا سابقہ فیصلہ غلط تھا، تو اسے چاہیئے کہ اس غلط فیصلہ کو توڑ کر صحیح فیصلہ جو ہے وہ نافذ کرے اور اپنی انا کا مسئلہ بنا کر غلط فیصلہ پر ڈٹ نہ جائے۔ کیونکہ جب عدم بہتر کو توڑ کر بہتر کو نافذ کرنا ہے تو غلط کو بطریقہ اولیٰ توڑ کر صحیح کو نافذ کرنا ہے اور تیسرا اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایسا کرنا اعلیٰ درجے کا انصاف ہے۔

حضرت محمدؐ کو عادلانہ فیصلوں کا حکم اور اسکا طریقہ

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ	بے شک ہم نے تیری
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ	طرف سچی کتاب اتاری ہے

لِتَحْكُمَ بَيْنَ	تاکہ تو لوگوں میں انصاف
النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ	کرے جو کچھ تمہیں اللہ
اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ	سمجھا دے اور تو بد دیانت
لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝	لوگوں کی طرف سے جھگڑا
وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ط	کرنے والا نہ ہو ۔ اور
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ	اللہ سے بخشش مانگ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝	بے شک اللہ بخشنے والا
وَلَا تُجَادِلْ عَنِ	مہربان ہے اور ان لوگوں
الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ	کی طرف سے مت جھگڑ
اَنْفُسَهُمْ ط اِنَّ	جو اپنے دل میں دغا رکھتے
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ	ہیں ۔ جو شخص دغاباز گنہگار
كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝	ہو بے شک اللہ اسے
يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ	پسند نہیں کرتا ۔ وہ لوگوں
النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ	سے چھپاتے ہیں اور اللہ
مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ	سے وہ نہیں چھپا سکتے
مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ	حالانکہ وہ اس وقت بھی
مَا لَا يَرْضٰى مِنَ	ان کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ
الْقَوْلِ ط وَكَانَ	رات کو چھپ کر اس
اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ	کی مرضی کے خلاف مشورہ
مُحِيْطًا ۝ هٰٓاَنْتُمْ	کرتے ہیں اور اللہ نے
هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ	ان کے تمام اعمال کا احاطہ

عَنْهُمْ فِی	کیا ہوا ہے۔ ہاں تم لوگوں
الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا قف	نے ان کی طرف سے
فَمَنْ یُّجَادِلُ	دنیاوی زندگی میں جھگڑا
اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ	کرلیا ہے۔ پھر قیامت
الْقِیٰمَةِ اَمْ مَّنْ	کے دن ان کی طرف سے
یَّکُوْنُ عَلَیْهِمْ	کون جھگڑا کرے گا یا ان
وَکِیْلًا ٥ وَمَنْ	کا وکیل کون ہوگا۔ اور جو
یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ	کوئی برا فعل کرے یا اپنے
یَظْلِمْ نَفْسَهٗ	نفس پر ظلم کرے پھر اس
ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ	کے بعد اللہ سے بخشوائے
یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا	تو اللہ کو بخشنے والا مہربان
رَّحِیْمًا ٥ وَمَنْ	پائے۔ اور جو کوئی گناہ
یَّکْسِبْ اِثْمًا	کرتا ہے سو اپنے ہی حق
فَاِنَّمَا یَکْسِبُهٗ	میں کرتا ہے۔ اور اللہ
عَلٰی نَفْسِهٖ ط وَکَانَ	سب باتوں کو جاننے والا
اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ٥	حکمت والا ہے اور جو
وَمَنْ یَّکْسِبْ	کوئی خطا یا گناہ کرے
خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا	پھر کسی بے گناہ پر تہمت
ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ	لگائے تو اس نے بڑے
بَرِیْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ	بہتان اور صریح گناہ کا
بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ٥	بار سمیٹ لیا اور اگر تجھ

وَلَوْلَا فَضْلُ	پر اللہ کا فضل اور اس
اللّٰہِ عَلَیْكَ وَرَحْمَتُهٗ	کی رحمت نہ ہوتی تو ان
لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ	میں سے ایک گروہ نے
مِّنْهُمْ اَنْ	تمہیں غلط فہمی میں مبتلا
يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا	کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا
يُضِلُّوْنَ اِلَّآ	حالانکہ وہ اپنے سوا کسی
اَنْفُسَهُمْ وَمَا	کو غلط فہمی میں مبتلا نہیں
يَضُرُّوْنَكَ مِنْ	کر سکتے اور وہ تمہارا کچھ
شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ	نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ
اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ	نے تجھ پر کتاب اور حکمت
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ	نازل کی ہے اور تجھے وہ
مَا لَمْ تَكُنْ	باتیں سکھائی ہیں جو تو نہ
تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ	جانتا تھا اور اللہ کا تجھ
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا	پر بڑا فضل ہے۔

(سورۃ النساء آیت ۱۰۵ تا ۱۱۳)

تفسیر

ان آیات کا شانِ نزول ترمذی نے یہ نقل کیا ہے کہ بشیر نامی ایک شخص نے اور ابن جریر نے طعمہ نام نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت رفاعہ کے گھر سے گندم کا آٹا اور اسلحہ رات کے وقت چرایا اور حضرت رفاعہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ

کو ساتھ لے کر تلاش شروع کی تو اس مذکورہ شخص پر شک گزرا۔ اور جب اسے علم ہوا کہ یہ لوگ تو مجھ پر شک کر رہے ہیں۔ تو خود حضرت رفاعہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو ہم پہ غلط شبہ ہو گیا ہے۔ یہ کام تو در اصل لبید بن سہل کا ہے۔ اور یہ بڑے نیک اور بزرگ صحابی تھے انہیں پتہ چلا کہ یہ لوگ چوری کا الزام مجھ پہ ڈال رہے ہیں تو تلوار لے کر نکل آئے اور فرمایا کہ جب تک اس چوری کی حقیقت واضح نہیں ہو گی اس وقت تک تلوار نیام میں نہیں رکھوں گا۔ اور بشیر یا طعمہ نے جب یہ حال دیکھا تو مال مسروقہ اٹھا کر ایک یہودی کے گھر میں بطور امانت رکھ دیا اور ہوشیاری یہ کی کہ حضرت رفاعہ کے گھر سے لے کر اس یہودی کے گھر تک تھوڑا تھوڑا آٹا بکھیر دیا۔ اور تفتیش کے بعد یہ مال مسروقہ جب اس یہودی کے گھر سے برآمد ہوا تو اس نے قسم اٹھا کر کہا کہ یہ مال تو بشیر یا طعمہ نے میرے پاس بطور امانت رکھا ہے اور حضرت رفاعہ بشیر یا طعمہ کے خلاف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکایت کر چکے تھے۔ اور بشیر یا طعمہ نے آ کر آپ سے کہا کہ ان لوگوں نے ہماری طرف غلط نسبت کی ہے۔ چوری تو فلاں یہودی نے کی ہے اور اس کے گھر سے سامان مسروقہ بھی برآمد ہو چکا ہے۔ اب جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رفاعہ کو بلا کر ڈانٹ دیا کہ تم نے بے قصور پر الزام لگایا ہے۔ اور اس یہودی کا ہاتھ کاٹنے کا پروگرام بنایا۔ حضرت رفاعہ کو بڑا افسوس ہوا کہ میں نے حضور کے سامنے یہ واقعہ کیوں بیان کیا۔ نہ کرتا تو اچھا ہوتا۔ اور پھر صبر کیا اور دعا مانگی۔ واللہ المستعان۔

اس معاملہ پہ کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ یہ آیات نازل ہو گئیں۔ ان

آیات میں چوری کا راز منکشف ہو گیا کہ چور یہودی نہیں ہے بشیر یا طعمہ ہے تو پھر اس کی برادری بنو ابیرق مال مسروقہ لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مال حضرت رفاعہ کو واپس دیا۔ وہ اصل چور بشیر نامی فرار ہو کر مکہ چلا گیا اور مشرکین کے ساتھ مل گیا اور ایک عورت کے مکان میں ٹھہرا مگر جب اس عورت کو پتہ چلا کہ یہ تو ایسا چور ہے تو اس نے اُسے نکال دیا۔ پھر اس نے ایک اور شخص کے مکان میں نقب لگائی تو اس کے مکان کی دیوار گر گئی اور وہ وہیں دب کر مر گیا۔ پیغمبرِ اسلام کی مخالفت کا یہ نتیجہ نکلا۔

بہرحال یہ تو ایک واقعہ ہے جس کے بارے میں یہ آیات اتری ہیں مگر تمام مفسّرین کے نزدیک یہ مانا ہوا اصول ہے کہ بعض آیات کا شانِ نزول تو خاص ہوتا ہے لیکن حکم عام ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید تمام بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کے لیے نازل فرمایا گیا ہے۔ یہ کسی خاص طبقہ کے لیے مخصوص نہیں ہے۔

اسی طرح ان آیات میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایات دی گئی ہیں۔ یہ آپ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ یہ ہدایات ان تمام حکام کے لیے ہیں جو اس عدل و انصاف کے منصب پر فائز ہوں۔ اور وہ ہدایات تیرہ ہیں۔

پہلی ہدایت یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی سچی کتاب ہے۔ یہ کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یا کسی اور کی بنی ہوئی نہیں ہے۔ یہ مضمون انا انزلنا الیک الکتب

بالحق میں بیان فرمایا ہے۔

دوسری ہدایت یہ ہے کہ اس کتاب کے نازل کرنے کا مقصد لوگوں کے مابین بلا امتیاز حق و انصاف سے فیصلہ کرنا ہے۔ مسلم یا غیر مسلم۔ قوم یا برادری کا لحاظ نہیں کرنا۔ یہ مضمون لتحکم بین الناس سے معلوم ہوا۔

تیسری ہدایت یہ ہے کہ آپ اس کے موافق فیصلہ کیا کریں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے اس سے مراد وحی ہے اور آپ پر جو وحی اتاری گئی تھی وہ دو قسم کی تھی۔ ایک وحی جلی جیسے قرآن مجید۔ اور دوسری وحی خفی تھی۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ وحی جلی کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور مضامین بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اور وحی خفی کے مضامین تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور الفاظ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے جب کہ وحی خفی کا مضمون اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ وحی خفی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ ایک ڈاک خانہ کے بابو کے پاس جب کوئی تار کا مضمون لکھ کر لے جاتا ہے تو وہ بابو من وعن وہ مضمون دوسرے ڈاک خانے کے بابو کے پاس نہیں پہنچاتا بلکہ وہ اپنے الفاظ میں اس مضمون کو ترتیب دے کر اس دوسرے تک پہنچائے گا اور پھر وہ اپنے الفاظ میں اس کو ترتیب دے کر مرسل الیہ تک پہنچا ئیگا مگر اب یہ کوئی نہیں کہتا کہ فلاں ڈاک خانے کے بابو کا تار آیا ہے بلکہ اصل مرسل کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے جس کا وہ مضمون ہے

اسی طرح یہاں احادیث کے معاملہ میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ احادیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں کیونکہ وہ مضامین اس کی طرف ہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالےٰ نے آپ کو اجتہاد کا بھی اختیار دیا ہوا تھا، کہ آپ اپنے اجتہاد سے فیصلے کریں۔ یہ تینوں مضامین (وحی جلی، اور اجتہاد) بما اراك الله سے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر آپ کے اجتہاد کی حیثیت بھی عام مجتہدین کے اجتہاد جیسی نہیں تھی کہ جس میں غلطی کا احتمال بھی ہو بلکہ جہاں اجتہاد میں آپ کو غلطی لگ جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ آگاہ فرما دیتے تھے۔

جیسا کہ اس کی ایک مثال یہی واقعہ ہے کہ آپ نے پہلے یہودی کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ بظاہر قرائن ہی بتا رہے تھے کہ یہودی کے گھر تک آٹا جانے کی علامات بھی پائی گئی تھیں اور سامان مسروقہ بھی اسی کے گھر سے برآمد ہوا تھا مگر ابھی آپ نے یہودی کا ہاتھ کاٹنے کی سزا پر عمل نہیں کیا تھا کہ فوراً وحی اُتر آئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہودی بے قصور ہے تو اب سزا نافذ ہونی تھی اصل مجرم پر جس کا نام طعمہ یا بشیر لکھا ہے تو وہ مدینہ سے فرار ہو گیا۔

اسی طرح کی اور بھی کئی مثالیں ہیں جہاں آپ کو اجتہاد میں غلطی لگی تو اللہ تعالیٰ نے وحی سے آپ کو آگاہ فرمایا ہے مگر طوالت سے بچنے کے لیے ہم صرف اس ایک پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور جہاں آپ کا اجتہاد صحیح ہوتا تھا وہاں وحی نہیں آتی تھی۔ اس سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ اجتہاد صحیح ہے بہرحال یہ سارا مضمون بما اراك الله سے نکلتا ہے

چوتھی ہدایت آپ کو یہ تھی کہ آپ خیانت کرنے والوں کی طرفداری

نہ کریں ۔ اور یہ مضمون ولا تکن للخائنین خصیما
سے واضح ہوتا ہے ۔ آپ نے قصداً اگرچہ خائنین کی طرف داری تو نہیں کی
تھی لیکن انہوں نے آپ کو دھوکہ دیا تھا جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اور
آپ نے مالکوں کو ڈانٹ دیا تھا کہ تم نے ان پر کیوں الزام لگایا ہے حالانکہ چور
تو یہودی ہے تو اس طرح ان کی طرف داری بن گئی تو اللہ تعالےٰ نے آپ
کو آگاہ فرما دیا ۔

اور آپ کو پانچویں ہدایت یہ دی گئی ہے کہ اجتہاد بما اراک اللہ
کی روشنی میں ہونا چاہیئے ۔ یعنی وحی جلی اور خفی کے تحت دلالت النص ،
اشارۃ النص یا اقتضاء النص سے مسئلہ معلوم کرنا ہے ۔ اپنی ذاتی رائے
سے نہ ہو ۔ کیونکہ یہ اتباع ہوا ہو جاء ۔ اور جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
کا فرمان ہے کہ من قال فی القرآن برائہ فلیتبوأ
مقعدہ من النار ، جو قرآن میں اپنی رائے سے بات کرے گا وہ
اپنا ٹھکانہ آگ میں تلاش کرے ۔

چھٹی ہدایت آپ کو یہ دی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں ۔
اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔ وہ آپ کو معاف کر دیگا لیکن سوال یہ ہے
کہ کس بات کی معافی مانگیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جو آپ سے
خطا اجتہادی ہو گئی تھی اس پر معافی مانگنے کا حکم ہے ۔ اور آیت ۱۰۷
ولا تکن للخائنین خصیما کی تاکید مزید ہے کہ آپ
دغابازوں کی طرف سے جھگڑا مت کریں وہ لوگ اللہ تعالےٰ کو اچھے
نہیں لگتے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ خائنین اور جرائم پیشہ لوگوں کی طرف
سے وکالت بھی ناجائز ہے اور جب نبی کے لیے اس وکالت کی اجازت

ہے کہ ایسے خائنین اللہ سے اپنے عیوب چھپاتے ہیں لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالےٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس نے ان کے تمام اعمال کو گھیرا ہوا ہے۔ اور آیت ۱۰۹ میں یہ فرمایا ہے کہ اگر دنیا میں کسی نے ان کی طرف سے جھگڑا کر بھی لیا تو قیامت میں تو ان کی طرف سے کوئی وکالت نہیں کر سکے گا۔ اور آیت ۱۱۰ میں یہ بتایا ہے کہ گناہ کے بعد اگر کوئی معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں۔ اور آیت ۱۱۱ میں یہ بتایا ہے کہ اگر وہ معافی نہ مانگے تو اس کے گناہ کا وبال اس پر پڑے گا۔ اور آیت ۱۱۲ میں یہ بتایا ہے کہ اگر کوئی گناہ کر کے دوسرے پر الزام لگائے تو اس کا وبال بھی اس پر پڑے گا۔ اور آیت ۱۱۳ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر یہ فضل اور رحم ہو گیا ہے کہ اس نے آپ کے ہاتھ کو ظلم سے بچا لیا ہے ورنہ ان منافقین نے تو آپ کو فریب دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور پھر خود ہی پروپیگنڈا کرتے کہ یہ کیسا نبی ہے جو بے قصوروں پر شرعی حد نافذ کرتا پھرتا ہے۔ سچے اور جھوٹے میں امتیاز نہیں کر سکتا۔

بہر حال یہ عدل و انصاف کا اعلیٰ ترین اور فقید المثال نمونہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے بے شعوری میں بھی ظلم صادر نہیں ہونے دیا اور پھر یہودی جو ایک کافر اور مشرک تھا اس پر بھی زیادتی نہیں ہونے دی۔ اور اسے سزا سے بچا لیا۔ اور یہ واقعہ جو چوری کے متعلق ہے اس کا ذکر احادیث میں ہے جو ان آیات کے شان نزول کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ قرآن مجید کی ان آیات میں چوری کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان آیات میں جو عدل و انصاف

کا حکم ہے یہ عام ہے۔ صرف چوری کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور اگر چوری کا ذکر کر دیا جاتا تو حکم عدل چوری کے ساتھ مخصوص ہو جاتا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ	اور ہم نے تجھ پر سچی کتاب
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ	اتاری جو اپنے سے پہلی
مُصَدِّقًا لِّمَا	کتابوں کی تصدیق کرنے
بَيْنَ يَدَيْهِ	والی ہے۔ اور ان کے
مِنَ الْكِتٰبِ	مضامین پر نگہبانی کرنے
وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ	والی ہے۔ سو تو ان میں
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ	اس کے موافق حکم کر جو
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ	اللہ نے اتارا ہے۔ اور
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ	ان کی خواہشات کی پیروی
عَمَّا جَآءَكَ	نہ کر اس لیے کہ تیرے
مِنَ الْحَقِّ ط	پاس حق آگیا ہے۔ ہم نے
لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ	تم میں سے ہر ایک کے
شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا	لیے ایک شریعت اور
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ	ایک واضح راہ مقرر کر دی
لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً	ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تم
وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ	سب کو ایک ہی امت
لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ	بنا دیتا لیکن وہ تمہیں اپنے
مَآ اٰتٰكُمْ	دیئے ہوئے حکموں میں
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط	آزماتا ہے۔ لہٰذا نیکیوں میں

إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ
جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ
تَخْتَلِفُونَ ۝ وَأَنِ
احْكُمْ بَيْنَهُمْ
بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ
وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ
وَاحْذَرْهُمْ أَنْ
يَفْتِنُوكَ عَنْ
بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ
إِلَيْكَ ط فَإِنْ
تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ
أَنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ
أَنْ يُصِيبَهُمْ
بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ط
وَإِنَّ كَثِيرًا
مِنَ النَّاسِ
لَفَاسِقُونَ ۝ أَفَحُكْمَ
الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۝
وَمَنْ أَحْسَنُ
مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا

ایک دوسرے سے بڑھنے
کی کوشش کرو۔ تم سب
کو اللہ کے پاس پہنچنا ہے
پھر تمہیں جتائے گا جس
میں تم اختلاف کرتے
تھے اور کہ تم اس کے موافق
حکم کرو جو اللہ نے اتارا
ہے اور ان کی خواہشوں
کی پیروی نہ کر۔ اور ان
سے بچتا رہ کہ تجھے کسی
ایسے حکم سے بہکا نہ دیں جو
اللہ نے تیری طرف اتارا
ہے۔ پھر اگر یہ منہ موڑ لیں
تو جان لو کہ اللہ کا ارادہ
انہیں ان کے بعض گناہوں
کی پاداش میں مصیبت میں
مبتلا کرنے کا ہے۔ اور
بے شک ان لوگوں میں
بہت سے نافرمان ہیں تو
کیا پھر جاہلیّت کا فیصلہ چاہتے
ہیں۔ حالانکہ جو لوگ یقین

لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (سورۃ المائدہ آیت ۴۸ تا ۵۰)

رکھنے والے ہیں ان کے ہاں اللہ سے بہتر کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔

تفسیر

اس سے پہلے سورۃ نساء کی آیات متعلقہ عدل وانصاف کی تشریح بیان ہوئی ہے ان میں تو قرآن مجید کے نزول کا مقصد بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں میں عدل وانصاف کے فیصلے کریں۔ اور یہاں سورۃ مائدہ کی آیات ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ چیزیں بتائی ہیں۔

پہلی چیز یہ ہے کہ قرآن مجید پہلی کتابوں کا مُصدِّق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جتنے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ہیں اور ان میں جو عقائد اور اصول وضوابط بیان فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی وہی عقائد اور اصول وضوابط ہیں اور ان اصولوں میں سے عدل وانصاف بھی ہے اور یہ قرآن مجید کے نازل کرنے سے پہلے لوگوں نے ان اصولوں کو نظر انداز کر دیا تھا اور اب آپ پر یہ نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان اصولوں کا احیا فرمائیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں دو مرتبہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کتاب کے موافق فیصلہ کرنیکا حکم دیا ہے۔

تیسری چیز آپ کو دو مرتبہ لوگوں کی خواہشات کی اتباع سے

روکا گیا ہے اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ چونکہ وہ لوگ اللہ تعالےٰ کے دین قانون اور نظام کو پسند نہیں کرتے اس لیے وہ تجھے بھی اس سے روکنا چاہتے ہیں۔

چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ اگر یہ لوگ آپ کے نافذ کردہ فیصلے نہیں مانیں گے تو پھر اس کی سزا خدا خود ان کو دے گا۔ کیونکہ ان لوگوں کی اکثریت جرائم پیشہ کی ہے۔

پانچویں چیز یہ بیان فرمائی کہ جاہلیت کے فیصلے اب ان کو نہیں تلاش کرنا چاہیئے۔ یعنی نظام اسلام کے اترنے سے پہلے لوگوں نے اپنے مابین جھگڑے ختم کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی اصول تو بنائے ہوئے تھے مگر وہ جاہل قسم کے انسانوں کے خود ساختہ تھے۔

چھٹی چیز یہ بتائی کہ قرآن مجید جو ہے یہ تو رب العلمین کا نازل کردہ ہے جو سراپا عدل ہے اور لوگوں کے مابین فیصلوں کے لیے اس سے اچھی کوئی کتاب نہیں ہے۔ اور اس سے ثابت ہوا کہ آج دنیا میں جو بھی نظام مروج ہیں وہ سب ظالمانہ اور جاہلانہ ہیں اور قرآن مجید کے عادلانہ نظام کو چھوڑ دیا ہے اس لیے پوری دنیا قعر مذلت میں گر گئی ہے۔ یہ وہی نظام عدل ہے کہ جس پر عمل کرا کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گری ہوئی قوم کو اونچا کیا۔ اور آج یہ وہی قوم ہے جو اس قرآن کو چھوڑ کر ذلیل وخوار ہو گئی ہے۔

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ	کہہ دو میں اس کتاب پر ایمان
اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ	لایا ہوں جو اللہ نے اتاری۔
کِتٰبٍ ج وَاُمِرْتُ	اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمہارے

لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ	درمیان انصاف سے فیصلہ
اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ	کروں۔ اللہ ہمارا اور تمہارا
لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ	رب ہے۔ ہمارے اعمال
أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ	ہمارے لیے اور تمہارے
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ	اعمال تمہارے لیے۔ ہمارے
اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا	درمیان اور تمہارے درمیان
وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ	کوئی جھگڑا نہیں ہے اللہ ہم
(سورۃ شعراء آیت ۱۵)	سب کو جمع کرے گا اسی
	کی طرف لوٹنا ہے۔

تفسیر

اس آیت میں سات چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ آپ اعلان کریں کہ میں اللہ کی کتاب مانتا ہوں اور آپ کی وساطت سے امت کو حکم ہے کہ صرف اللہ کی کتاب کے احکام مانو اور کسی حکومت کا قانون نہ مانو۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ اعلان کرو کہ میں اس کتاب کے ذریعے تمہارے درمیان انصاف سے فیصلے کروں گا۔ ان فیصلوں کو مانو۔ پہلا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ ہم سب کا رب ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بعض لوگ انبیاء پیروں اور مولویوں کو رب مانتے تھے اس نظریہ کی تردید ہے۔ اور دوسرا فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ یہ بھی ایک غلط

نظریہ کی تردید ہے۔ بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ برے لوگوں کے گناہ نیک لوگوں پر ڈالے جاتے ہیں جیسا کہ عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے تاقیامت ہونے والے گناہ حضرت عیسی علیہ السلام پر ڈال دیئے گئے ہیں۔ اور تیسرا فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے اور چوتھا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا۔ اور پانچواں فیصلہ یہ ہے کہ ہم سب نے اس کی طرف لوٹنا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے درمیان عقائد، مذہبی اور دنیاوی فیصلوں کے لیے مبعوث فرمایا ہے اور آپ عدل و انصاف کا پیکر ہیں۔

مسلم حکام کو عادلانہ فیصلوں کا حکم

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ	بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں
اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ	حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت
اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا	والوں کو پہنچا دو۔ اور
حَكَمْتُمْ بَيْنَ	جب لوگوں کے درمیان
النَّاسِ اَنْ	فیصلہ کرو تو انصاف
تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ	سے فیصلہ کرو بے شک
اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا	اللہ تمہیں نہایت اچھی
يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ	نصیحت کرتا ہے بیشک
كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝	اللہ سننے والا دیکھنے

(سورۃ النساء آیت ۵۸) والا ہے۔

آیت کا شانِ نزول

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول ایک خاص واقعہ ہے کہ کعبہ کی خدمت اسلام سے پہلے بھی بڑی عزت سمجھی جاتی تھی اور جو لوگ بیت اللہ کی کسی خاص خدمت کے لیے منتخب ہوتے تھے وہ پوری قوم میں معزز اور ممتاز مانے جاتے تھے۔ اسی لیے بیت اللہ کی مختلف خدمتیں مختلف لوگوں میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ زمانہ جاہلیت سے ایام حج میں حجاج کرام کو زمزم کا پانی پلانے کی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رض کے سپرد تھی جس کو سقایہ کہا جاتا تھا۔ اسی طرح اور بعض خدمتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے چچا ابوطالب کے سپرد تھیں۔ اسی طرح بیت اللہ کی کنجی رکھنا اور ایام حج میں کھولنا اور بند کرنا عثمان بن طلحہ سے متعلق تھا۔ عثمان بن طلحہ کا اپنا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم پیر اور جمعرات کے روز بیت اللہ کو کھولا کرتے تھے۔ اور لوگ اس میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ ہجرت سے ایک روز پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے کے لیے تشریف لائے (اس وقت تک عثمان بن طلحہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے) انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر جانے سے روکا اور انتہائی ترشی دکھائی۔ آپ نے بڑی بردباری کے ساتھ اس کے سخت کلمات کو برداشت کیا۔ پھر فرمایا۔ اے عثمان شاید تم ایک روز یہ بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے۔ جبکہ

مجھے اختیار ہوگا کہ جس کو چاہوں سپرد کردوں۔ عثمان بن طلحہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوگیا تو قریش ہلاک اور ذلیل ہوجائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں۔ اس وقت قریش آباد اور عزت والے ہوجائیں گے۔ آپؐ یہ کہتے ہوئے بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد جب میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو مجھے یقین سا ہوگیا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ ہو کر رہے گا۔

میں نے اسی وقت مسلمان ہونے کا ارادہ کر لیا لیکن میں نے اپنی قوم کے تیور بدلے ہوئے پائے۔ وہ سب کے سب مجھے سخت ملامت کرنے لگے۔ اس لیے میں اپنے ارادہ کو پورا نہ کرسکا۔ جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر بیت اللہ کی کنجی طلب فرمائی میں نے پیش کردی۔ بعض روایات میں ہے کہ عثمان بن طلحہ کنجی لے کر بیت اللہ کے اوپر چڑھ گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور زبردستی کنجی ان کے ہاتھ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی۔ بیت میں داخلہ اور وہاں نماز پڑھنے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو پھر مجھ کو کنجی واپس کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ لو اب یہ کنجی ہمیشہ تمہارے ہی خاندان کے پاس تاقیامت رہے گی۔ جو شخص تم سے یہ کنجی لے گا وہ ظالم ہوگا۔ مقصد یہ تھا کہ کسی دوسرے شخص کو اس کا حق نہیں کہ تم سے یہ کنجی لے لے۔ اس کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی کہ بیت اللہ کی اس خدمت کے صلہ میں جو مال مل جائے اس کو شرعی قاعدہ کے موافق استعمال کرو۔

عثمان بن طلحہ کہتے ہیں کہ جب میں کنجی لے کر خوشی خوشی چلنے لگا تو آپؐ نے پھر مجھے آواز دی اور فرمایا۔ کیوں عثمان جو بات میں نے

کہی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں ؟ اب مجھے وہ بات یاد آگئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے فرمائی تھی کہ ایک روز تم یہ کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے۔ میں نے عرض کیا کہ بے شک آپکا ارشاد پورا ہوا۔ اور اسی وقت میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

مظہری بروایت ابن سعد، حضرت فاروق اعظم عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو یہ آیت آپ کی زبان پر تھی۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا۔ اس سے پہلے میں نے یہ آیت کبھی آپ کی زبان سے نہ سُنی تھی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت جوف خانہ کعبہ میں نازل ہوئی تھی۔ اسی آیت کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ عثمان بن طلحہ کو بلا کر کنجی ان کے سپرد کی۔ کیونکہ عثمان بن طلحہ نے جب یہ کنجی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی تو یہ کہہ کر دی تھی کہ میں یہ امانت آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اگرچہ ضابطہ کی رُو سے اس کا یہ کہنا صحیح نہ تھا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح کا اختیار تھا کہ جو چاہیں کریں۔ لیکن قرآن کریم نے صورت امانت کی رعایت فرمائی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ہدایت فرمائی کہ کنجی عثمان بن طلحہ ہی کو واپس فرمادیں۔ حالانکہ اس وقت حضرت عباس، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ جسطرح بیت اللہ کی خدمت سقایہ اور سدانہ ہمارے پاس ہے۔ یہ کنجی بھی برادری کی خدمت کے لیے ہمیں عطا فرما دیجئے۔ مگر آیت مذکورہ کی ہدایت کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست رد کر کے کنجی عثمان

بن طلحہ کو واپس فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

یہاں تک آیت کے شانِ نزول پر کلام تھا۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آیت کا شانِ نزول ایک خاص واقعہ ہوتا ہے لیکن حکم عام ہوتا ہے جس کی پابندی پوری امت کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اب اس کے معنی اور مطلب سنئے۔ ارشاد ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے، کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہنچایا کرو۔ اس حکم کا مخاطب ایک عام مسلمان بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ خاص حکام اور امراء مخاطب ہوں اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ ہر وہ شخص مخاطب ہے جو کسی امانت کا امین ہے۔ اس میں عوام بھی داخل ہیں اور حکام بھی۔ حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں کوئی امانت ہے اس پر لازم ہے کہ یہ امانت اس کے اہل اور مستحق کو پہنچا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائیگی امانت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ دیا ہو اور اس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو۔ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ ۔ یعنی جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں۔ اور جس شخص میں معاہدہ کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔ (یہ روایت بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ خیانت نفاق کی علامت ہے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز نفاق کی

علامتیں بتلاتے ہوئے ایک علامت یہ بتلائی کہ جب امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے

امانات کی قسمیں

اس جگہ یہ بات غور طلب ہے کہ قرآن حکیم نے لفظ امانات بصیغۂ جمع استعمال فرمایا ہے جس میں اشارہ ہے کہ امانت صرف یہی نہیں کہ کسی کا کوئی مال کسی کے پاس رکھا ہوا ہو جس کو عام طور پر امانت کہا اور سمجھا جاتا ہے بلکہ امانت کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں۔ جو واقعہ ابھی آیت کے نزول کا ذکر کیا گیا ہے خود اس میں بھی کوئی امانت نہیں۔ بیت اللہ کی کنجی کوئی خاص مال نہ تھا۔ بلکہ یہ کنجی خدمت بیت اللہ کے ایک عہدہ کی نشانی تھی۔ ا

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ عزل و نصب کے اختیارات ہیں ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کریں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے۔ بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور عہدہ کے لیے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔ پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے لحاظ سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اسکو ترجیح دی جائے۔ ایک اور حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی اور تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کیئے ہوئے دیدیا اس پہ اللہ کی لعنت ہے۔ نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔ (جمع الفوائد ص ۳۲۵)

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لیے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول کی اور مسلمانوں کی۔ آج جہاں بھی نظامِ حکومت کی ابتری نظر آتی ہے وہ سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہے کہ تعلقات سفارشوں اور رشوتوں سے عہدے تقسیم کئے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور ناقابل لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلقِ خدا کو پریشان کرتے ہیں اور سارا نظامِ حکومت برباد ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ یعنی جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کر دی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں تو (اب فساد کا کوئی علاج نہیں) قیامت کا انتظار کرو (یہ ہدایت صحیح بخاری کتاب العلم میں ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے لفظ امانات بصیغہ جمع لا کر اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ امانت صرف اسی کا نام نہیں کہ ایک شخص کا مال دوسرے شخص کے پاس بطور امانت رکھا ہو۔ بلکہ امانت کی بہت سی قسمیں ہیں جس میں حکومت کے عہدے بھی داخل ہیں۔ ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المجالس بالامانۃ۔ یعنی

مجلسیں امانت داری کے ساتھ ہونی چاہیئں۔ مطلب یہ ہے کہ جو بات مجلس میں کہی جائے وہ اسی مجلس کی امانت ہے۔ ان کی اجازت کے بغیر اس کو دوسروں سے نقل کرنا اور پھیلانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے: اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ۔ یعنی جس شخص سے کوئی مشورہ لیا جائے وہ امین ہے۔ اس پر لازم ہے کہ مشورہ وہی دے جو اس کے نزدیک مشورہ لینے والے کے حق میں مفید اور بہتر ہو اگر جانتے ہوئے خلاف مشورہ دیا تو امانت میں خیانت کا مرتکب ہوگا۔ اسی طرح کسی نے آپ سے اپنا راز کہا تو وہ اس کی امانت ہے بغیر اس کی اجازت کے کسی سے کہہ دینا خیانت ہے۔ آیت مذکورہ میں ان سب امانتوں کا حق ادا کرنے کی تاکید ہے۔ یہاں تک پہلی آیت کے ابتدائی جملہ کی تفسیر تھی۔ آگے پہلی آیت کے دوسرے جملہ کی تفسیر ہے۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ یعنی جب تم لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو عدل وانصاف کے ساتھ کیا کرو۔ اس کا خطاب حکام اور امراء کو ہے جو خصومات ومقدمات کا فیصلہ کیا کرتے ہیں۔ اور اسی قرینہ سے بعض حضرات نے پہلے جملہ کا مخاطب بھی حکام اور امراء کو قرار دیا ہے۔ اگرچہ پہلے جملہ کی طرح اس میں بھی گنجائش اس کی موجود ہے۔ کہ حکام وعوام دونوں اس خطاب میں شامل ہوں۔ کیونکہ عوام میں اکثر فریقین کسی کو ثالث بنا کر فیصلہ کر دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح جھگڑوں کا فیصلہ کرنا عوام میں بھی پایا جاسکتا ہے۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ اوّل نظر میں ان دونوں جملوں کے مخاطب اوّل حکام اور امراء ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے کہا جاسکتا

ہے کہ ان کے مخاطب اوّل حکام اور امراء ہیں۔ اور ثانیاً یہ خطاب ہر اس شخص کے لیے بھی ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہوں۔ اور جس کو کسی مقدمہ کا ثالث بنا دیا جائے۔ اور اس جملہ میں حق تعالیٰ نے بین النّاس فرمایا ہے۔ بین المسلمین یا بین المؤمنین نہیں فرمایا۔ اس میں ارشاد فرما دیا کہ مقدمات کے فیصلوں میں سب انسان مساوی ہیں۔ مسلم یا غیر مسلم، دوست ہوں یا دشمن، اپنے ہم وطن، ہم رنگ، ہم زبان یا غیر، فیصلہ کرنے والوں کا فرض ہے کہ ان تعلقات سے الگ ہو کر جو بھی حق و انصاف کا تقاضا ہو وہ فیصلہ کریں۔ غرض آیت کے پہلے جملہ میں ادائے امانات کا حکم ہے اور دوسرے میں عدل و انصاف کا۔ ان میں ادائے امانات کو مقدم کیا گیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پورے ملک میں عدل و انصاف کا قیام اس کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ کہ جس کے ہاتھ میں ملک کا اقتدار ہے وہ پہلے ادائے امانات کا فریضہ صحیح طور پر ادا کریں۔ یعنی حکومت کے عہدوں پر صرف انہی لوگوں کو مقرر کریں جو صلاحیت کار اور امانت و دیانت کی رُو سے اس عہدہ کے لیے سب سے زیادہ بہتر نظر آئیں۔ دوستی اور تعلقات یا محض سفارش یا رشوت کو اس میں راہ نہ دیں ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ نااہل، ناقابل یا خائن اور ظالم لوگ عہدوں پر قابض ہو جائینگے پھر اکثر ارباب اقتدار دل سے بھی یہ چاہیں کہ ملک میں عدل و انصاف کا رواج ہو تو یہ ان کے لیے ناممکن ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ عہدہ داران حکومت ہی حکومت کے ہاتھ اور پیر ہیں۔ جب یہ خائن یا ناقابل ہوئے تو عدل و انصاف قائم کرنیکی کیا راہ ہے۔

اس آیت میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس

میں حق جل شانہٗ نے حکومت کے عہدوں کو بھی امانت قرار دیکر اوّل تو یہ واضح فرمادیا کہ جس طرح امانت صرف اس کو ادا کرنا چاہیئے جو اس کا مالک ہے۔ کسی فقیر مسکین پر رحم کھا کر کسی کی امانت اس کو دینا جائز نہیں۔ اس طرح حکومت کے عہدے جن کے ساتھ عام خلق خدا کا کام متعلق ہوتا ہے یہ بھی امانتیں ہیں۔ اور ان امانتوں کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو اپنی صلاحیت اور قابلیت و استعداد کے اعتبار سے بھی اس عہدے کے لیے مناسب اور موجودہ لوگوں میں سب سے بہتر ہوں۔ اور دیانت اور امانت کے اعتبار سے بھی سب میں بہتر ہوں ان کے سوا کسی دوسرے کو یہ عہدہ سپرد کر دیا تو یہ امانت ادا نہ ہوں گی۔

دستورِ مملکت کے چند زرّیں اصول

اس طرح اس مختصر آیت میں دستور مملکت کے چند بنیادی اصول آ گئے جو مندرجہ ذیل ہیں۔ اوّل یہ ہے کہ پہلا جملہ ان اللہ یامرکم سے شروع فرما کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ اصل حکم اور امر اللہ تعالےٰ کا ہے۔ سلاطین دنیا سب اسکے مامور کردہ ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ملک میں اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اور دوسرا اصول یہ ہے کہ حکومت کے عہدے باشندگانِ ملک کے حقوق نہیں جن کو تناسب آبادی کے اصول پر تقسیم کیا جائے بلکہ اللہ کی طرف سے دی ہوئی امانتیں ہیں جو ان کے اہل اور لائق کو دیئے جا سکتے ہیں۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ زمین پر انسان کی حکمرانی صرف ایک نائب وامین کی حیثیت سے ہو سکتی ہے۔ وہ ملک کی قانون سازی میں اس اصول کا پابند رہے گا جو حاکم مطلق حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی بتلا دیئے گئے ہیں۔

اور چوتھا اصول یہ ہے کہ حکام امراء کا فرض ہے کہ جب کوئی مقدمہ ان کے پاس آئے تو نسل و وطن، رنگ و زبان یہاں تک کہ مذہب و مسلک کا امتیاز کئے بغیر عدل وانصاف کا فیصلہ کرے۔
اس آیت میں دستور مملکت کے زرّیں اصول بتلا کر آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے تم کو جو نصیحت کی ہے وہ بہت ہی اچھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی سنتا ہے اور جو بولنے اور فریاد کرنے پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو اس کے حالات کو خود دیکھتا ہے۔ اس لیے اس کے بتلائے ہوئے اور بنائے ہوئے اصول ہی ایسے ہیں جو ہمیشہ ہر ملک میں اور ہر دور میں قابلِ عمل ہو سکتے ہیں۔ انسان کے بنائے ہوئے اصول و دستور اپنے ماحول کے اندر محدود ہوا کرتے ہیں اور تغیّر حالات کے بعد ان کا بدلنا ناگزیر ہوتا ہے۔

(اس آیت کریمہ کی پوری تفسیر معارف القرآن مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سے نقل کی گئی ہے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا عدل

حضرت عُروہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فتح مکہ کے موقع پر چوری کی، اس عورت کی قوم گھبرائی ہوئی حضرت اُسامہ بن زیدؓ کے پاس پہنچی اور ان سے سفارش کی درخواست کی حضرت عُروہؓ کہتے ہیں کہ جب حضورؐ سے اس عورت کے بارے میں حضرت اسامہؓ نے گفتگو کی، آپؐ کے چہرۂ مبارک کا رنگ (مارے غصہ کے) بدل گیا، اور آپؐ نے فرمایا کیا تم مجھ سے اللہ کی قائم کردہ حدود میں سے حد کے بارے میں (رعایت کی) گفتگو کرتے ہو؟ حضرت اُسامہؓ نے عرض کیا میرے لیے یارسول اللہؐ مغفرت طلب کیجیے، جب شام کا وقت ہوا تو آنحضرتؐ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے آپؐ نے اللہ کی ثناء کی جس کا کہ اللہ پاک مستحق ہے۔ اس کے بعد فرمایا :-

”امابعد! پہلے لوگ بیشک اس سبب سے ہلاک ہوئے کہ ان کا حال یہ تھا جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور چوری کرتا اس پر حد قائم کرتے، اور قسم اس ذات کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو ان کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔“

اس کے بعد آنحضرتؐ نے اس عورت کے بارے میں حکم دیا سو اس کا ہاتھ کاٹا گیا، پھر اس عورت کی توبہ اس کے بعد بڑی اچھی رہی اور

اس نے شادی کرلی ، حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ آیا کرتی تھی اور میں اس کی حاجت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتی تھیں۔[1]

حضرت ابو قتادہ رض[2] کہتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضور کے ہمراہ حنین کے سال نکلے، جب ہماری دشمنوں سے مڈبھیڑ ہوئی تو مسلمان شکست کھا کر حملہ آور ہوئے، میں نے دیکھا کہ مشرکین میں سے ایک آدمی مسلمانوں میں سے ایک آدمی پر چڑھ بیٹھا۔ میں نے اس مشرک کی گردن کی موٹی رگ پر تلوار ماری اور میں نے اس کی زرہ تک کاٹ دی وہ مشرک میرے اوپر لپکا اور مجھے اس قدر زور سے بھینچا کہ اس بھینچنے سے مجھے موت کی بو محسوس ہوئی اتنے میں وہ موت کے پنجہ میں گرفتار ہوگیا تو مجھے چھوڑ دیا پھر میں حضرت عمر رض سے ملا میں نے ان سے پوچھا کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ کہا اللہ کی مرضی اور لوگ لوٹ آئے تھے آنحضور بیٹھ گئے اور آپ نے فرمایا جس نے کسی کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس اس قتل کرنے کا گواہ ہو تو مقتول کا سامان قاتل لے لے، یہ سن کر میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا ہے کوئی جو میرے لیے گواہی دے؟ پھر میں بیٹھ گیا، آنحضور نے پھر وہی فرمایا میں نے پھر کہا ہے کوئی جو میرے لیے گواہی دے؟ اور بیٹھ گیا، سہ بارہ آپ نے پھر فرمایا میں نے پھر کہا ہے کوئی جو میرے لیے گواہی دے؟ میں یہ کہہ کر پھر بیٹھ گیا، چوتھی مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی طرح فرمایا پس میں کھڑا ہوا، آپ نے پوچھا اے ابو قتادہ! تیرا کیا قصہ ہے؟ میں نے آپ کو اطلاع دی ایک آدمی

---

[1] رواہ فی البخاری فی موضع آخر و مسلم من حدیث عائشہ رض کذا فی البدایۃ ج ۴ ص ۳۱۸ واخرجہ ایضاً الاربعۃ عن عائشہ کما فی الترغیب ج ۴ ص ۲۶ ۔ [2] واخرجہ البخاری۔

نے کہا ابو قتادہ رضؓ نے سچ کہا ہے۔ ان کا سلب (مقتول کا سامان) میرے پاس ہے ان کو کسی طرح سے مجھ سے راضی کر دیجئے۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا نہیں نہیں! خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا کہ اس وقت حضورؐ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کی طرف جو اللہ اور اللہ کے رسول کی جانب سے قتل کرتا ہے قصد نہ فرمائیں اور آپ اس کا سامان دے دیں، آنحضورؐ نے فرمایا ابوبکرؓ نے سچ کہا ہے تو اس کا سامان اسے واپس کر چنانچہ اس آدمی نے مجھے میرے مقتول کا سامان دیا۔ وہ سامان اتنا تھا کہ میں نے اس کے عوض میں بنی سلمہ میں کھجور کا ایک باغ خریدا، اور بیشک یہ وہ پہلا مال تھا جو میں نے اسلام میں داخل ہو کر جمع کیا اور حاصل کیا۔[۱]

حضرت[۲] عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی کے ان پر چار درہم تھے وہ یہودی آپؐ کے پاس استغاثہ لایا اور اس نے کہا اے محمدؐ! میرے عبداللہ پر چار درہم ہیں جن کے بارے میں یہ مجھ پر غالب آگیا، آپؐ نے فرمایا اے عبداللہ! اس کا حق اسے دے، میں نے عرض کیا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے مجھے اس پر قدرت نہیں آپؐ نے فرمایا اسے اس کا حق دے۔ میں نے عرض کیا قسم اس ذات کی کہ میری جان اس کے ہاتھ میں ہے مجھے ان کی ادائیگی کی مقدرت نہیں اور میں اس سے کہہ چکا ہوں کہ آپ ہم لوگوں کو خیبر بھیجنے والے ہیں اور مجھے یہ امید ہے کہ ہم کو کچھ نہ کچھ مال غنیمت ضرور ملے گا۔ جب میں لوٹوں گا تو اس قرضہ کو ادا کر دوں گا آپؐ نے فرمایا اسے اس کا حق دے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] واخرجہ ایضاً مسلم ج ۲ ص ۸۹ و ابوداؤد ج ۲ ص ۱۶ والترمذی ج ۱ ص ۱۰۱ وابن ماجہ ص ۲۰۹، والبیہقی ج ۹ ص ۵۰۔ [۲] واخرج ابن عساکر۔

جب کسی بات کو تین مرتبہ فرمادیتے تھے تو رجوع نہیں فرماتے تھے، پس عبداللہ بن ابی حدرد رضؓ بازار کی طرف چلے اور ان کے سر پہ پگڑی تھی اور یہ چادر کا تہ بند باندھے ہوئے تھے انہوں نے پگڑی اپنے سر سے اتاری اور اس کو تہ بند کی جگہ باندھا اور چادر نکال لی اور فرمایا کہ تو اس چادر کو مجھ سے خرید لے چنانچہ اس چادر کو اس یہودی کے ہاتھ چار درہم کے عوض میں بیچ دیا اتنے میں ایک بڑھیا گزری اور اس نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی! تمہیں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے اس سے سارا قصہ کہہ سنایا اس بڑھیا نے کہا تو یہ چادر لے لے یعنی وہ چادر جو بڑھیا پر تھی، اور اس نے وہ چادر ان پر ڈال دی۔ [1]

حضرت ام سلمہ رضؓ [2] فرماتی ہیں کہ انصار کے دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی میراث کے بارے میں جھگڑا لائے جس پر عرصہ گزر چکا تھا اور ان دونوں کے پاس گواہ نہیں تھا۔ حضورؐ نے فرمایا تم میرے پاس جھگڑا لے کر آئے ہو اور میں اپنی رائے سے اس چیز کے بارے میں فیصلہ کروں گا، کہ مجھ پہ اس کے بارے میں وحی نہیں اتری ہے، پس جس کی موافقت میں میں اس کی حجت کی بناء پر فیصلہ دے دوں اور اس فیصلہ میں اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ کٹتا ہو تو اس کو ہرگز نہ لے بجز اس کے اور کوئی بات نہ ہوگی کہ میں اسے ایک ٹکڑا کاٹ کر جہنم کا دے رہا ہوں جس کو وہ لے کر قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی گردن میں یہ ٹکڑا چپکا ہوا ہوگا یہ سن کر وہ دونوں انصاری رو دیئے اور ان میں سے ہر ایک نے یہ کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے

---

[1] كذا في الكنز ج ٣ ص ١٨١ واخرجه احمد ايضاً كما في الاصابة ج ٢ ص ٢٩٥ ۔

[2] واخرج ابن ابي شيبة وابو سعيد النقاش ۔

اپنا حق اس کو دیا، یہ سُن کر حضورؐ نے فرمایا جب تم دونوں نے ایسا کیا ہے جو ابھی کیا تو تم دونوں جاؤ اور حق و انصاف کا ارادہ کرو اور تم دونوں تقسیم کرنے کے بعد قرعہ اندازی کرو اور اس کے بعد تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے لیے جو اُسے پہنچے اسے حلال کر دو۔ [1]

حضرت ابو سعید[2] رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے اس قرضہ کا مطالبہ کیا جو اس کا آپؐ کے ذمہ تھا اور آپؐ پر سختی کی یہاں تک کہ اس اعرابی نے کہا کہ میں آپ پر تنگی کروں گا مگر جب کہ آپ مجھے میرا قرضہ ادا کر دیں، آپؐ کے اصحابؓ نے اس اعرابی کو ڈانٹا اور کہا تجھ پر بڑا افسوس ہے کیا تو جانتا ہے کہ کس سے بات کر رہا ہے؟ اس اعرابی نے کہا میں تو اپنا حق طلب کر رہا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ صاحبِ حق کے ساتھ کیوں نہیں ہوئے؟ اس کے بعد آپؐ نے حضرت خولہ بنت قیسؓ کے پاس آدمی بھیج کر کہلوایا کہ اگر تمہارے پاس کھجوریں ہوں تو تم مجھے اس وقت تک کے لیے ادھار دے دو کہ ہمارے پاس کھجوریں آئیں اس وقت میں تمہیں ادا کر دوں گا۔ حضرت خولہؓ نے کہا بہت اچھا اور میرے ماں باپ آپ پر سے یا رسولؐ اللہ قربان جائیں آپؐ نے وہ کھجوریں ادھار لیں اور اس اعرابی کا قرضہ ادا کیا اور اس کو کھانا کھلایا۔ اس کے بعد اُس اعرابی نے کہا آپ نے وفا کی اللہ آپ کے ساتھ وفا کرے آپؐ نے فرمایا یہ لوگ (جو قرضہ کو خندہ پیشانی سے ادا کریں) لوگوں میں سے بھلے ہیں اور بیشک بات یہ ہے کہ وہ امت مقدس نہیں ہو سکتی جس میں ضعیف

---

[1] کذا فی الکنز ج ۳ ص۱۸۲۔

[2] واخرج ابن ماجہ ۔

اپنا حق بغیر قلق و اضطراب کے نہ لے سکے۔ ؎۱

حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی بیوی حضرت خولہؓ بنت قیس کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بنی ساعدہ کے کسی آدمی کے ساٹھ صاع (پانچ من دس سیر) کھجور قرض تھے۔ وہ آدمی آپؐ کے پاس آیا اور ان کی ادائیگی کا آپؐ سے مطالبہ کیا، آپؐ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کا قرضہ ادا کردیں، چنانچہ انہوں نے کھجوریں قرضہ میں دیں لیکن یہ کھجوریں اس ساعدی کی کھجوروں سے کم درجہ کی تھیں۔ اس ساعدی نے ان کے لینے سے انکار کردیا انصاری نے کہا کیا تو حضورؐ کے پاس واپس چلتا ہے۔ ساعدی نے کہا ہاں۔ اور کون آدمی انصاف میں آپؐ سے زیادہ حق پسند ہوسکتا ہے؟ یہ سن کر حضورؐ کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا اٹھیں۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا ساعدی نے سچ کہا، مجھ سے زیادہ انصاف کرنے کا کون حقدار ہے؟ اللہ پاک اُس اُمت کو پروان نہیں چڑھاتا جس میں اُس کا کمزور اس کے قوی سے اپنا حق بلا کلفت نہ لے سکے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اے خولہ! تم اسے کھانا کھلاؤ اور اس کا قرضہ ادا کرو۔ پس بات اسی طرح پر ہے کہ کوئی قرض خواہ اپنے مقروض کے پاس سے جب راضی ہو کر واپس ہوتا ہے تو اس مقروض پر روئے زمین کے جاندار اور سمندروں کی مچھلیاں دعائے رحمت کرتی ہیں، اور جب کبھی بندے سے اس کا قرض خواہ دل تنگ ہو کر واپس ہوتا ہے تو اللہ پاک اس مقروض کے لیے ہر دن اور ہر رات ایک گناہ لکھتا ہے ؎۲

؎۱ درواہ البزار من حدیث عائشہؓ مختصرا والطبرانی من حدیث ابن مسعودؓ باسناد جید کذا فی الترغیب ج۳ ص۱۲۷۔ ؎۲ واخرج الطبرانی۔ ؎۳ درواہ احمد بنحوہ عن عائشہؓ باسناد جید قوی کذا فی الترغیب ج۳ ص۱۲۷۔

عدل صدیقی رضؓ

حضرت[1] عبداللہ بن عمرو بن عاص رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ جمعہ کے دن خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا "جب کل کا دن آئے تو اونٹوں کے صدقات یہاں حاضر کر دینا ہم اسے تقسیم کریں گے اور میرے پاس کوئی بھی بلا اجازت نہ آئے یہ سن کر ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا یہ نکیل لو، شاید اللہ پاک ہمیں بھی کوئی اونٹ دے وہ آدمی آیا تو اس نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ اونٹوں کے درمیان داخل ہوئے یہ بھی ان کے ساتھ اونٹوں کے درمیان داخل ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے اس کی طرف التفات کی اور فرمایا تجھے کس نے یہاں داخل کیا؟ اس کے بعد اس سے نکیل لی اور اس نکیل سے اس آدمی کو مارا۔ جب حضرت ابوبکر رضؓ اونٹوں کی تقسیم سے فارغ ہو گئے تو اس آدمی کو بلایا اور اسے اس کی نکیل دی اور کہا اپنا بدلہ لے۔ حضرت ابوبکر رضؓ سے حضرت عمر رضؓ نے فرمایا خدا کی قسم یہ بدلہ نہ لے گا تم اس بات کو طریقہ نہ بناؤ۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا تو مجھے کون قیامت کے دن اللہ سے بچائے گا؟ حضرت عمر رضؓ نے کہا اس کو راضی کر دو۔ تب حضرت ابوبکر رضؓ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس آدمی کو ان کی سواری کی اونٹنی اور اس کا کجاوہ اور دھاری دار کمبل اور پانچ دینار لا کر دے۔ یہ چیزیں دے کر حضرت ابوبکر رضؓ نے اسے راضی کیا[2]

---

[1] اخرج البیہقی۔

[2] کذا فی کنز العمال ج ۳ ص ۱۲۷۔

عدلِ فاروقی رضؓ

شعبیؒ[1] فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور اُبی بن کعبؓ کے درمیان کوئی جھگڑا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے اور اپنے درمیان کسی آدمی کو فیصلہ کرنے والا مقرر کرلو، ان دونوں حضرات نے حضرت زید بن ثابتؓ کو اپنا فیصل بنایا یہ دونوں حضرات ان کے پاس تشریف لے گئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم دونوں تمہارے پاس اس لیے آئے ہیں تاکہ ہمارے درمیان فیصلہ دو۔ حضرت زیدؓ اپنے گھر ہی میں بیٹھ کر فیصلہ دیا کرتے تھے۔ جب یہ دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے۔ حضرت عمرؓ کے لیے حضرت زیدؓ نے اپنے بستر کے صدر حصہ پر حضرت عمرؓ کو بٹھانا چاہا اور کہا آئیے امیر المومنین یہاں تشریف رکھئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ پہلا ظلم ہے جو تمہارے فیصلہ میں جاری ہوا۔ میں اپنے صاحب معاملہ کے پاس بیٹھوں گا یہ دونوں حضرات ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ حضرت اُبیؓ نے دعویٰ پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے انکار کیا، حضرت زیدؓ نے اُبیؓ سے کہا امیر المومنین کو قسم کھانے سے معافی دو (شرعی قاعدہ کی بنا پر اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے) اور میں قسم کی معافی کا کسی کے لیے سوائے ان کے سوال نہیں کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے قسم کھائی اور پھر قسم کھا کر کہا کہ زید فیصلہ پر نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ عمر اور مسلمان رعایا ان کے نزدیک برابر نہ ہوں۔ شعبی سے اس طرح پر ہے کہ کھجوروں کے کاٹنے پر حضرت اُبی بن کعبؓ اور حضرت عمرؓ بن خطاب میں نزاع ہوگیا۔ حضرت اُبیؓ رو دیئے

---

[1] اخرج ابن عساکر و سعید بن منصور والبیہقی۔

اور اُبیؓ نے کہا کیا اے عمر! تمہاری حکومت میں اور ایسا ہو؟ حضرت عمرؓ بن خطابؓ نے فرمایا کہ میرے اور اپنے درمیان مسلمانوں میں سے کسی آدمی کو فیصل بنالو، حضرت اُبیؓ نے کہا حضرت زیدؓ کو فیصل بناتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس پر رضامندی دی اور دونوں چلے اور حضرت زیدؓ کے پاس پہنچے، اور پھر پوری حدیث نقل کی۔ [1]

حضرت [2] زید بن اسلمؓ کہتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبد المطلبؓ کا گھر مسجد مدینہ کے پہلو میں تھا ان سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اس مکان کو میرے ہاتھ بیچ دو اور حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کیا کہ اس سے مسجد کو بڑھادیں، حضرت عباسؓ نے اس بات سے انکار کیا کہ اس مکان کو ان کے ہاتھ بیچیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا تو پھر اس مکان کو میرے لیے ہبہ کردو۔ حضرت عباسؓ نے اس سے بھی انکار کردیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم اس سے خود ہی مسجد میں وسعت کردو۔ حضرت عباسؓ نے انکار کردیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہیں ان تین باتوں میں سے ضرور ایک بات کرنی ہوگی، حضرت عباسؓ نے انکار کردیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے اور اپنے درمیان کسی کو فیصل بنالو۔ حضرت عباسؓ نے حضرت اُبی بن کعبؓ کو فیصل قرار دیا، یہ دونوں حضرات ان کے پاس مقدمہ لے گئے۔ حضرت اُبی بن کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم ان کو ان کے گھر سے جب تک کہ ان کو راضی نہ کرلو نکال نہیں سکتے۔ حضرت عمرؓ نے اُبیؓ سے فرمایا کیا تم نے اپنا یہ فیصلہ کتاب اللہ میں دیکھا ہے؟ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اُسے پایا ہے؟ حضرت اُبیؓ نے کہا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے میں نے

---

[1] کما فی کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۴ وج ۳ ص ۱۸۱ ۔ [2] واخرج عبد الرزاق ۔

یہ فیصلہ لیا ہے، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ سنت کیا ہے؟ حضرت اُبیؓ نے کہا کہ میں نے حضورؐ سے سُنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے جب بیت المقدس کو بنایا، جب کبھی کسی دیوار کو قائم کرتے صبح کے وقت اس کو منہدم پاتے تب اللہ پاک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ کسی آدمی کے حق میں عمارت نہ بناؤ جب تک کہ اسے راضی نہ کرلو، تب حضرت عمرؓ نے اس جھگڑے کو چھوڑا، اس کے بعد حضرت عباسؓ نے خود ہی مسجد میں داخل کر کے مسجد میں وسعت کی۔

حضرت سعید بن مسیبؒ [1] فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا، کہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا گھر لے کر اس سے مسجد میں اضافہ کریں۔ حضرت عباسؓ نے انکار کر دیا کہ یہ گھر ان کو دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں ضرور اس گھر کو لے کر رہوں گا۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ میرے اور اپنے درمیان اُبی بن کعبؓ کو فیصل مقرر کر لو کہا ہاں میں نے منظور کیا یہ دونوں حضرات اُبیؓ کے پاس آئے اور ان سے تذکرہ کیا۔ حضرت اُبیؓ نے فرمایا اللہ پاک نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بیت المقدس کی تعمیر کریں اور وہ زمین ایک آدمی کی تھی اس سے زمین خریدی جب اس کو قیمت دی تو اس نے دریافت کیا کہ جو قیمت آپ نے مجھے دی وہ بہتر ہے یا وہ زمین جو آپ نے مجھ سے لی؟ حضرت سلیمانؑ نے کہا بلکہ وہ زمین جو میں نے تجھ سے لی۔ اس آدمی نے کہا تو میں اس بیع کو جائز نہیں رکھتا دوبارہ پھر اس آدمی سے کچھ اور قیمت بڑھا کر اس زمین کا معاملہ کیا اس آدمی نے پھر اسی طرح کا سوال کیا اور حضرت سلیمانؑ نے

---

[1] واخرج عبدالرزاق

وہی جواب دیا دو یا تین مرتبہ اسی طرح ہوا تب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شرط کی کہ میں اس زمین کو تجھ سے تیرے حکم کے مطابق خریدتا ہوں یعنی جو تو مانگے۔ اب مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ اس قیمت اور زمین میں سے کون بہتر ہے؟ چنانچہ اس زمین کو اس کے حکم کے مطابق خریدا اس آدمی نے بارہ ہزار قنطار سونا مانگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو بہت زیادہ خیال کیا کہ دیں۔ اللہ پاک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اگر تم اس آدمی کو کوئی چیز ایسی دے رہے ہو جو تمہاری ہے تو تم خوب جانتے ہو، تو تم جانو اور اگر ہمارے رزق سے دے رہے ہو تو اُسے دو یہاں تک کہ وہ راضی ہو جائے سو حضرت سلیمان ؑ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ابی رضؓ نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ عباس رضؓ اپنے گھر کے زیادہ حق دار ہیں یہاں تک کہ وہ راضی ہوں، یہ سن کر حضرت عباس رضؓ بولے جب تم نے میری موافقت میں فیصلہ دیا تو اب میں اس مکان کو مسلمانوں کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔ [1]

حضرت ابن عمر رضؓ [2] فرماتے ہیں کہ میرے بھائی عبدالرحمٰن نے اور ان کے ساتھ ابو سروعہ رضؓ عقبہ بن حارث نے شراب پی اور مست ہو گئے۔ یہ دونوں مصر میں تھے۔ حضرت عمر رضؓ کی خلافت کا زمانہ تھا جب صبح ہوئی یہ دونوں حضرت عمرو بن عاص رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو امیر مصر تھے اور انہوں نے کہا کہ ہم کو پاک

---

[1] کذا فی کنز العمال ج ۴ صہ ۲۶ واخرجہ ابن سعد ج ۴ صہ ۱۳ وابن عساکر عن سالم ابی النضر مطولاً جداد سندہ صحیح الا ان سالما لم یدرک عمرہ اخرجاہ ایضا والبیہقی ویعقوب بن سفیان عن ابن عباس رضؓ مختصراً وسندہ حسن کما فی الکنز ج ۷ صہ واخرجہ الحاکم وابن عساکر من طریق اسلم من وجہ آخر مطولاً کما فی الکنز ج ۷ صہ ۶۵ وفی حدیثہ حذیفہ بدل ابی بن کعب رضؓ۔

[2] واخرج عبدالرزاق والبیہقی۔

کیجئے۔ ہم دونوں ایک قسم کی شراب پی کر مست ہو گئے تھے۔ میں نے کہا گھر کے اندر چلو میں تم کو پاک کر دوں اور مجھے یہ علم نہیں تھا کہ وہ دونوں حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس جا چکے تھے تب میرے بھائی نے مجھے بتایا کہ وہ اس بات کی خبر امیر کو بھی دے چکے ہیں۔ میں نے کہا کہ آج تم اپنا سر لوگوں کے درمیان نہ منڈاؤ، گھر میں چلو میں تمہارا سر مونڈ دوں گا اور اس زمانہ میں لوگوں کا سر بھی مونڈا جاتا تھا اور حد بھی لگائی جاتی تھی چنانچہ یہ دونوں گھر میں گئے۔ حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کا سر اپنے ہاتھ سے مونڈا اس کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ نے کوڑے لگائے اس بات کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی انہوں نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو لکھا کہ عبدالرحمٰنؓ کو اونٹ کے کجاوے پر بٹھا کر میرے پاس بھیجو، چنانچہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے ایسا ہی کیا جب یہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو حضرت عمرؓ نے انہیں کوڑے لگائے اور سزا دی چونکہ حضرت عمرؓ ان کے والد تھے پھر اس کے بعد ان کو چھوڑا۔ اس کے بعد یہ پورے ایک ماہ تندرستی کے ساتھ زندہ رہے پھر ازل کا لکھا ہوا ان کے سامنے آیا اور ان کی وفات ہو گئی۔ عام لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ان کی وفات حضرت عمرؓ کے کوڑے لگانے سے ہوئی، حالانکہ حضرت عمرؓ کے کوڑے لگانے سے ان کی وفات نہیں ہوئی۔[1]

[2] حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک عورت کی طرف جس کا شوہر ایک عرصے سے مفقود تھا اس عورت کو بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا۔ حضرت عمرؓ (اس کی دیکھ بھال کے لیے) اس کے یہاں جایا کرتے تھے اس عورت نے آنے سے انکار کر دیا دوبارہ پھر اس کے یہاں آدمی بھیجا اس عورت

---

[1] قال فی منتخب کنز العمال ج ۴ صـ ۴۲۲ وسندہ صحیح واخرجہ ابن سعد عن اسلم عن عمرو بن العاصؓ بطولہ کما فی منتخب الکنز ج ۴ صـ ۴۲۰۔ [2] واخرج عبدالرزاق والبیہقی۔

سے کہا گیا کہ عمرؓ کا کہنا مان لے اس عورت نے کہا ہائے میرے افسوس! مجھ سے عمرؓ کو کیا لینا ہے؟ یہ کہہ کر وہ گھر سے چلی اور وہ گھبرائی ہوئی تھی راستے ہی میں تھی کہ اس کو دردِ زہ ہوا، کسی گھر میں داخل ہوگئی اور اس نے بچہ کو ڈال دیا بچہ دو دفعہ چلایا اور اس کے بعد مر گیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اصحاب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیا۔ بعض صحابہؓ نے کہا کہ آپ پر کوئی گرفت نہیں اس لیے کہ آپ تو ادب دینے والے اور راستہ دکھانے والے تھے۔ حضرت علیؓ خاموش تھے، حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ حضرت علیؓ نے فرمایا اگر ان لوگوں نے اپنی رائے سے یہ بات کہی ہے تو ان لوگوں نے اپنی رائے میں غلطی کی اور اگر ان لوگوں نے آپ کی خواہش کی بنا پر یہ بات کہی تو آپ کے لیے بھلائی کی بات نہیں کی۔ میری رائے یہ ہے کہ اس بچہ کی دیت آپ پر واجب ہے اس لیے کہ آپ ہی نے اس عورت کو گھبراہٹ اور خوف میں مبتلا کیا اور اس نے اپنے بچہ کو آپ ہی کے (خوف) کے سبب سے ڈال دیا یہ سن کر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ان کی دیت قریش پر تقسیم کی جائے یعنی تمام قریش سے لی جائے (جیسا کہ شرعی قانون ہے) اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے خطا کی تھی [۱]

عطاء[۲] سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب اپنے عمال کو حکم دیتے تھے کہ حج کے موقع پر یہ سب آپ سے ملیں پس جب آپ کے عمال جمع ہو جاتے تو آپ کہتے کہ:

"اے لوگو! میں نے اپنے عاملوں کو تم لوگوں پر اس لیے مقرر نہیں کیا کہ وہ تمہاری کھالیں اور تمہارا مال لیں بلکہ اس لیے ان کو

---

[۱] کذا فی کنز العمال ج ۷، ص ۳۰۰ ۔ [۲] واخرج ابن سعد ج ۳ ص ۲۱۱

بھیجا ہے تاکہ تمہارے آپس کے جھگڑوں کی روک تھام کریں اور تمہارے مالِ غنیمت کو تمہارے درمیان تقسیم کریں، اور وہ آدمی جس کے ساتھ اس کے علاوہ کچھ اور کیا گیا ہو وہ کھڑا ہو جائے"

یہ سُن کر کوئی آدمی نہ کھڑا ہوا سوائے ایک آدمی کے اس نے کھڑے ہو کر کہا اے امیرالمومنین! آپ کے فلاں عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس عامل سے پوچھا کس معاملہ میں اسے سو کوڑے لگائے؟ اور اس آدمی سے کہا اُٹھ اور اس سے بدلہ لے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے امیرالمومنین! اگر آپ نے ایسا کیا پھر تو لوگ آپ پر بڑی کثرت سے یہ دعویٰ لائیں گے اور یہ ایک طریقہ بن جائیگا اور آپ کے بعد بھی یہ سنت جاری رہے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا فقط میں ہی بدلہ لینے کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اپنی ذات پر بھی بدلہ لینے کا حکم دیتے تھے، حضرت عمرو بن عاصؓ نے کہا ہم کو مہلت دیجئے کہ ہم اسے راضی کر لیں کہا تمہیں اختیار ہے تم اسے راضی کر و چنانچہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اس کو فدیہ میں دو سو دینار دیئے، ہر کوڑے کے بدلہ میں دو دینار [1]

حضرت [2] انسؓ سے روایت ہے کہ مصر کے باشندوں میں سے ایک آدمی نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں آکر عرض کیا اے امیرالمومنین! میں ظلم سے آپ کی پناہ پکڑنے آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے تجھے پناہ دی اس آدمی نے کہا میں نے ابن عمرو بن عاصؓ سے دوڑنے میں بازی لگائی اور

---

[1] واخرجہ ایضاً ابن راہویہ کما فی منتخب الکنز ج ۴ ص ۴۱۹۔

[2] اخرج ابن عبدالحکم۔

میں اس سے آگے نکل گیا۔ تو اس نے مجھے کوڑے سے مارنا شروع کر دیا اور کہتا جاتا تھا میں بڑے آدمیوں کا بیٹا ہوں یہ سن کر حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن عاصؓ کی طرف لکھا اور ان کو آنے کا حکم دیا اور اس بات کا کہ اپنے لڑکے کو بھی اپنے ساتھ لائیں۔ جب حضرت عمرؓ بن عاصؓ آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ مصر کا رہنے والا کہاں ہے؟ کوڑا لے اور اس کو مار۔ وہ مصری ان کے لڑکے کو کوڑے سے مار رہا تھا اور حضرت عمرؓ فرما رہے تھے "مار" ملامت کئے گئے ہوئے کے بیٹے کو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس مصری نے مارا اور بیشک اسے مارا اور ہم پسند کرتے تھے کہ وہ مارا جائے۔ وہ مصری مارنے سے نہ رکا یہاں تک کہ ہم نے تمنا کی کہ اب یہ مصری اپنا ہاتھ اُٹھا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے مصری سے کہا کہ عمروؓ بن عاص کی کھوپڑی پر مار۔ اس مصری نے کہا اے امیر المومنین! ان کے بیٹے ہی نے مجھے مارا ہے۔ انہوں نے نہیں اور میں اس سے اپنا بدلہ لے چکا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن عاصؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، کب سے تم نے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے؟ عمروؓ بن عاص نے جواب دیا امیرالمومنین مجھے اس قصہ کا کچھ علم نہیں اور نہ ہی یہ آدمی کبھی میرے پاس آیا [1]

یزید[2] بن ابی منصور کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن خطابؓ کو یہ اطلاع ملی کہ ان کے بحرین کے عامل کے پاس جس کا نام جارود یا ابن جارود تھا ایک آدمی کو لایا گیا، جس کو ادریاس کہا جاتا تھا اور ادریاس کے خلاف گواہ پیش ہوئے کہ یہ مسلمانوں کے دشمنوں کی طرف مسلمانوں کے خلاف خط و کتابت کرتا ہے اور اس نے یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ پھر انہی لوگوں کے پاس چلا جائے۔ عامل نے ادریاس کی گردن اڑوا دی

---

[1] کذا فی منتخب کنز العمال ج ۴ ص ۴۲۰ ۔ [2] اخرج ابن جریر، کذا فی الکنز ج ۷ ص ۲۹۸ ۔

اور ادریاس یہ کہہ رہا تھا ہائے عمر! ہائے عمر! یہ خبر پا کر حضرت عمرؓ نے اس عامل کی طرف مکتوب گرامی بھیجا اور اسے اپنے پاس آنے کا حکم دیا چنانچہ وہ عامل آیا اس کے لیے حضرت عمرؓ بیٹھے آپ کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو حضرت عمرؓ نے اس کی داڑھی کی طرف نیزہ بڑھایا اور وہ کہہ رہے تھے۔ ادریاس! میں حاضر ہوں، ادریاس! میں حاضر ہوں۔ جارود نے کہنا شروع کیا اے امیرالمومنین! ادریاس نے دشمنوں سے خط و کتابت کی تھی کہ مسلمانوں کے پوشیدہ رازان کو بتائے گا اور اس نے قصد بھی کیا تھا کہ دشمنوں سے مل جائے، حضرت عمرؓ نے فرمایا تو نے اس کو محض ارادہ اور قصد پر قتل کر دیا۔ ہم میں سے کون ایسا ہے جو ارادہ (شر و فساد) نہیں کرتا؟ میں تجھ کو اس کے بدلہ قتل کر دیتا اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ آئندہ کے لیے یہ ایک دستور بن جائے گا۔

حضرت زید بن وہبؒ[1] فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اس طرح پر نکلے کہ ان کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ان کے کانوں میں تھیں (جس طرح کہ مؤذن کی ہوتی ہیں) اور وہ پکار کر کہہ رہے تھے، اے مجھے پکارنے والے! میں حاضر ہوں۔ اے مجھے پکارنے والے! میں حاضر ہوں۔ لوگوں نے پوچھا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے؟ کسی نے بتایا ان کے بعض امراء کی طرف سے ڈاک آئی ہے اس میں لکھا ہے کہ ایک نہر لشکر کے عبور کرنے میں حائل ہے اور اہل لشکر نے کشتی نہ پائی تو امیر لشکر نے حکم دیا کہ ایک ایسے آدمی کو تلاش کرو جو نہر کی گہرائی جانتا ہو، ایک بڈھے کو لایا گیا اس نے کہا مجھے ٹھنڈ کا خوف ہے اور یہ سردی کے ایام کا قصہ ہے امیر نے اس بڈھے پر جبر کیا اور اس کو نہر میں داخل کر دیا۔ ٹھنڈ نے اس بڈھے کو مہلت نہ دی۔ اس بڈھے نے پکارنا شروع کیا ہائے عمر ہائے عمر! اور

---

[1] واخرج البیہقی

ڈوب گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس امیر کی طرف خط لکھا وہ امیر آیا اور کئی دنوں تک ٹھہرا رہا۔ حضرت عمرؓ اس سے اعراض کیے رہے اور حضرت عمرؓ کی عادت تھی۔ جب عاملوں میں سے کسی سے ناراض ہوتے اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے، کچھ روز بعد اس امیر سے کہا وہ آدمی جس کو تم نے قتل کر دیا ہے کیا ہوا؟ امیر لشکر نے کہا اے امیر المومنین میں نے قصداً اسے قتل نہیں کیا ہم نے کوئی چیز ایسی نہیں پائی جس میں سوار ہو کر عبور کیا جا سکے اور ہم نے یہ ارادہ کیا کہ ہم پانی کی گہرائی جان لیں، سو آپ دیکھ لیجئے کہ ہم نے ایسے ایسے شہر فتح کئے یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا ایک مسلمان آدمی مجھے ہر اس شے سے زیادہ محبوب ہے جس کو تو لایا (یعنی شہروں کی فتح) اگر طریقہ نہ پڑھا تا تو میں تیری گردن مار دیتا لہٰذا تو اس کے اہل کو دیت ادا کر اور یہاں سے چلا جا میں تجھے نہ دیکھوں۔ [1]

جریرؓ[2] کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی حضرت ابو موسیٰؓ کے ساتھ تھا لشکر نے مال غنیمت جمع کیا اس آدمی کو ابو موسیٰؓ نے اس کا حصہ دیا لیکن پورا نہیں دیا اس نے لینے سے انکار کیا اور کہا کہ میں تو پورا لونگا۔ اس پر اس کو حضرت ابو موسیٰؓ نے اسے کوڑے مارے اور اس کا سر منڈوایا۔ اس آدمی نے اپنے منڈے ہوئے بال جمع کئے اور ان کو لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان بالوں کو جیب سے نکال کر حضرت عمرؓ کے سینے پر پھینک دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے کیا ہوا؟ اس نے اپنا قصہ سنایا حضرت عمرؓ نے اسی وقت ابو موسیٰ اشعریؓ کو خط لکھا۔

"سلام علیکم! اما بعد فلاں ابن فلاں نے مجھے ایسی ایسی خبر دی

---

[1] کذا فی الکنز ج ۷ ص ۲۹۹ - [2] واخرج البیہقی -

ہے اور میں تمہیں قسم دیتا ہوں اگر تم نے ایسا کیا ہے جو اس نے بیان کیا۔ اگر لوگوں کے مجمع میں ایسا کیا ہے تو اس کے لیے لوگوں کے مجمع میں بیٹھو وہ تم سے بدلہ لے اور اگر تم نے وہ بات خلوت میں کی ہے تو تم خلوت میں اس کے لیے بیٹھو تاکہ وہ تم سے بدلہ لے۔ جب اس آدمی نے حضرت ابوموسیٰ رضؓ کو یہ نامۂ گرامی دیا تو اُسی وقت بدلہ دینے کے لیے بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر اُس شخص نے کہا میں نے اللہ کے لیے معاف کیا (اللہ آپکو معاف فرمائے) [۱]

حرماوی[۲] راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضؓ نے فیروز دیلمی کے پاس یہ نامۂ گرامی لکھا۔

"اما بعد! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تمہیں شہد میں نلی کا گودا ملا کر کھانے نے کاموں سے روک دیا۔ جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو اللہ تم کو برکت دے، تم یہاں آجاؤ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔"

چنانچہ فیروز نے حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عمر رضؓ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمر رضؓ نے اسے اجازت دے دی۔ قریش کے ایک نوجوان کی اسے ٹکر لگ گئی۔ فیروز نے اس قریشی نوجوان کی ناک پر ایک ہاتھ مارا پس وہ قریشی نوجوان بھی خون میں تر حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضؓ نے اس سے دریافت کیا یہ تمہارے ساتھ کس نے کیا؟ قریشی نے کہا فیروز نے، اور فیروز دروازے ہی پر ہے فیروز کو داخلہ کی اجازت ملی، فیروز اندر داخل ہوا۔ حضرت عمر رضؓ نے پوچھا اے فیروز یہ کیا ہے؟ عرض کیا اے

---

[۱] کذا فی کنز العمال ج ۷ ص ۲۹۹ ۔ [۲] واخرج ابن عساکر۔

امیرالمومنین! میرا زمانہ ابھی حکومت سے قریب ہے اور آپ نے مجھے خط بھیج کر بلایا اور اس قریشی کی طرف خط نہیں بھیجا، اور مجھے داخلہ کی اجازت دی اسے داخلہ کی اجازت نہیں ملی۔ اس نے یہ ارادہ کیا کہ میری اجازت میں مجھ سے پہلے داخل ہو جائے اس لیے مجھ سے وہ بات سرزد ہوئی جس کی اس نے آپکو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بدلہ دو۔ فیروز نے کہا کیا بدلہ دیا جانا ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں بدلہ لیا جانا ضروری ہے۔ یہ سن کر فیروز اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور وہ نوجوان اس سے بدلہ لینے کے لیے کھڑا ہوا۔ اس نوجوان سے حضرت عمرؓ نے فرمایا اے نوجوان! اتنی دیر ٹھہر جائیں تجھے اس چیز کی خبر دے دوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے میں نے حضورؐ سے ایک صبح کے وقت سنا کہ آپؐ نے فرمایا اسود عنسی جس نے جھوٹا نبوت کا دعوٰی کیا تھا آج رات قتل کر دیا گیا اس کو ایک بھلے بندے فیروز دیلمی نے موت کے گھاٹ اتارا ہے (اے قریشی جوان) کیا تُو اپنے آپ کو اس کے بعد بھی بدلہ لینے والا خیال کرتا ہے؟ جب کہ تو نے یہ بات حضورؐ کی جانب سے سُن لی۔ نوجوان نے عرض کیا میں اسے معافی دیتا ہوں۔ جب کہ آپ نے مجھے حضورؐ کا یہ ارشادِ گرامی سُنایا۔ فیروز نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کیا آپ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ بات مجھے اس چیز سے نجات دینے والی ہے جو میں نے کی اور میں نے اس بات کا اس کے لیے اقرار کیا اور اس نے بغیر کسی جبر کے مجھے معاف کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں، فیروز نے کہا ہاں میں آپ کو اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میری تلوار اور میرا گھوڑا اور تیس ہزار کی رقم میں نے اپنے مال سے اس کے لیے ہبہ کی۔ حضرت عمرؓ نے اس قریشی نوجوان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے قریشی بھائی! تو نے معاف کیا تجھے اجر بھی ملا اور تو نے مال بھی لیا۔[1]

---

[1] کذا فی الکنز ج ۷ ص ۸۳۔

حضرت[1] ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک جاریہ نے حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ میرے آقا نے مجھ پر الزام رکھا اور مجھ کو آگ پر بٹھایا یہاں تک کہ میری پیشاب گاہ جل گئی۔ حضرت عمر رضؓ نے اس سے دریافت کیا کیا آقا نے وہ عیب تیرے اوپر دیکھا جس کا کہ الزام رکھا ہے؟ جاریہ نے کہا نہیں، آپ نے دریافت فرمایا کیا تو نے اس کے سامنے کچھ اقرار کیا؟ اس نے کہا نہیں یہ سُن کر حضرت عمر رضؓ نے فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ۔ جب حضرت عمر رضؓ نے اس آدمی کو دیکھا فرمایا کیا تُو اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب دیتا ہے؟ اس آقا نے عرض کیا کہ مجھے اس جاریہ کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوئی۔ حضرت عمر رضؓ نے دریافت فرمایا کیا تو نے اسے اس بُرے کام پر دیکھا تھا؟ آقا نے کہا نہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کیا اس نے تیرے آگے اس بُرے کام کا اقرار کیا تھا۔ آقا نے کہا نہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا قسم اُس ذات کی کہ میری جان اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے کہ غلام اپنے آقا سے اور بچہ اپنے والد سے قصاص نہ لے نہ سنا ہوتا تو اس کا بدلہ تجھ سے ضرور لیتا۔ اس آقا کو حضرت عمر رضؓ نے سو کوڑے لگائے اور اس کنیز سے حضرت عمر رضؓ نے فرمایا جا تو اللہ کے لیے آزاد ہے تو اللہ اور اس کے رسول ؐ کی باندی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ فرماتے تھے جو آگ میں جلایا گیا جس کی صُورت بگاڑی گئی وہ آزاد ہے اور اللہ اور اسکے رسول ؐ کا آزاد کردہ غلام ہے[2]

مکحول رحؒ[3] سے روایت ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضؓ نے بیت المقدس

---

[1] واخرج الطبرانی فی الاوسط وابن عساکر والبیہقی۔ [2] کذا فی الکنز ج ۷ ص۲۹۹۔ [3] واخرج البیہقی

کے پاس ایک نبطی کو بلایا تاکہ وہ ان کا گھوڑا تھام کر کھڑا رہے اس نبطی نے انکار کر دیا۔ حضرت عبادہؓ نے اسے مارا اور اس کا سر پھوڑ دیا۔ اس نے حضرت عمرؓ کے یہاں استغاثہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبادہؓ سے پوچھا کہ تمہیں اس کے ساتھ ایسا کرنے پر کس نے آمادہ کیا؟ عبادہؓ نے عرض کیا اے امیرالمومنین! میں نے اس سے کہا کہ میری سواری تھام لے اس نے انکار کر دیا اور میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ مجھ میں جلال کا مادہ زیادہ ہے۔ پس میں نے اسے مار دیا حضرت عمرؓ نے فرمایا بدلہ دینے کے لیے۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ آپ اپنے غلام کا بدلہ اپنے بھائی سے لے رہے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے بدلہ کو چھوڑ دیا اور دیت کے ساتھ عبادہؓ کے خلاف فیصلہ کیا۔[1]

حضرت[2] سوید بن غفلہؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ ملک شام تشریف لے گئے۔ اہل شام میں سے ایک یہودی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا اے امیرالمومنین! مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے میرے ساتھ وہ کیا جسے آپ دیکھ رہے ہیں۔ سویدؓ فرماتے ہیں کہ اس فریادی کا سر پھٹا ہوا تھا اور بدن پر پٹنے کے نشانات تھے۔ حضرت عمرؓ کو بہت غصہ آیا۔ پھر حضرت صہیبؓ سے فرمایا جا اور دیکھ اس کا مدعا علیہ کون ہے اور اس کو میرے پاس لا۔ حضرت صہیبؓ گئے انہوں نے دیکھا کہ حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ ہیں۔ حضرت عوفؓ سے حضرت صہیبؓ نے کہا امیرالمومنین تم پر بہت سخت خفا ہیں۔ تم حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس جاؤ تاکہ وہ حضرت عمرؓ سے اس بارے میں گفتگو کریں مجھے یہ ڈر ہے کہ حضرت عمرؓ کہیں تم پر جلدی نہ کر بیٹھیں۔ جب حضرت عمرؓ نماز سے فارغ ہوئے دریافت کیا صہیبؓ کہاں ہیں؟ کیا تم اس آدمی کو لے آئے؟ حضرت

---

[1] کذا فی الکنز ج ۷ ص ۳۰۳ - [2] واخرج ابوعبید والبیہقی وابن عساکر۔

صہیب رضؓ نے کہا جی ہاں - حضرت عوف رضؓ حضرت معاذ رضؓ کے پاس جا چکے تھے اور ان کو سارا قصہ کہہ سنایا تھا - حضرت معاذؓ نے کھڑے ہو کر کہا اے امیر المومنین! عوف بن مالک رضؓ یہ ہیں ان کی پہلے سنئے اور ان کو سزا دینے میں جلدی نہ کیجئے۔

حضرت عمر رضؓ نے حضرت عوف رضؓ سے پوچھا تیرا اور اس آدمی کا کیا قصہ ہے؟ حضرت عوف رضؓ نے بیان کیا اے امیر المومنین! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے یہ مدعی گدھے پر ایک مسلمان عورت کو ہنکا کر لے جا رہا تھا - پھر اس نے اس عورت کے ایک کچوکا دیا تاکہ وہ گدھے پر سے گر پڑے - جب وہ عورت نہ گری تو اس نے اسے دھکا دیا وہ نیچے جا پڑی یہ اس عورت پر چڑھ گیا اور اس پہ اوندھا پڑ گیا - حضرت عمر رضؓ نے حضرت عوف رضؓ سے فرمایا تم اس عورت کو لاؤ تاکہ وہ تمہارے بیان کی تصدیق کرے چنانچہ حضرت عوف رضؓ اس عورت کے پاس پہنچے - حضرت عوف رضؓ سے اس عورت کے والد اور شوہر نے کہا تم نے ہماری گھر والی کے ساتھ کیا ارادہ کیا ہے؟ تم نے تو ہم لوگوں کو رسوا کر دیا اس عورت نے کہا کہ خدا کی قسم! میں ان کے ساتھ ضرور چلوں گی - اس عورت کے باپ اور شوہر نے کہا ہم جاتے ہیں اور تیری طرف سے ساری بات کہہ آئیں گے - چنانچہ ان دونوں نے حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بالکل اسی جیسی خبر دی جو حضرت عوف رضؓ کا بیان تھا۔

حضرت عمر رضؓ نے اس یہودی کے متعلق حکم دیا اور پھر اس کو سولی دی گئی - اور فرمایا اس بات پر ہم نے تم لوگوں سے صلح نہیں کی (کہ تم اس قسم کی حرکتیں کرو) اس کے بعد فرمایا اے لوگو! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری میں اللہ سے ڈرو، جو شخص بھی اہلِ ذمہ میں سے ایسا کام کرے گا اس کی ہمارے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں - حضرت سوید رضؓ فرماتے ہیں - یہ وہ پہلا یہودی ہے کہ جس کو اسلام میں میں نے سولی لٹکتے ہوئے دیکھا ہے [1]

[1] کذا فی الکنز ج ۲ ص ۲۹۹ واخرج الطبرانی عن عوف بن مالک رضؓ مختصرا قال البیہقی ج ۶ ص ۱۳ رجال الصحیح انتہی

عبدالملک[1] بن یعلی لیثیؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بکر بن شداخ لیثیؓ نابالغ تھے اور حضورؐ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ جب یہ بالغ ہو گئے تو آپؐ کی خدمت میں آ کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کے گھر میں داخل ہو جایا کرتا تھا اور اب میں بالغ ہو گیا ہوں۔ آپؐ نے یہ دعا دی اے میرے اللہ! اس کے قول کی تصدیق فرما اور اسے کامیابی نصیب فرما۔ جب حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا، تو ایک یہودی قتل شدہ پایا گیا۔ حضرت عمرؓ کو یہ بات بہت ہی ناگوار معلوم ہوئی اور گھبرا گئے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا کیا ایسے زمانہ میں جب اللہ نے مجھ کو والی اور خلیفہ بنایا لوگوں کا ناگہانی خون بہایا جائے گا؟ میں اس آدمی کو خدا یاد دلاتا ہوں جس کے پاس اس قاتل کا علم ہو مجھے ضرور اطلاع دے۔ یہ سن کر بکر بن شداخؓ نے آپ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا، میں نے اس کو قتل کیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ اکبر! تم نے اس کا خون کیا ہے؟ اپنے بچاؤ کے لیے دلیل پیش کرو۔ بکر بن شداخؓ نے عرض کیا بیشک سنئے فلاں آدمی جہاد کے لیے نکلا اور میری نگرانی میں گھر والوں کو دے گیا۔ میں آیا اور میں نے اس یہودی کو اس غازی کے مکان میں پایا، یہ یہودی کہہ رہا تھا:-

واشعث غرہُ الاسلام منّی	خلوت بعرسہٖ لیل التمام
ابیت علی ترائبھا ویمسی	علی جرد الاحقۃ الحزام
کأن مجامع الربلات منہا	فئام ینھضون الیٰ فئام

ترجمہ اشعار

۱ اور اشعث! اس کو اسلام نے میری جانب سے دھوکہ میں ڈال دیا میں نے اس کی بیوی کے ساتھ پوری رات تنہائی برتی۔

[1] واخرجہ ابن مندہ وابونعیم۔

۲۔ میں نے اس کی بیوی کی چھاتی پر ساری رات گزاری اور اشعث نے کم بال والی سواری پر جس کے تنگ بندھا ہوا تھا شام کی۔

۳۔ گویا کہ اس عورت کی رانوں کے جوڑوں کی جگہ گروہ در گروہ ہیں جو اٹھ رہے ہیں یہ سن کر حضرت عمرؓ نے حضرت بکر بن شداخؓ کے قول کی تصدیق کی اور ان سے دیت اٹھالی۔ یہ بہ سبب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ہوا۔[1] (جو پیچھے گزری، اے میرے اللہ! اس کے قول کی تصدیق فرما اور اسے کامیابی عطا فرما)

قاسم بن[2] ابی بزہ سے روایت ہے کہ کسی مسلمان نے ملک شام میں ایک ذمّی کو قتل کر دیا تھا جس کا مقدمہ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس لایا گیا اس بارے میں حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس حضرت ابو عبیدہؓ نے لکھا۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر فرمایا اگر ذمّیوں کے قتل کرنے کی اس مسلمان میں عادت پڑ چکی ہے تو اس کو آگے کر کے اس کی گردن مار دو اور اگر طیش میں آکر جلد بازی کی ہے جو اس سے صادر ہوئی تو اس سے چار ہزار رقم دیت کی تاوان میں لو۔[3]

اہل کوفہ[4] میں سے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک لشکر کے امیر کی طرف لکھا جس کو کسی غزوہ میں بھیج رکھا تھا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تمہارے کچھ لوگ عجمی کی تلاش میں نکلتے ہیں اور جب وہ عجمی بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے اور محفوظ ہو جاتا ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ مترس! یعنی ڈرمت، پھر جب اس کو پالیتے ہیں تو قتل کر دیتے ہیں اور مجھے قسم اس ذات کی کہ میری جان اس کے قبضہ میں ہے، کسی ایک کی تم میں سے ایسا کرنے کی اطلاع ملے گی تو میں ضرور اس کی گردن مار دوں گا۔

---

[1] کذا فی الکنز ج ۷ ص ۳۱ واخرجہ ابن ابی شیبۃ عن الشعبی بمعناہ کما فی الاصابۃ ج ۱ ص ۵۲۔ [2] واخرج عبد الرزاق والبیہقی۔ [3] کذا فی کنز العمال ج ۷ ص ۲۹۸۔ [4] واخرج مالک۔

ابی سلمہؓ[1] کی روایت میں اس طرح پر ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا قسم اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کسی نے اپنی انگلی کسی کو بلانے کے لیے آسمان کی طرف اشارہ کیا پھر وہ مشرک اس اشارہ پر مسلمان کی طرف اُتر آیا اور اس مسلمان نے اس مشرک کو مار دیا تو میں اس مسلمان کو ضرور قتل کر دونگا[2]

حضرت[3] انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے تستر کا محاصرہ کیا۔ ہرمزان حضرت عمرؓ کا حکم پاکر قلعہ سے اُتر آیا۔ میں اسے لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ جب ہم حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کلام کر اس نے کہا زندوں کی بات کروں یا مُردوں کی؟ (یعنی اگر زندگی کی امید ہو تو ویسی بات کروں اور اگر قتل کی امید ہے تو ایسی بات کروں) حضرت عمرؓ نے فرمایا تو بات کر کوئی ڈر نہیں۔ ہرمزان نے کہا کہ ہمیں اور تمہیں اے عرب کی جماعت! جب تک اللہ نے چھوڑے رکھا ہم لوگ تمہیں غلام بناتے تھے اور تمہیں قتل کر دیا کرتے تھے اور تم سے چھین جھپٹ کیا کرتے تھے۔ جب خدا تمہارے ساتھ ہو گیا ہمارے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا تم اے انس! کیا کہتے ہو؟ مَیں نے عرض کیا اے امیر المومنین! میں نے اپنے پیچھے بہت دشمن چھوڑے ہیں اور سخت طاقت اور قوت چھوڑی ہے۔ اگر آپ اس کو قتل کر دیں گے تو اس کے سارے لوگ حیات سے ناامید ہو جائیں گے اور یہ بات مسلمانوں کی شوکت میں اور اضافہ پیدا کرے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں براء بن مالک اور مجزاۃ بن ثور رضی اللہ عنہما کے قاتل سے کیا شرما جاؤں؟ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ حضرت عمرؓ اس کو قتل کر دینگے تو میں نے عرض کیا کہ اس کے قتل کے لیے کوئی سبیل نہیں رہ گئی ہے۔ آپ نے

---

[1] وعند ابن صاعد واللالکائی۔ [2] کذا فی کنز العمال ج ۲ ص ۲۹۸۔ [3] واخرج البیہقی ج ص ۵۰

اس سے فرمایا تھا کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے اس سے رشوت لی ہے اور کچھ حاصل کیا ہے۔ حضرت انسؓ نے کہا نہ میں نے اس سے رشوت لی اور نہ مجھے اس کی جانب سے کچھ ملا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اپنے اس دعوی پر میرے پاس اپنے علاوہ کوئی گواہ لاؤ ورنہ میں پہلے تجھے سزا دینے میں ابتدا کروں گا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں باہر نکلا اور حضرت زبیر بن عوامؓ سے ملا۔ انہوں نے میرے ساتھ گواہی دی تب حضرت عمرؓ رکے۔ اور ہرمزان اسلام لے آیا اور اس کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا۔ [1]

حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ [2] فرماتے ہیں کہ جب ہم حضرت عمرؓ کی معیت میں جابیہ پہنچے آپ نے ذمیوں میں سے ایک بڈھے کو دیکھا کہ کھانا مانگتا پھر رہا ہے اس کے متعلق آپ نے دریافت کیا کسی نے بتایا کہ یہ ذمی ہے بڈھا اور کمزور ہو گیا ہے تو حضرت عمرؓ نے جو اس کے ذمہ جزیہ تھا اسے معاف کر دیا اور فرمایا تم لوگوں نے اسے جزیہ کی تکلیف دی جب یہ بڈھا ہو گیا تم نے اس کو ایسی حالت میں کر دیا کہ کھانا مانگتا پھر رہا ہے اور اس کے بعد بیت المال سے اس کے لیے دس درہم مقرر کر دیئے اور اس بڈھے کے بال نیچے بھی تھے، اور دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عمرؓ کا ایک ذمی بڈھے پر گزر ہوا جو مساجد کے دروازوں پر سوال کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم نے تیرے بارے میں انصاف سے کام نہیں لیا۔ ہم تجھ سے تیرے بڑھاپے میں جزیہ لیا کرتے تھے پھر ہم نے تجھ کو تیرے بڑھاپے میں ضائع کر دیا پھر اس کے لیے بیت المال سے اس کے مناسب وظیفہ جاری کیا۔ [3]

---

[1] واخرجہ ایضا الشافعی بمعناہ مختصرا کما فی الکنز ج ۲ ص ۲۹۸ واخرجہ البیہقی ج ۹ ص ۹۶ ایضا من طریق آخر بطولہ وذکرہ فی البدایۃ ج ۷ ص ۸۷ مطولا جدا۔ [2] واخرج ابن عساکر والواقدی۔ [3] کذا فی الکنز ج ۳ ص ۳۰۲-۳۰۱

حضرت[1] یزید بن ابی مالک فرماتے ہیں کہ مسلمان جابیہ میں تھے اور ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ ایک ذمّی آدمی نے آپ کی خدمت میں آکر آپ کو خبر دی کہ لوگوں نے میرے انگور کے باغ میں جھپٹا مارا ہے۔ حضرت عمرؓ نکلے آپ کی اپنے ساتھیوں میں سے ایک آدمی سے ملاقات ہوئی جو ڈھال اٹھائے ہوئے تھا اور اس ڈھال پہ انگور تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اور تم نے بھی جھپٹا مارا ہے اس نے عرض کیا اے امیرالمومنین! ہم لوگوں کو بھوک لگی تھی۔ حضرت عمرؓ وہاں سے واپس ہوئے اور اس باغ والے کے لیے انگوروں کی قیمت دیئے جانے کا حکم دیا۔[2]

حضرت[3] سعید بن مسیبؓ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی حضرت عمرؓ کے پاس جھگڑا لائے۔ حضرت عمرؓ نے حق یہودی کے لیے جانا لہٰذا اس کی موافقت میں فیصلہ دیا۔ یہودی نے آپ سے کہا خدا کی قسم آپ نے حق فیصلہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے کوڑے سے ٹھوکا دیا اور کہا تجھے کس طرح پتہ چلا؟ اس نے کہا خدا کی قسم ہمیں توریت میں یہ لکھا ہوا ملا ہے کہ جو قاضی حق کے ساتھ فیصلہ دیتا ہے اس کے دائیں جانب اور اس کے بائیں جانب دو فرشتے ہوتے ہیں جو اس کو راہِ راست پہ قائم رکھتے ہیں اور اس کو توفیق کی دعا دیتے رہتے ہیں جب تک کہ قاضی حق پہ رہتا ہے اور جب حق کو چھوڑ بیٹھتا ہے وہ فرشتے اسے چھوڑ کر (آسمان پر) چڑھ جاتے ہیں۔[4]

حضرت[5] ایاس بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بازار میں گزرے اور آپ کے پاس دُرّہ تھا آپ نے مجھے کوڑے سے حرکت دی وہ کوڑا میرے کپڑے کے کنارے پہ لگا اور فرمایا راستہ سے کوڑا کرکٹ صاف کر دے۔ جب سال آئندہ ہوا

---

[1] واخرج ابوعبید۔ [2] کذافی کنزالعمال ج ۲ صـ۲۹۹۔ [3] واخرج مالک

[4] کذافی الترغیب ج ۳ صـ۴۵۵۔ [5] واخرج الطبری ج ۵ صـ۳۲

حضرت عمرؓ مجھ سے ملے اور مجھ سے پوچھا کیا تو حج کا ارادہ کر رہا ہے ؟ میں نے کہا جی ہاں۔ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنی قیام گاہ پر لے گئے اور مجھے چھ سو درہم دیئے اور فرمایا اس سے اپنے حج میں مدد حاصل کر اور تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ رقم اس کوڑے کی حرکت کی وجہ سے ہے جس سے میں نے تجھے ٹھوکا دیا تھا۔ میں نے عرض کیا اے امیر المومنین! مجھے وہ یاد نہیں، آپ نے فرمایا میں تو اسے نہیں بھولا۔

عدلِ عثمانیؓ

ابو فراتؓ[1] فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا ایک غلام تھا اس سے فرمایا میں نے تیرا کان ملا تھا تو مجھ سے بدلہ لے، اس نے حضرت عثمانؓ کا کان پکڑا، آپ نے فرمایا سختی سے مل دنیا کا بدلہ کیا ہی اچھا ہے کہ آخرت میں بدلہ نہ لیا جائے[2]

نافع بن[3] عبدالحارثؓ نے کہا کہ حضرت عمر بن خطابؓ مکہ معظمہ تشریف لائے اور جمعہ کے دن دارالندوہ میں داخل ہوئے اور ارادہ کیا کہ دارالندوہ سے مسجد الحرام کے جانے میں ذرا نزدیکی رہے گی، اپنی چادر گھر کی ایک کھونٹی پر ڈال دی اس پر ایک کبوتر وہاں کے کبوتروں میں سے آکر بیٹھا۔ اس کو حضرت عمرؓ نے اڑا دیا اس پر ایک سانپ نے اسے مار ڈالا۔ جب حضرت عمرؓ جمعہ سے فارغ ہو گئے میں اور حضرت عثمان بن عفانؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے اوپر تم دونوں ایک ایسی شے کے بارے میں حکم لگاؤ جو میں نے آج کے دن کی، میں اس گھر میں داخل ہوا تھا اور میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ مسجد

لہ اخرج السمان فی الموافقۃ۔ ۲ہ کذا فی الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ للمحب الطبری ج۲ ص۱۱۱۔ ۳ہ اخرج الامام الشافعی فی مسندہ ص۷۴۔

الحرام میں یہاں سے جانے میں ذرا نہ دیکھی رہے گی میں نے اپنی چادر اس کپڑا لٹکانے کی لکڑی پر لٹکا دی - اس پر ان کبوتروں میں سے ایک کبوتر آ بیٹھا۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں اپنی بیٹ سے میری چادر ملوث نہ کر دے میں نے اس کبوتر کو کپڑے پر سے اڑا دیا - وہ ایک دوسری لکڑی پر بیٹھ گیا - اس پہ ایک سانپ لپکا اور اُسے مار ڈالا - اب میں اپنے جی میں خیال کر رہا ہوں کہ میں نے اس کو ایسی جگہ سے اُڑایا جہاں وہ با امن تھا اور ایسی جگہ کی طرف اُڑایا جس میں اس کی موت واقع ہوئی - حضرت نافع رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضؓ سے کہا آپ کی اس کے کفّارہ میں دو دانتی بھوری بکری کے صدقہ کئے جانے کے بارے میں کیا رائے ہے کہ آپ اس کا فیصلہ امیر المومنین کو دیں ؟ حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا میرا بھی یہی خیال ہے چنانچہ حضرت عمر رضؓ نے اسی کے لیے حکم دیا۔

عدلِ حضرت علی رضؓ

کلیب رضؓ[۱] فرماتے ہیں کہ اصبہان سے حضرت علی رضؓ کے پاس مال آیا اسکی سات حصّوں پر آپ نے تقسیم کی، اس مال میں ایک چپاتی روٹی بھی تھی اس کے بھی سات ٹکڑے کئے اور ہر حصّہ میں اس کا ایک ایک ٹکڑا شامل کر دیا پھر ان حصّہ پانے والے ساتوں سرداروں کو بلایا اور ان کے درمیان میں اس لیے قرعہ اندازی کی کہ ان میں سے کسے پہلے دیا جائے ؟ [۲]

عبداللہ ہاشمی[۳] اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا حضرت

---

[۱] اخرج البیہقی ج ۶ ص ۳۴۸ و ابن عساکر۔ [۲] کذا فی الکنز ج ۲ ص ۱۶۶ واخرجہ ابن عبد البر فی الاستیعاب ج ۳ ص ۴۹ ۔ [۳] واخرج البیہقی ج ص ۳۸ عن عیسٰی بن عبداللہ الہاشمی۔

علیؓ کے پاس دو سائل عورتیں آئیں ایک عرب کی رہنے والی تھی اور دوسری اس کی آزاد کردہ باندی تھی۔ حضرت علیؓ نے ایک ایک بوری غلہ کی اور چالیس چالیس درہم دیئے جانے کا حکم فرمایا آزاد شدہ باندی تو جو اُسے دیا گیا اسے لے کر چلی گئی، عربیہ عورت بولی اے امیر المومنین! کیا آپ مجھے بھی اُسی جیسا دے رہے ہیں، جو اسے دیا ہے حالانکہ میں عرب کی رہنے والی ہوں اور وہ آزاد شدہ باندی ہے حضرت علیؓ نے اس عورت کو جواب دیا۔ میں نے اللہ کی کتاب میں غور کیا میں نے تو اولادِ اسمٰعیلؑ کی اولادِ اسحٰقؑ پر کوئی فضیلت نہیں دیکھی۔[1]

حضرت علی بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ جعدۃؓ بن ہبیرہ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ کی خدمت میں اے امیر المومنین! دو آدمی آتے ہیں، ان میں سے ایک کو آپ اس قدر محبوب ہیں کہ اسے اتنی محبوب اپنی جان نہیں یا جعدہؓ نے اس طرح کہا کہ اس کے اہل اور اس کے مال سے آپ اسے زیادہ محبوب ہیں اور دوسرے کا یہ حال ہے کہ اگر اسے آپ کے ذبح کرنے پر قابو مل جائے تو آپ کو ذبح کر دے۔ آپ اس (ذبح کرنے والے) کے لیے فیصلہ اس (محبت رکھنے والے) کے خلاف دیتے ہیں؟ حضرت علیؓ نے جعدہؓ کے سینے پہ ایک ہاتھ مارا اور فرمایا اگر یہ فیصلہ میری چیز ہوتی تو میں (تیری منشا کے مطابق) کرتا لیکن یہ ایک ایسی شے ہے جو صرف اللہ کے لیے ہے۔[2]

اصبغ بن نباتہؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کے ہمراہ بازار گیا۔ بازار والوں کو دیکھا کہ وہ اپنے مکانوں سے تجاوز کئے ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ بازار والے اپنی جگہوں سے آگے بڑھ گئے ہیں حضرت علیؓ نے فرمایا کیا اس بات کا انہیں اختیار نہیں؟ (یعنی انہیں ایسا کرنے کی گنجائش

[1] واخرج ابن عساکر۔ [2] کذا فی الکنز ج ۳ ص ۱۶۶۔ [3] واخرج ابو عبید فی الاموال۔

ہے) مسلمانوں کا بازار نمازیوں کی طرح ہے جو آدمی جس جگہ پہلے پہنچ گیا وہ اسی کے ہے جب تک کہ اس جگہ کو چھوڑے نہیں۔ [۱]

عدلِ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ

خیبر[۲] کے قصہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک طویل روایت کے ضمن میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اہلِ خیبر کے پاس ہر سال خیبر کے کھجوروں کا تخمینہ کرنے کے لیے جایا کرتے تھے اور جو کچھ ان کے تخمینہ میں ٹھہرتا اس کا آدھا اہلِ خیبر پر مقرر کر آتے۔ اہلِ خیبر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ وہ تخمینہ پیداوار سے زیادہ لگا آتے ہیں اور (ادھر) حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو رشوت کا لالچ دیا، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا، اے اللہ کے دشمنو! تم مجھ کو حرام کھلاؤ گے؟ میں تمہارے پاس ایک ایسی ذاتِ گرامی کی طرف سے آیا ہوں جو تمام لوگوں سے مجھے محبوب ہے اور تم لوگ مجھے ایسے مبغوض ہو کہ تمہاری تعداد کے برابر بندر اور سؤر بھی ایسے مبغوض نہیں، لیکن میرا تم سے یہ بغض رکھنا اور حضورؐ سے (اس درجہ) محبت رکھنا اس بات پہ آمادہ نہیں کر سکتا کہ میں تمہارے ساتھ انصاف نہ برتوں، یہ سُن کر یہود نے کہا انہیں باتوں سے آسمان و زمین قائم ہیں[۳] (یعنی اس انصاف کی بدولت)

عدل حضرت مقداد بن اسودؓ

حارث[۴] بن سویدؓ فرماتے ہیں کہ مقداد بن اسودؓ کسی لشکر میں تھے دشمنوں کا محاصرہ کیا۔ امیرِ لشکر نے حکم نافذ کیا کہ کوئی اپنی سواری کو چرانے نہ جائے۔

ایک آدمی اپنی سواری چرانے کے لیے چلا گیا، اس کو اُس حکم کی اطلاع نہیں ملی تھی امیر نے اس کو مارا یہ آدمی لوٹا اور کہہ رہا تھا میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا جس کا آج سابقہ پڑا۔ حضرت مقدادؓ (ادھر سے گزرے) آپ نے پوچھا تیرا کیا حال ہے؟ اس نے حضرت مقدادؓ سے اپنا قصّہ بیان کیا۔ حضرت مقدادؓ نے تلوار گلے میں لٹکائی اور اس کے ساتھ امیر لشکر کے پاس پہنچ کر کہا اپنے نفس سے اسے قصاص لینے دو، امیر قصاص دینے پر تیار ہوا اس آدمی نے معاف کر دیا۔ حضرت مقدادؓ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے میں اس حال میں مرنے کی کوشش کرتا رہوں گا کہ اسلام معزز ہو۔

اللہ عادل حکمرانوں کے ساتھ ہوتا ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْقَاضِیْ مَالَمْ یَجُرْ فَاِذَا جَارَ تَخَلّٰی عَنْہُ وَلَزِمَہُ الشَّیْطَانُ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ زیادتی نہ کرے اور جب زیادتی کرے تو اللہ اس سے الگ ہو جاتا ہے اور شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ (اس حدیث کو ترمذی ابن ماجہ سے نقل کیا ہے)

وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَاِذَا جَارَ وَکَلَہٗ اِلٰی نَفْسِہٖ)

اور ایک روایت میں ہے جب وہ زیادتی کرے تو اللہ اس کو اس کے نفس کی طرف سونپ دیتا ہے

وَعَنْ سَعِیْدِ ابْنِ الْمُسَیِّبِ اَنَّ

اور سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ ایک مسلمان

مُسْلِمًا وَّيَهُوْدِيًّا اِخْتَصَمَا اِلٰى عُمَرَ فَرَاٰى الْحَقَّ لِلْيَهُوْدِيِّ فَقَضٰى لَهٗ عُمَرُ بِهٖ فَقَالَ لَهُ الْيَهُوْدِيُّ وَاللّٰهِ لَقَدْ قَضَيْتَ بِالْحَقِّ فَضَرَبَهٗ بِالدُّرَّةِ وَقَالَ وَمَا يُدْرِيْكَ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ وَاللّٰهِ اِنَّا نَجِدُ فِي التَّوْرَاةِ اَنَّهٗ لَيْسَ قَاضٍ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ اِلَّا كَانَ عَنْ يَمِيْنِهٖ مَلَكٌ وَعَنْ شِمَالِهٖ مَلَكٌ يُسَدِّدَانِهٖ وَيُوَفِّقَانِهٖ لِلْحَقِّ مَادَامَ مَعَ الْحَقِّ

اور یہودی عمر کے پاس جھگڑتے ہوئے آئے، پس دیکھا عمر نے حق واسطے یہودی کے تو فیصلہ اس کے حق میں کیا۔ تو یہودی نے انہیں کہا کہ اللہ کی قسم تو نے صحیح فیصلہ کیا ہے تو عمرؓ نے اس کو دُرّے سے مارا اور فرمایا تمہیں کیا پتہ ہے۔ تو یہودی نے کہا اللہ کی قسم ہم توراۃ میں پاتے ہیں کہ جو قاضی صحیح فیصلہ کرے تو اس کی دائیں جانب ایک فرشتہ ہوتا ہے اور بائیں جانب بھی ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اسے حق کے لیے مضبوط کرتے ہیں اور توفیق دیتے ہیں جب تک کہ وہ حق کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جب وہ حق کو چھوڑ دیتا

فَاِذَا تَرَکَ الْحَقَّ ہے تو وہ فرشتے آسمان پر
عَرَجَا وَ تَرَکَاہُ چڑھ جاتے ہیں اور اسے
(رواہ مالک) چھوڑ دیتے ہیں۔

تفسیر

یہاں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی عبداللہ بن ابی اوفی سے منقول ہے۔ یہ اذا حکمتم بین الناس کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ اور دوسری سعید بن مسیّب سے ہے۔

پہلی حدیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتے ہیں جب تک کہ وہ حق وانصاف کا فیصلہ کرتا رہے اور ظلم و زیادتی نہ کرے اور جب وہ ظلم و زیادتی شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے الگ ہو جاتے ہیں اور پھر شیطان اس کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ یہ روایت تو ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب وہ زیادتی شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے سپرد کر دیتے ہیں۔

دوسری حدیث میں اس پہلی حدیث کی تفصیل ہے کہ اللہ تعالےٰ کس طرح اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کے لیے دو فرشتے مقرر کر دیتے ہیں۔ ایک دائیں طرف ہوتا ہے اور ایک بائیں طرف ہوتا ہے۔ یہ اس کو مضبوط کرتے ہیں اور اس کی حق کیلئے راہ نمائی کرتے ہیں۔ کہ یہ حق ہے اور یہ زیادتی ہے۔ اور جب تک یہ انصاف کرتا رہے گا تو یہ فرشتے اس کے ساتھ اسی طرح مدد کرتے رہتے ہیں۔ اور جب یہ زیادتی شروع کر دیتا ہے تو وہ فرشتے اللہ تعالےٰ کے حکم

سے ہٹ جاتے ہیں۔ کیونکہ اب اگر فرشتے اس کا ساتھ دیں گے تو یہ ظلم پر تعاون ہوگا اور فرشتے ظلم پر کسی کا تعاون نہیں کرتے ۔

بہرحال یہ حدیثیں واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل کی تشریح اور تفسیر ہیں ۔ ان میں ایک تو حکام کو عادل بنانے کا طریقہ بیان فرمایا ہے اور دوسرا عادل حکمرانوں کا مرتبہ بیان فرمایا ہے۔ عادل بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی (جج) کا جب یہ ایمان ہوگا کہ میرے ساتھ میرا اللہ موجود ہے ۔ وہ میری حرکات وسکنات کو جانتا ہے۔ میری حوائج اور ضروریات کو وہی پورا کرنے والا ہے اگر میں حق وانصاف کا فیصلہ اس کے حکم کے موافق کروں گا تو اس کی نصرت میرے ساتھ رہے گی اور اگر اس کے حکم کے خلاف اور مرضی کے برعکس کام کروں گا تو اس کی نصرت سے محروم ہو جاؤں گا اور میرے ساتھ اس کے دو باڈی گارڈ بھی موجود ہیں تو یقیناً وہ حق وانصاف کا ہی فیصلہ کرے گا اور جس کا یہ ایمان نہیں ہوگا وہ ظلم کرے گا۔ یہ تو حکام اور قاضی کو عادل بنانے کا طریقہ ہے۔

دوسرا ان احادیث میں ایسے عادل حکام اور قضات کا مرتبہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے حکام کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی نگرانی فرماتے ہیں تاکہ ان کو کوئی گزند نہ پہنچائے۔ کیونکہ قاضی جب کسی ظالم کے خلاف فیصلہ کرے گا تو ظاہر بات ہے کہ یہ ظالم جو ہوگا وہ ایسے قاضی کو بھی تو معاف نہیں کرے گا۔ لیکن اللہ تعالےٰ ایسے قاضی کی مدد اور نصرت فرماتے ہیں ۔ اس حدیث سے اشارتاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے ساتھ جو فرشتے ہوتے ہیں یہ ان فرشتوں

کے علاوہ ہوتے ہیں جو صبح و شام بدلتے رہتے ہیں جن کو قرآن مجید نے لہ معقّبٰتٌ من بین یدیہ ومن خلفہ سے تعبیر فرمایا ہے اسی طرح کراماً کاتبین بھی ان کے علاوہ ہیں جو ہر وقت انسان کے اعمال لکھتے رہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ عادل حکام کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک خصوصی شان اور اعتبار ہے اور ظالم حکام سے اللہ تعالیٰ کو نفرت ہے اس کی تفصیل آئندہ احادیث میں آ رہی ہے۔

عدلیہ کی اصلاح اور طریقہ خوف خدا

عَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ	بریدہ سے روایت ہے کہ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	وسلم نے فرمایا کہ قاضی تین
اَلْقُضَاةُ ثَلٰثَةٌ وَاحِدٌ	ہیں۔ ایک جنت میں ہوگا،
فِی الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ	اور دو دوزخ میں ہوں گے
فِی النَّارِ فَاَمَّا	بہرحال جنت میں وہ ہوگا
الَّذِیْ فِی الْجَنَّةِ	جس نے حق کو پہچانا اور اس
فَقَضٰی بِہٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ	کے موافق فیصلہ کیا۔ اور
الْحَقَّ فَجَارَ فِی الْحُکْمِ	جس آدمی نے حق کو پہچانا پھر
فَھُوَ فِی النَّارِ	فیصلہ میں زیادتی کی تو وہ دوزخ
وَرَجُلٌ قَضٰی لِلنَّاسِ	میں ہوگا۔ اور تیسرا وہ آدمی
عَلٰی جَھْلٍ فَھُوَ	جو لوگوں میں فیصلہ کرے

فِي النَّارِ۔

دراں حالیکہ وہ جاہل ہو تو وہ بھی دوزخ میں ہوگا۔

(رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ حَاکِمٍ یَحْکُمُ بَیْنَ النَّاسِ اِلَّا جَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَمَلَکٌ اٰخِذٌ بِقَفَاہُ ثُمَّ یَرْفَعُ رَاْسَہٗ اِلَی السَّمَآءِ فَاِنْ قَالَ اَلْقِہٖ۔ اَلْقَاہُ فِیْ مَھْوَاۃٍ اَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو حاکم لوگوں میں فیصلہ کرے تو قیامت کے دن وہ آئیگا اس حال میں کہ فرشتے نے اس کو گدی سے پکڑا ہوا ہوگا۔ پھر وہ آسمان کی طرف سر اٹھائے گا۔ اگر اللہ اس کو کہے گا کہ اسے آگ میں ڈال دو تو وہ اسے چالیس سال کے گڑھے میں ڈال دے گا۔

(رواہ احمد و ابن ماجہ)

عَنْ عَائِشَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیَاْتِیَنَّ عَلَی الْقَاضِی الْعَدْلِ

حضرت عائشہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا عادل قاضی پر جب قیامت کا

يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَتَمَنّٰى اَنَّهٗ لَمْ يَقْضِ اِثْنَيْنِ فِىْ تَمْرَةٍ قَطُّ۔ (رواہ احمد)	دن آئے گا تو وہ افسوس کرے گا کہ اس نے دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور میں بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔

تشریح احادیث

یہاں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی بریدہ والی ہے۔ دوسری عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور تیسری حضرت عائشہؓ سے۔

بریدہ والی میں یہ فرمایا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔ ایک جنت میں جائے گا اور دو دوزخ میں جائیں گے۔ جنت میں وہ جائے گا جس نے حق وانصاف کو پہچانا ہوگا اور اس کے موافق فیصلہ بھی کیا ہوگا۔ اور جس نے حق وانصاف کو پہچانا ہو اور فیصلہ اس کے برعکس کرے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور جو حق وانصاف کو جانتا ہی نہ ہو اور وہ لوگوں میں فیصلہ کرے تو وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔

عبداللہ بن مسعودؓ والی حدیث میں اللہ کے دربار میں حکام کی پیشی کا طریقہ بیان فرمایا ہے کہ فرشتے ہر حاکم کو گدی سے پکڑ کر اللہ کے حضور میں پیش کریں گے۔ پھر اللہ جس کے بارے میں ارشاد فرمائے گا کہ اس کو دوزخ میں ڈالو تو وہ فرشتہ اسے دوزخ میں ڈال دے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وہی ہوگا جس کے بارے میں بریدہ والی حدیث میں تفصیل آگئی ہے۔

حضرت عائشہؓ والی حدیث میں جس افسوس کا ذکر ہے بظاہر یہ

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب عادل قاضی ظالموں کے ساتھ یہ برتاؤ دیکھے گا۔ اور ان احادیث میں جو حقوق کا ذکر آیا ہے یہ اجمال ہے تفصیل نہیں ہے۔ بعض حقوق کی تفصیل تو خلاصہ تفسیر القرآن جلد خامس میں حقوق نسواں میں بیان ہو چکی ہے اور بعض کی تفصیل خلاصہ تفسیر القرآن جلد سادس، متعلقہ اسلامی معیشت میں بیان ہو چکی ہے اور بقیہ حقوق کی تفصیل انشاء اللہ اپنے اپنے موقعہ پر بیان ہوگی۔

بہر حال ہر حاکم قاضی کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ مخلوق میں سے کسی کا کیا حق ہے اور کتنا حق ہے۔ نیز اسے یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ انصاف سے فیصلہ کیا تو کیا فائدہ ہوگا اور اگر غلط فیصلہ کیا تو عند اللہ اس کا کتنا بڑا گناہ ہے اور اس کی کیا سزا ہے۔ یہ دونوں چیزیں اگر پیش نظر ہوں تو حکام کی یقیناً اصلاح ہو جائے گی اور پھر وہ حق وانصاف کے موافق فیصلے کریں گے۔ اور کسی پر وہ زیادتی نہیں کریں گے۔ اس لیے جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے حکام اور قضاۃ کو بنی نوع انسان کے باہم حقوق بھی بتا دیئے ہیں اور ان کی ادائیگی کے طریقے بھی بتا دیئے ہیں۔ صحیح فیصلہ کرنے کے مراتب معیار اور غلط فیصلہ کرنے کے دنیاوی اور اخروی نتائج بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ اب عمل کرنا یا نہ کرنا یہ ان حکام اور قضاۃ کا کام ہے اور حق کے تعارف کے لیے اپنی دانست اور شعور کافی نہیں جیسا کہ چور اور رہزن اور مسلوبہ مسروقہ مال کو اپنا حق سمجھتا ہے بلکہ حق اسے کہا جائے گا جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حق فرمایا ہے۔ اور جسے اللہ اور اس کے رسول نے ناحق فرمایا ہے وہ ناحق ہے۔

عہدہ قضا سے اجتناب چاہیئے مگر ناگزیر حالات میں جائز ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ - قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جُعِلَ قَاضِیًا بَیْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِكِّیْنٍ ۔ (رواہ احمد والترمذی وابو داود وابن ماجہ)

ابوہریرہ سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو لوگوں پر ناحق قاضی بنایا گیا پس تحقیق وہ سوائے چھری کے ذبح کر دیا گیا ۔ (یہ حدیث احمد ترمذی، ابوداود اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَغَی الْقَضَاءَ وَسَاَلَ وُكِّلَ اِلٰی نَفْسِهٖ وَمَنْ اُكْرِهَ عَلَیْهِ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْهِ مَلَكًا یُسَدِّدُهٗ ۔

انس سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قضاء کا عہدہ طلب کیا اور مانگا تو اسے اس کے نفس کی طرف سونپا جاتا ہے اور جسے مجبور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر فرشتہ اتارتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے

(رواہ الترمذی و ابوداود و ابن ماجہ)

ہے (یہ حدیث ترمذی ابوداود اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ قَضَاءَ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی یَنَالَهٗ ثُمَّ غَلَبَ عَدْلُهٗ جَوْرَهٗ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ غَلَبَ جَوْرُهٗ عَدْلَهٗ فَلَهُ النَّارُ۔

(رواہ ابوداود)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسلمانوں کی قضا طلب کی یہاں تک کہ اسے پالیا پھر اس کا عدل زیادتی پر غالب آیا تو اس کے لیے جنت ہے اور جس کی زیادتی عدل پر غالب آگئی تو اس کے لیے آگ ہے۔

تشریح احادیث

یہاں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ دو ابوہریرہؓ سے مروی ہیں اور ایک انسؓ سے۔ ابوہریرہؓ کی پہلی حدیث میں جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جس کو لوگوں کا قاضی بنایا گیا گویا وہ سوائے چھری کے ذبح کر دیا گیا ہے۔ محدثین حضرات نے اس کا معنی یہ بیان فرمایا ہے کہ یہاں ذبح سے مراد ہلاکت دین ہے یعنی اس سے دین جاتا رہے گا کیونکہ یہ اگر ناجائز فیصلہ کرے گا تو اس کے لیے دوزخ

کی سزا پہلے بیان ہو گئی ہے۔ اور اس کو بغیر چھری کے ذبح سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ چھری سے ذبح کی وقتی تکلیف ہو گی اور یہ دوزخ میں تکلیف دائمی ہو گی۔ اور اگر یہ حق و انصاف کا فیصلہ کرے تو بھی قلبی پریشانی اور اضطراب اسے ضرور رہے گا کیونکہ یہ سردردی بے دوا اور مفت کی بیماری ہے جو چھری کی ذبح سے کہیں زیادہ ہے اس لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ تعلیم دی ہے کہ آدمی کو اس عہدے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد حضرت انس والی حدیث ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو از سر خود اس عہدے کی خواہش نہیں کرنی چاہیئے اور اگر اس نے ایسا کر کے بادشاہ سے عہدہ قضا لے لیا تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال نہیں ہو گی۔ بلکہ اسے اسی کے حوالے اور سپرد کیا جاتا ہے کہ تم خود اپنا تحفظ کرو۔ اور اگر اسے اس عہدے کے لیے مجبور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کے لیے فرشتے اتارتے ہیں۔ اور اس مجبوری کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ حاکم وقت اسے اس عہدے کا اہل سمجھ کر اسے یہ عہدہ دے اور وہ قبول نہ کرے اور پھر حاکم اسے مجبور کر کے اسے قاضی مقرر کر دے تو اس وقت اللہ کی طرف سے اس کی مدد اور نصرت ہو گی۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر دیں گے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ ظالم جابر یا غیر مسلم حکام سے بچنے کے لیے اسے مجبور کریں کہ تم ہمارے درمیان عدل و انصاف کا فیصلہ کرو۔ تو اس وقت بھی یہ مجبور ہے اگر اس نے عہدہ قبول کر کے فیصلہ کیا تو اس کی بھی من جانب اللہ

نصرت ہوگی۔

بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو از سرِ خود عہدہ قضا کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اگر اسے مجبور کیا جائے تو حرج نہیں ہے پھر نصرت خداوندی اس کے شاملِ حال ہوگی۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ سے دوسری حدیث مروی ہے۔ اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ آدمی عہدہ قضا طلب کرے اور پھر نظامِ عدل کو ظلم پر غالب کر دکھائے تو اس کی بھی نصرت ہوگی اور اس کو جنت میں داخلہ ملے گا اور جس نے ظلم کو غالب کیا تو اس کے لیے دوزخ ہے۔ بہرحال اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ آدمی کو عدل و انصاف قائم اور نافذ کرنے کی خاطر تو عہدہ قضا قبول کر لینا چاہیئے اور ظلم و تشدد اور شکم سیری اور نفس پروری کے لیے نہیں قبول کرنا چاہیئے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اس کی نصرت نہیں فرمائیں گے۔ اور اس کے تباہ کن اور قبیح نتائج کا وہ خود ذمہ دار ہوگا اور دنیا و آخرت میں اس کا خمیازہ بھگتے گا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ	اور بادشاہ نے کہا کہ اسے
ائْتُونِي بِهِ	میرے پاس لے آؤ تاکہ
أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي	میں اسے خاص اپنے پاس
فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ	رکھوں۔ پھر جب اس
إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا	سے بات چیت کی کہا
مَكِينٌ أَمِينٌ ○	بے شک تو آج سے
قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى	ہمارے ہاں بڑا معزز

خَزَائِنِ الْاَرْضِ ج اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝
(سورہ یوسف ایت ۵۴-۵۵)

اور معتبر ہے۔ اس نے کہا مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دے بے شک میں خوب حفاظت کرنے والا جاننے والا ہوں۔

تفسیر

ان آیتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام اور شاہِ مصر کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا بیان ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان بڑی لمبی ہے۔ اس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔ اس وقت اتنا عرض کرنا ہے کہ بادشاہِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جب وزارتِ خزانہ کی پیش کش کی تو آپ نے اسے قبول فرمالیا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اس ملک پہ ایک بہت بڑی مصیبت قحط سالی کی صورت میں آنے والی تھی جس سے حضرت یوسف علیہ السلام آگاہ تھے اور وہی ان حالات میں کنٹرول کر سکتے تھے۔ اور ظلم پہ عدل و انصاف کا غلبہ دکھا سکتے تھے اس لیے آپ نے وہ عہدہ قبول فرمالیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نظام اسلام کی خاطر اور غلبہ اسلام دکھانے کے لیے عہدہ قضا قبول کیا جا سکتا ہے۔

قاضی کو ہشاش بشاش ہونا چاہیئے

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ بَیْنَ اِثْنَیْنِ وَھُوَ غَضْبَانٌ۔
(متفق علیہ)

ابی بکرہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ حاکم دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

تشریح

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی کو غصہ کی حالت میں مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ محدّثین نے لکھا ہے کہ شدید گرمی، شدید سردی، بھوک، پیاس اور بیماری بھی اس میں داخل ہے کیونکہ اصل مقصد حق و انصاف مہیّا کرنا ہے اور ان حالات اور کیفیات میں قاضی صحیح سوچ بھی نہیں سکے گا۔ اور اس کی عقل مغلوب ہو جائے گی۔ قاضی ہشاش بشاش ہو گا تب ہی تو صحیح فیصلہ دے سکے گا۔ اس لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا اور اس

سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قاضی کو کسی قسم کی منشیات کا عادی بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جس طرح مذکورہ کیفیات سے عقل میں خلل پڑتا ہے اسی طرح منشیات سے کہیں زیادہ خلل پڑتا ہے۔ اس لیے شریعت نے انہیں حرام کیا ہے کیونکہ یہ اسراف ہے اور ظلم کا باعث بھی ہیں۔ اور ان چیزوں کا عادی انسان معاشرہ کو انصاف نہیں مہیّا کر سکے گا۔

اسی لیے اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اور فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ اے ایمان والو نماز کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ جان نہ لو جو تم کہتے ہو۔ حالانکہ نماز دین کا ستون ہے مگر چونکہ نشہ کی حالت میں انسان کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس لئے اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح نشہ کی حالت میں یا غیظ و غضب اور امراض وغیرہ کی حالت میں ایک حاکم وقت اور قاضی کو انصاف یا غیر انصاف کا پتہ نہیں چلے گا اس لیے اس حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ مدعی اور مدعا علیہ کو صحیح انصاف مہیّا ہو سکے۔

قاضی کو بوقتِ ضرورت اجتہاد کی اجازت ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَمْرٍو وَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ وَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ وَاَخْطَاءَ فَلَهٗ اَجْرٌ وَاحِدٌ۔
(متفق علیہ)

عبد اللہؓ بن عمروؓ اور ابی ہریرہؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی حاکم فیصلہ کرے پھر اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر وہ فیصلہ کرے اور اجتہاد بھی کرے اور اس سے غلطی ہو جائے تو اس کو ایک اجر ملے گا

عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهٗ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِیْ اِذَا

معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ کس طرح فیصلہ کرے گا تو

عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جب کوئی فیصلہ کرنا ہو تو اس نے کہا اللہ کی کتاب کے بموجب آپ نے فرمایا اگر تو اللہ کی کتاب میں نہ پائے تو اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر۔

قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ قَالَ أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي وَلَا آلُو قَالَ فَضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدْرِهِ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ لِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُولُ اللهِ۔

آپ نے فرمایا کہ اگر تو رسول اللہ کی سنت میں نہ پائے۔ تو اس نے کہا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کمی نہیں کروں گا۔ اس نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر مارا اور فرمایا کہ تمام تعریفیں ہیں اس اللہ کے لیے جس نے اللہ کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی

(رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی) جسے رسول اللہ پسند کرتا ہے۔

تشریح

یہاں اس باب میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ ایک عبداللہ بن عمرو اور ابوہریرہ والی ہے اور دوسری معاذ بن جبل والی ہے

پہلی میں جناب نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب حاکم قاضی کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرے اور اس کا اجتہاد صائب ہو یعنی اللہ کی مرضی کے موافق ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے۔ ایک اجتہاد کرنے کا اور دوسرا صائب ہونے کا۔ اور اگر اجتہاد کرنے میں اس سے غلطی ہو جائے تو پھر اس کو ایک اجر ملے گا کیونکہ اس نے اپنی طرف سے جدوجہد تو کی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ شریعت محمدی میں اجتہاد کی اجازت ہے۔

دوسری حدیث حضرت معاذ بن جبل والی ہے۔ اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اجتہاد کا مرتبہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہے۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ مجتہد کا اجتہاد یقینی نہیں ہے کہ وہ صحیح ہو۔ اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے اور اس میں وہ مجرم نہیں ہوتا بلکہ وہ اجر پاتا ہے۔ اگر اس کا اجتہاد صحیح ہو گیا تو دو اجر پاتا ہے اور اگر غلط ہو گیا تو ایک اجر پاتا ہے اور اجتہاد یہ ہے کہ مثلاً دو چیزوں میں علت مشترک ہو۔ اور ایک کے حکم کے بارے

میں نص یعنی کوئی آیت یا حدیث موجود ہو اور دوسری میں نہ ہو تو اس چیز کو نص والی چیز پر قیاس کر کے وہی حکم لگا دینا جو نص والی کا ہے جیسا کہ گندم، جو، کھجور، سونا، چاندی اور درہم۔ ان چھ چیزوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ برابر بیچو تو جائز ہے اور ایک طرف سے زیادہ ہو تو سود ہے جو حرام ہے۔ اب ان کے علاوہ جو بھی چیزیں وزن کر کے یا ماپ کر کے بیچی جاتی ہیں انہیں ان چھ پر قیاس کر کے ان میں بھی ایک طرف سے زیادہ کو حرام قرار دینا اس کا نام قیاس ہے۔ شریعت نے قاضی کو اس اجتہاد کی اجازت دی ہے۔ البتہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کسی کو اجتہاد کی اجازت نہیں ہے اور بعض فقہائے نے فرمایا ہے کہ اجماع کے ہوتے ہوئے بھی اجتہاد کی اجازت نہیں۔

قاضی کتاب و سنت کو چھوڑ کر اپنے اجتہاد پر عمل نہ کرے

یہ بات ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں۔ اور دونوں کے دائرہ اور حدود کے اندر رہ کر قاضی کو اجتہاد کا حق حاصل ہے اور اس وقت وہ منصور من اللہ بھی ہو گا۔ اور کتاب اللہ اور سنت رسول یعنی وحی الٰہی کو چھوڑ کر اپنی طرف سے کسی پیغمبر کو بھی فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں تھی جیسا کہ حضرت داؤد کے بارے میں یہ آیت گزر گئی ہے کہ یا داؤد انا جعلناك خليفة فى الارض فاحكم

بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلك عن سبیل اللہ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب (سورۃ ص آیت ۲۶) اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں اپنا نائب بنایا ہے پس تو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر اور اپنی خواہش کی پیروی نہ کر۔ ورنہ وہ پیروی تجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کرے گی۔ اور جو لوگ اللہ کے راستے سے گمراہ ہوتے ہیں ان کے لیے بڑا سخت عذاب ہے کیونکہ وہ یوم حساب کو بھول گئے ہیں۔

اس آیت کی پوری تفصیل عنوان نمبر ۷ میں بیان ہو چکی ہے یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کو جو اتباع ہوا سے منع فرمایا ہے اور اس کا نقصان بھی بیان فرمایا ہے کہ اتباع ہوا سے تم گمراہ ہو جاؤ گے اور گمراہوں کے لیے سخت عذاب ہے۔ وہ اتباع ہوا کیا چیز ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس سے مراد اپنی ذاتی رائے اور خواہش کے تحت چلنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رائے گرامی اور خواہش کو پس پشت ڈالنا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو منع فرمایا ہے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے صریح حکم کی موجودگی میں اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اور اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے۔ انا انزلنا الیك الکتاب بالحق لتحکم

بین الناس بما اراك الله ولا تکن للخائنین خصیما واستغفر الله (سورۃ النساء آیت ۱۰۵) اے نبی ہم نے یہ کتاب تیری طرف اس لیے اتاری ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے دکھایا ہے اور خائنین کی طرف سے جھگڑا مت کرنا اللہ سے معافی مانگ۔

اس آیت کی باقی تفصیل تو عنوان نمبر ۱۲ میں گزر چکی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ یہ آیات جس کیس کے بارے میں آتری ہیں اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادات کی روشنی میں یہ اندازہ لگالیا تھا کہ یہودی مجرم ہے اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا بندوبست بھی کرلیا تھا۔ مگر ابھی اس پر عملدرآمد نہیں ہوا تھا کہ وحی اُتری اور اصل مجرم کا انکشاف فرمادیا اور حکم دیا کہ سابق فیصلہ کالعدم کرو اور معافی مانگو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تنبیہ اجتہاد میں غلطی پر فرمائی گئی ہے اور وہ غلطی یہ تھی کہ آپ نے سرسری طور پر ہی کیس کی سماعت فرمائی اور فیصلہ دے دیا اور گواہوں کے بارے میں یہ تحقیق نہ فرمائی کہ یہ سچے ہیں یا جھوٹے۔ حالانکہ تزکیۂ شہود ضروری تھا۔ یہ آپؐ سے بے احتیاطی ہوئی جس سے اللہ تعالیٰ نے فوراً بذریعہ وحی روک دیا اور آپ کو آگاہ فرمایا۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ درحقیقت تعریض ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے شاید آپ کی اُمّت کے حکام اور قضاۃ کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ عوام الناس میں فیصلہ کرتے وقت معاملہ اور مقدمہ کی پوری تحقیق کرنا ہے اور پھر کوئی فیصلہ کرنا ہے۔ اگر بلاتحقیق اور اپنی رائے سے فیصلہ کروگے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

بڑی سخت گرفت کی جائے گی۔ اور جب اس سے آپؐ کی امّت کے حکام اور قضاۃ کو سمجھانا مقصود ہے تو پھر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدل و انصاف کا مسئلہ بہت اہم ہے کہ کوئی بڑی سے بڑی ہستی بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام عدل سے سرمو ہٹ کر بھی کوئی فیصلہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں فرمائیں گے

پس خلاصہ اور لب لباب یہ ہوا کہ کتاب اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر صرف اپنی رائے سے کسی قاضی یا جج کو فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اور اگر اسے کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسئلہ نہ ملے تو پھر ان دونوں میں سے کسی آیت یا حدیث یا اجماع پر قیاس کر کے فیصلہ کر سکتا ہے۔ یہ تو سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۰۵ کی تفصیل ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے حکم کے موافق فیصلہ کرنے کا فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح سورۃ الجاثیہ آیت ۸ میں فرمایا ہے ثم جعلنٰك علی شریعۃ من الامر فاتبعها ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون۔ ہم نے آپ کو شریعت پر مقرر کیا ہے اب اس کی اتباع کریں۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کریں جو نا سمجھ ہیں۔ پس اس آیت کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتباع شریعت کا حکم آیا ہے۔ اور لوگوں کی خواہشات کے اتباع سے منع فرمایا ہے۔ پس سورۃ النساء کی آیت ۱۰۵ اور سورۃ الجاثیہ کی آیت ۱۸ کو باہم ربط دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام یا قضاۃ مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان فیصلہ کرتے وقت نہ تو اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کر

سکتے ہیں۔ اور نہ کسی اور کی رائے یا قانون کے موافق بلکہ انہوں نے صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق فیصلہ دینا ہوگا۔ اور اگر اس کے خلاف کریں گے تو گرفت ہو جائیگی۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ
اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ
الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ
لِقَآءَنَا ائْتِ
بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ
اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ
مَا یَكُوْنُ لِیْٓ
اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ
تِلْقَآئِ نَفْسِیْ
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا
مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ
اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ
عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ
یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝
(سورۃ یونس آیت ۱۵)

اور جب ان کے سامنے
واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں
وہ لوگ کہتے ہیں جنہیں
ہماری ملاقات کی امید نہیں
کہ اس کے سوا کوئی قرآن
لے آیا اسے بدل دے
آپ کہہ دیں کہ میرا کام
نہیں کہ اپنی طرف سے
اسے بدل دوں میں اسی
کی تابعداری کرتا ہوں جو
میری طرف وحی کی جائے
اگر میں اپنے رب کی
نافرمانی کروں تو بڑے
دن کے عذاب سے
ڈرتا ہوں۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا
بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۝
لَاَخَذْنَا مِنْهُ

اور اگر وہ کوئی بناوٹی
بات ہمارے ذمہ لگاتا
تو ہم اس کا داہنا ہاتھ

بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ	پکڑ لیتے۔ پھر ہم اس
لَقَطَعْنَا مِنْهُ	کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے
الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ	پھر تم میں سے کوئی
مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ	بھی اس سے روکنے
حَاجِزِيْنَ ۝	والا نہ ہوتا۔

(سورۃ الحاقہ آیت ۴۴ تا ۴۷)

تفسیر

یہاں دو آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی سورۃ یونس کی ہے اور دوسری سورۃ الجاثیہ کی۔ سورۃ یونس والی آیت میں تو مشرکین کا مطالبہ اور اس کا جواب نقل کیا گیا ہے۔ مطالبہ ان کا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تھا کہ آپ اس قرآن کو چھوڑ کر کوئی اور قرآن لے آئیں تو ہم اسے مان لیں گے۔ یا اس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم کریں یعنی کچھ باتیں تمہاری مرضی کی ہوں اور کچھ ہماری مرضی کی ہوں تو بھی ہم آپ سے اتفاق کریں گے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اس لیے کہ آپؐ تو اس پروردگار کے رسول تھے۔ اور سوال کتابِ الٰہی کو بدلنے کا تھا جس کے آپ مجاز نہیں تھے اس لیے آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اللہ رب العزّت نے وحی کے ذریعہ آپؐ کو جواب سکھایا اور آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کو یہ جواب دیں۔ سوال میں چونکہ دو شقیں تھیں ایک یہ ہے کہ سارا قرآن بدل دو اور دوسری یہ ہے کہ اس میں ترمیم کر دو تو اللہ تعالیٰ نے دوسری شق کا جواب دیا ہے کہ آپؐ

فرمادیں کہ میں اس میں اپنی مرضی سے ترمیم نہیں کر سکتا۔ اوراس جواب میں پہلی شق کا جواب خود ہی سمجھ میں آگیا۔ کہ جب میں اس میں ترمیم نہیں کر سکتا تو پھر سارا قرآن تو بطریقہ اولیٰ بدلنا میرا کام نہیں ہے اگر میں اس قرآن کو چھوڑ دوں یا اس میں ردوبدل کروں تب مجھے بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے اور اس سے مراد آخرت کا دن ہے۔

اس کے بعد سورۃ جاثیہ والی آیت میں فرمایا ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کوئی ایک بات بناکر ہماری طرف نسبت کر دیتے تو ہم اس کی رگ گردن کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی بھی اسے ہم سے نہ بچا سکتا۔ اس میں بتا دیا ہے کہ انہیں ہم دنیا کے اندر بھی اس کی سزا دیتے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بھی دراصل تعریض ہے اس سے شاید اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو اور خصوصی طور پر حکام اور قضاۃ کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی جلیل القدر ہستی سے اگر کوئی غلطی صادر ہو جائے اور کتاب الٰہی کو وہ چھوڑ دے یا اس میں ردوبدل کر دے تو جس طرح وہ گرفت الٰہی سے بچ نہیں سکتے تم کیسے بچو گے۔

اب یہاں مقام غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار یہ تاکید کیوں فرمائی ہے کہ آپ کتاب الٰہی کی اتباع کریں اس میں اپنی مرضی یا کسی اور کی مرضی کی اتباع نہ کریں۔ اور ساتھ ساتھ سزائیں بھی سنائی جا رہی ہیں کہ اگر اس کی خلاف ورزی کرو گے، تو گرفت ہو جائے گی۔ تو بات اصل میں یہ ہے کہ اس سے ایک نظریہ کی تردید اور اس کا قلع قمع کرنا مقصود ہے اور وہ یہ ہے کہ یہود یوں

کا اور عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے بڑے بڑے علماء پیر اور مولوی اور پوپ پادری شریعت میں اور قانون الٰہی میں اپنی مرضی سے ردّوبدل کر سکتے ہیں۔ اور وہ مولوی یا پوپ پادری جسے دین اور قانون الٰہی کہیں وہ ہی قانون الٰہی ہے۔ اور وقتی حکومت اور پارلیمنٹ وغیرہ بھی قانون الٰہی میں تبدیلی کی مجاز ہے۔ اور وہ اپنی طرف سے جسے دین الٰہی کہیں وہ ہی دین الٰہی ہے۔ اسی طرح مشرکین مکہ بھی اسی عقیدہ تبدیلی اور ترمیم کے قائل تھے۔ انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی نظریہ کے تحت مطالبہ کیا تھا کہ آپ اس قرآن کو چھوڑ دیں یا اس میں تبدیلی کریں تو اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ آپ اعلان فرما دیں کہ میں اس قرآن کو نہ چھوڑ سکتا ہوں نہ اس میں تبدیلی کر سکتا ہوں ورنہ میں خود عذاب الٰہی سے بچ نہ سکوں گا۔ جب پیغمبر قرآن میں تبدیلی کا مجاز نہیں تو پھر ظاہر بات ہے تاقیامت کوئی بھی قاضی، جج، حاکم، پیر یا مولوی اس کلام الٰہی میں تبدیلی کا مجاز نہیں ہے۔ اسی طرح کسی بھی حکومت یا پارلیمنٹ کو بھی یہ اختیار نہیں ہے۔ یہودیوں نے اور عیسائیوں نے اور مشرکین مکہ نے جو یہ تبدیلی کا نظریہ قائم کیا تھا یہ درحقیقت اجتہاد کی بنا پر ہی تھا۔ اور پھر اس کے تحت انہوں نے دین الٰہی میں تبدیلیاں کیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ پورا دین جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر اتارا تھا وہ بدل گیا۔ اور دنیا نصیحت کے کاموں سے محروم ہو گئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس نسل انسانی کی رشد و ہدایت کے لیے ازسرِ نو اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ان

پر اپنی مقدس کتاب (قرآن مجید) نازل فرمائی۔ اور حرف بحرف اس کی حفاظت بھی فرمائی۔ اور ایسے اجتہادی نظریات کی تردید بھی فرمائی کہ جس سے کتاب الٰہی کا حلیہ بگڑ جائے۔ البتہ چونکہ اجتہاد کی ضرورت بھی ہے کیونکہ قرآن مجید اگرچہ مکمل ضابطۂ حیات ہے لیکن تاہم اس میں اجمال ہے۔ تفصیل نہیں ہے۔ اور احادیث میں اس کی تفصیل تو ہے۔ لیکن اس کے اندر پھر بھی اجمال باقی ہے۔ قرآن مجید تاقیامت آنے والی نسل انسانی کے لیے مشعل راہ ہے۔ ہر دور کے نئے نئے تقاضے ہیں۔ اور قرآن کریم ان سب تقاضوں کو پورا کرتا ہے لیکن اجمال ہے۔ اس کی کچھ تفصیل تو احادیث میں آچکی ہے اور کچھ اجتہاد کے ذریعہ کی جا سکتی ہے لیکن اصولوں کو نہیں بدلا جا سکتا۔ اور اسی طرح وہ اجتہادی مسائل جو ائمہ مجتہدین نے مستنبط فرما دیئے ہیں انہیں بھی تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ ائمہ مجتہدین اپنے بعد میں آنے والے لوگوں کی نسبت زیادہ متدین اور متقی تھے۔ اور انہیں بعد والوں کی نسبت زیادہ تبحر علمی اور تفقہ فی الدین حاصل تھا۔ بعد والوں کو یہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ سب سے بہتر زمانہ میرا ہے اس کے بعد ان لوگوں کا زمانہ بہتر ہے جو ان کو ملیں گے۔ اس کے بعد جو انہیں ملیں گے۔ اس حدیث کا مصداق مجتہدین تو ہو سکتے ہیں کیونکہ ان میں بعض تابعین تھے اور بعض تبع تابعین تھے مگر بعد میں آنے والوں پر خیر القرون کا اطلاق نہیں ہو

سکتا اس لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کو خیر القرون فرما گئے ہیں ان کے مستنبط مسائل کو بھی بعد والے منسوخ نہیں کر سکتے۔ البتہ بعد والے قرآن وسنت کی روشنی میں نئی جزئیات کا اجتہاد اور استنباط کر سکتے ہیں کیونکہ ان کی ضرورت ہے۔ اسی لیے جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بناتے وقت پہلے اس کا امتحان لیا کہ کس طرح فیصلہ کرو گے۔ تو عرض کیا کہ کتاب اللہ پر پھر پوچھا کہ اگر تجھے کتاب اللہ میں مسئلہ نہ ملے تو عرض کیا کہ حدیث کے موافق، پھر فرمایا کہ اگر حدیث میں نہ ملے تو عرض کیا کہ اجتھد برآئی کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا تو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی خوش ہو کر حضرت معاذ بن جبل کے سینے پر ہاتھ مارا۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان فرمائی کہ تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لیے ہی زیبا ہیں جس نے رسول کے رسول (یعنی معاذ بن جبل) کو اس کی توفیق عطا فرمائی جس پر اللہ کا رسول راضی ہے۔ اور معاذ بن جبل کے سینے پر ہاتھ مارنے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے سینے کو اس کام کے لیے اور کھول دے۔ پس آپ کی اس تصویب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجتہاد کی ضرورت تھی۔ اگر اس کی ضرورت نہ ہوتی تو آپ حضرت معاذ بن جبل کو منع فرما دیتے۔

پس خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ مسلم حکام، قضاۃ اور ججز نے فیصلہ قرآن وسنت کی روشنی میں کرنا ہے۔ اور اگر اسے ان دونوں میں واضح اور صریح طور پر مسئلہ نہ ملے تو پھر ان میں اجتہاد کر کے فیصلہ

کریں۔ صرف اپنی رائے یا کسی اور کی رائے یا کسی اور قانون کے تحت فیصلہ نہ کرے اور نیز اس فیصلے کے وقت اجماعی مسائل کو بھی ملحوظ اور پیش نظر رکھنا ہوگا کیونکہ قیاس کا مرتبہ اجماع کے بعد ہے اور اجماع کیا چیز ہے؟ اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اب یہ عرض کرنا ہے کہ کتاب و سنت کو چھوڑ کر اپنی ذاتی رائے، کسی اور کی رائے یا کسی اور قانون پر عمل کرنے سے کیا نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ہم یہود و نصاریٰ کے اور مشرکین کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ قومیں اپنے اپنے ذاتی اجتہاد کی وجہ سے ہی دین سے محروم ہوگئی تھی۔ اور یہ اہل ھوا اور شہوات پرستوں کی شرارت کا نتیجہ تھا۔

اہل کتاب نے اپنے اجتہاد سے کلام الٰہی میں تبدیلی کی تھی

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ	کیا تمہیں یہ امید ہے
یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ	کہ یہود تمہارے کہنے پر
وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ	ایمان لے آئیں گے۔
مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ	حالانکہ ان میں ایسا گروہ
كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ	بھی گزرا ہے جو اللہ کا
يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ	کلام سنتا تھا پھر اسے
بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ	سمجھنے کے بعد جان بوجھ

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝	کر بدل ڈالتا تھا۔
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ	ہلاکت ہے ان لوگوں کے
يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ	لیے جو اپنے ہاتھوں سے
ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا	لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	یہ اللہ کی طرف سے ہے
لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا	تاکہ اس سے کچھ روپیہ
قَلِيْلًا ط فَوَيْلٌ لَّهُمْ	کمائیں پھر ہلاکت ہے
مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ	ان ہاتھوں کے لکھنے پر
وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا	اور ہلاکت ہے ان کی
يَكْسِبُوْنَ ۝	کمائی پر

(سورۃ البقرہ آیت ۷۵ ۷۹)

وَاِنَّ مِنْهُمْ	اور بے شک ان میں
لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ	سے ایک جماعت ہے
اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ	کہ کتاب کو زبان سے
لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ	مروڑ کر پڑھتی ہے تاکہ
وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ج	تم یہ خیال کرو کہ وہ کتاب
وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ	میں سے ہے حالانکہ وہ
عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ	کتاب میں سے نہیں
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ج	ہے اور وہ کہتے ہیں کہ
وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى	اللہ کی طرف سے ہے
اللّٰهِ الْكَذِبَ	حالانکہ وہ اللہ کی طرف

وھم یعلمون ۝ (سورۂ آل عمران آیت ۷۸)

سے نہیں ہے اور وہ اللہ پہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔

تفسیر

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اس وقت مدینہ میں یہود کے مختلف قبائل رہتے تھے۔ اور یہ لوگ آپؐ کی بعثت سے پہلے توراۃ سے آپ کے بارے میں پیشین گوئیاں نقل کر کے لوگوں کو سناتے تھے۔ اور آپؐ کا نام نامی اسم گرامی اللہ کے دربار میں بطور وسیلہ پیش کر کے بوقتِ ضرورت دعا مانگا کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ انتہائی قسم کی رواداری اور نرمی برتتے تھے۔ اور ان کے ساتھ دفاعی معاہدے بھی کئے ہوئے تھے۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا برتاؤ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی تھا۔ مقصد یہ تھا کہ شاید یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو فرمایا ہے کہ تم ان کے ایمان کی امید نہ رکھو۔ آگے اس کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ تو کلامِ الٰہی میں دیدہ دانستہ اور جان بوجھ کر تبدیلی کرتے ہیں۔ یہ تو آیت نمبر ۷۵ کا مضمون ہے۔

اس کے بعد آیت ۷۹ ہے۔ اس میں پانچ چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ وہ لوگ کتابِ الٰہی کی عبارت کاٹ کر اپنی طرف سے کچھ اور لکھ دیتے تھے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی مکتوبہ عبارت

کی نسبت پھر اللہ کی طرف کر دیتے تھے۔ تیسری چیز یہ ہے کہ اس تحریف اور تبدیلی سے ان کا مقصد دنیا کمانا تھا۔ چوتھی چیز ان کے اس فعل بد کی سزا بیان فرمائی ہے کہ وہ خود بھی برباد اور ان کے ہاتھ بھی برباد۔ پانچویں چیز اس سے جو مال کمایا ہے وہ بھی برباد ہوگا۔

اس کے بعد سورۃ آلِ عمران کی آیت ۷۸ ہے۔ اس میں پہلی آیتوں کی تشریح ہے۔ پہلی آیت میں آ چکا ہے کہ یہ یہودی لوگ کلام الٰہی کی عبارت کو کاٹ کر اپنی طرف سے عبارت درج کر دیتے تھے۔ اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس عبارت کا تلفظ اس انداز سے کرتے تھے جیسا کہ کلامِ الٰہی۔ اور عام لوگ یہ ہی سمجھتے تھے یہ کلام الٰہی پیش کر رہے ہیں حالانکہ وہ کلام الٰہی نہیں ہوتی تھی۔ یہ سراسر ان کا دھوکہ اور فراڈ تھا اور خدا پر بہتان تھا۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ	انہوں نے اپنے عالموں
وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا	اور درویشوں کو اللہ کے
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	سوا خدا بنا لیا ہے اور
وَالْمَسِيْحَ ابْنَ	مسیح مریم کے بیٹے کو
مَرْيَمَ ج وَمَا	بھی۔ حالانکہ انہیں یہی
اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا	حکم ہوا تھا کہ ایک اللہ
اِلٰهًا وَّاحِدًا ج	کے سوا کسی کی عبادت
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط	نہ کریں۔ اس کے سوا
سُبْحٰنَهٗ عَمَّا	کوئی معبود نہیں۔ وہ
يُشْرِكُوْنَ ○	ہر قسم کے شریک سے

	پاک ہے۔
يُرِيْدُوْنَ اَنْ	وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی
يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ	روشنی کو اپنے مونہوں
بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى	سے بجھا دیں۔ اور اللہ
اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ	اپنی روشنی کو پورا کیے
نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ	بغیر نہیں رہے گا اگرچہ
الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ	کافر ناپسند ہی کریں اس
الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ	نے اپنے رسول کو ہدایت
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ	اور سچا دین دے کر بھیجا
الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ	ہے تاکہ اسے سب دینوں
عَلَى الدِّيْنِ	پر غالب کرے۔ اور اگرچہ
كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ	مشرک ناپسند کریں۔
الْمُشْرِكُوْنَ ○	
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے ایمان والو بیشک
اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا	بہت سے عالم اور فقیر
مِّنَ الْاَحْبَارِ	لوگوں کا مال ناحق کھاتے
وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ	ہیں اور اللہ کی راہ سے
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ	روکتے ہیں اور جو لوگ
وَيَصُدُّوْنَ عَنْ	سونا اور چاندی جمع
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ	کرتے ہیں اور اسے
يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	اللہ کے راستے میں

وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا	خرچ نہیں کرتے انہیں
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	دردناک عذاب کی خوشخبری
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝	سُنادو۔
یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا	جس دن وہ دوزخ کی آگ
فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ	میں گرم کیا جائے گا پھر
فَتُكْوٰی جِبَاهُهُمْ	اس سے ان کی پیشانیاں،
وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ	پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں
هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ	گی۔ یہ وہی ہے جو تم
لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا	نے اپنے لیے جمع کیا تھا
مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ	سو اس کا مزہ چکھو جو تم
(سورۃ التوبہ آیت ۳۱ تا ۳۵)	جمع کرتے تھے۔

تفسیر

اس سے پہلے سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کی آیات میں یہ تفصیل آچکی ہے کہ اہلِ کتاب نے اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتابوں میں اپنی طرف سے ردّوبدل کیا تھا اور یہ کہ ایک فریق اور ایک جماعت تھی جو یہ تبدیلی کا کام کر رہی تھی۔ ان آیات میں اس فریق کی تشریح بیان فرمائی گئی ہے۔

آیت نمبر ۳۱ میں تو بیان فرمایا ہے کہ یہ فریق علماء کا تھا اور عوام الناس یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کو خدائی اختیارات حاصل ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے مالک و مختار ہیں جو چاہیں کریں۔ کسی چیز کو حلال کریں یا حرام کریں، چنانچہ ایک نومسلم عیسائی کی روایت احادیث میں مروی ہے جس کا نام

عدی ابن حاتم ہے ۔جب یہ آیت اتری تو انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم تو اپنے احبار و رہبان کو نہیں مانتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تمہارے احبار و رہبان جس چیز کو حلال کہیں تم اسے حلال سمجھتے ہو حالانکہ وہ چیز اللہ کی کتاب میں حرام ہوتی ہے اور اسی طرح وہ جس چیز کو حرام کہیں تو تم اس کو حرام سمجھتے ہو حالانکہ وہ اللہ کی کتاب میں حلال ہوتی ہے ۔ تو اس نے عرض کیا کہ ہاں ایسا تو ہے ۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اس آیت کا یہی مقصد ہے ۔ یعنی یہ مقصد نہیں کہ وہ لوگ اپنے احبار اور رہبان کو مستقل طور پر خالق و مالک اور رزّاق مانتے تھے ۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شریعت میں ردّوبدل، قانون سازی وغیرہ کا اختیار سونپا ہوا ہے ۔ وہ جسے دین کہیں وہی دین ہے اور جسے بے دینی کہیں وہی بے دینی ہے ۔

اس سے ان لوگوں کی بھی مذمت معلوم ہوتی ہے جو اپنے پیر و مرشد اور علماء کے فرمان کو قرآن اور احادیث پر ترجیح دیتے ہیں ۔ مثلاً بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسان نہیں بلکہ وہ ایک نوری مخلوق ہے ۔ اور اس سلسلہ میں جب ان کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے متعلق آیات قرآنیہ پیش کی جاتی ہیں تو وہ لوگ صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ قرآن اگر آپ کو بشر کہتا ہے تو کہے لیکن ہم نہیں کہیں گے ۔ ان لوگوں کا دراصل یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء اللہ اور اولیاء اللہ متصرّف ہیں ——— اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بھی اختیار حاصل ہیں ۔ اسی طرح بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ امام شریعت میں تبدیلی

کر سکتا ہے ۔ اسی لیے وہ اپنے اماموں کو شریعت مدار وغیرہ کے القاب دیتے ہیں ۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ امام جس کو شریعت کہے وہی شریعت ہے اگرچہ اس امام کا قول وفعل قرآن وحدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ان دونوں جماعتوں کے نظریات سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق تو ہے لیکن مالک اس کی صفت مختصہ نہیں ہے ۔ وہ اپنے اختیارات انبیاء، اولیاء اور اماموں کو سونپ چکا ہے ۔ یہ عقیدہ بھی یہودیوں اور عیسائیوں سے ملتا جلتا ہے اور قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہے ۔ اور یہ قرآن مجید کے مضامین، معانی اور مفہوم کی تبدیلی اور تحریف ہے ۔ اور وہ لوگ جو ائمہ مجتہدین کی اندھی تقلید کرتے ہیں یعنی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے ہوتے ہوئے بھی اگر وہ کسی امام کی بات کو ترجیح دیں تو وہ بھی یقیناً اس مذمت میں آتے ہیں ۔ لیکن اہل سنت میں سے کوئی بھی اس تقلید کا قائل نہیں ہے اور وہ فقہی مسائل جن کا ماخذ قرآن وسنت میں موجود ہے وہ اس آیت کے خلاف نہیں اور حدیث معاذ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ۔ یہ تشریح تو اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ کی ہے ۔ اس کے بعد ہے والمسیح ابن مریم کہ انہوں نے مسیح ابن مریم کو بھی رب مانا ۔ اور ان کا یہ عقیدہ بھی خودساختہ، اجتہادی اور اختراعی تھا ۔ حالانکہ ان کو یہ کہا گیا تھا کہ ایک ہی خدا کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے ۔

اس کے بعد آیت نمبر ۳۲ میں احبار ورہبان کو اربابا من دون اللہ ماننے کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ اصل میں وہ لوگ اللہ کے دین کو مٹانا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے یہ عقیدہ بنایا تھا ۔ اور یہ آیت بھی سورۃ

بقرہ اور سورۃ آل عمران کی آیات کی تشریح ہے۔ کیونکہ ان آیات میں آچکا ہے کہ اہل کتاب نے کلام الٰہی میں تبدیلی کی ہے اور یہاں اسی مضمون کو یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم سے تعبیر فرما دیا ہے لیکن آگے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو برداشت نہیں کریگا اور انہیں یہ نورِ ہدایت بجھانے نہیں دے گا۔

اس کے بعد آیت نمبر ۳۳ ہے اس میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس دین کو دنیا میں غالب کرنے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے اور آپ نے اور آپ کے صحابہ نے اپنی اپنی زندگی اور حیات طیبہ میں پوری دنیا میں اس دین کا غلبہ کر کے دکھایا۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ اہل کتاب کو جب اللہ کا دین اپنے راستے میں رکاوٹ نظر آیا تو اسے بدل دیا کیونکہ کاروباری معاملات، معاشیات اور عدالتی سلسلہ میں انہیں مشکلات نظر آتی تھیں۔ اور دوسری طرف سے وہ لوگ مذہب کا نام بہرحال استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اور اس سے نفر کی کوئی صورت ان کے پاس نہیں تھی کیونکہ مذہب کے نام سے ہی ان کا اقتدار قائم رہتا تھا۔ لہٰذا انہوں نے ایک درمیانی صورت نکالی کہ مذہب کا نام تو چلے مگر مذہب کا کام کوئی نہ ہو۔ اور وہ صورت یہ اختیار کی کہ وقتی حکومت کو پیروں اور مولویوں کو مذہب میں اور کتاب الٰہی میں اپنے اجتہاد سے تبدیلی کا حق حاصل ہے اور وہ اپنے اجتہاد سے کتاب الٰہی کو منسوخ کر سکتے ہیں۔ اور ان کا اجتہادی قول، فرمان الٰہی اور حکم الٰہی کہلائے گا۔ چنانچہ اس زمانے سے لے کر آج تک اہل کتاب میں یہی رواج چل رہا ہے۔

اس سے آگے آیت ۳۴ میں فرمایا ہے کہ یہ تبدیلی اور تحریف کا کام تمام علماء اور مشائخ نے نہیں کیا بلکہ اکثر نام نہاد اور پیٹ پرست علماء اور مشائخ نے ایسا کیا۔ اور اس آیت میں آگے ان لوگوں کی سزا بیان ہوئی ہے۔

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتَابِ	کہہ اے اہل کتاب۔ ایک
تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ	بات کی طرف آؤ جو
سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ	ہمارے اور تمہارے درمیان
اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ	برابر ہے کہ سوائے اللہ
وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ	کے اور کسی کی بندگی نہ
شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ	کریں۔ اور اس کا کسی
بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا	کو شریک نہ ٹھہرائیں اور
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ	سوائے اللہ کے کوئی
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا	کسی کو رب نہ مانیں پس
اشْهَدُوْا بِاَنَّا	اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو
مُسْلِمُوْنَ ۝	گواہ رہو کہ ہم تو فرمان بردار
(سورۃ آل عمران آیت ۶۴)	ہونے والے ہیں۔

تفسیر

اس سے پہلے آیات میں آچکا ہے کہ اہل کتاب نے اپنے اجتہاد سے دین الٰہی میں تبدیلی کی تھی۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ اہل کتاب کو اتحاد کی دعوت دیں اور اتحاد کی تین شرطیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ایک دوسرے کو رب نہ مانیں۔

ارباب کی تشریح وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اہل کتاب دین الٰہی میں اپنی طرف سے اجتہاد سے دین میں تبدیلیاں کرتے تھے آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اگر وہ اس اتحاد سے پھر جائیں۔ تو اے مسلمانو تم اعلان کر دو کہ ہم تو اس اللہ تعالیٰ کے تابعدار اور فرماں بردار ہیں۔ یعنی اگر وہ اہل کتاب ان تین شرطوں کی بنیاد پہ اتحاد کر لیں تو تم بھی ان سے اتحاد کر لو۔ اور اگر وہ ان تینوں شرطوں کو نہ مانیں یا ان میں سے ایک کو نہ مانیں تو پھر ان سے اتحاد نہیں کرنا بلکہ اپنے مشن کا اعلانیہ پرچار کرنا ہے۔ یہ تو اس آیت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت عیسائیہ کے ساتھ دعوت اتحاد کا ایک فارمولا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں پوری ملت عیسائیہ کو یہ دعوت پہنچائی۔ مگر بعض نے تو اس دعوت کو قبول کیا اور دل و جان سے مشرف بہ اسلام ہوئے اور اکثر نے قبول نہیں کیا۔ وہ لوگ اب تک شرک بھی کر رہے ہیں۔ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی بندگی بھی نہیں کرتے۔ اور کتاب الٰہی میں ہر سال تبدیلیاں کرتے ہیں اور قرآن میں بھی انہوں نے تبدیلی کی کوشش کی مگر وہ ناکام بنا دیئے گئے ہیں۔

اہل کتاب نے نماز میں اپنے اجتہاد سے تبدیلیاں کیں

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ○ (سورۃ مریم آیت ۵۹)	پھر ان کی جگہ ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نماز ضائع کی اور خواہشوں کے پیچھے پڑھ گئے پھر عنقریب گمراہی کی سزا پائیں گے۔

تفسیر

اس سے پہلے تو بیان کیا گیا ہے کہ اہل کتاب نے کلام الٰہی میں تبدیلیاں کیں اور اپنے اجتہادات سے انہوں نے دین الٰہی کو مسخ کیا۔ لیکن یہ تفصیل پہلے نہیں آئی کہ کن احکامات میں انہوں نے ایسا کیا۔ اور یہاں سورۃ مریم کی آیت میں دین کے ایک رکن نماز کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہوں نے نماز میں تبدیلیاں کیں۔ لیکن اس سے پہلے اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اجمالاً ذکر بیان فرمایا ہے۔ اور انکی تابعداری اور بندگی کا نمونہ پیش فرمایا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ ان انبیاء کے بعد ان کی ناخلف اولاد آئی جنہوں نے نماز کو ضائع کیا۔

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ نماز کا حکم تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ

والسلام کو اور ان کی امتوں کو تھا۔ اور دوسرا یہ معلوم ہوا کہ ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تو اس نماز کو احسن طریقہ سے ادا کیا تھا کہ وہ سجدہ ریز ہو کر اللہ کے حضور میں روتے تھے۔ تیسرا یہ معلوم ہوا کہ ان کی اولاد نے اس نماز کو ضائع کیا۔ اور اس نماز کو ضائع کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ وہ لوگ نماز پڑھتے ہی نہیں ہوں گے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے طریقہ کے موافق نہیں پڑھتے ہوں گے۔ مثلاً واجبات نماز کو ترک کر دینا یا سنت کو چھوڑ دینا یا نماز کو اپنے اپنے اوقات میں نہ پڑھنا، یہ تمام صورتیں نماز کو ضائع کرنے کی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ انہوں نے یہ اپنا دینی نقصان خواہشات کے پیچھے پڑ کر کیا۔ اور خواہشات کے پیچھے پڑنے کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے نماز کی اہمیت کو کم کیا۔ اور باقی امور دنیوی کو نماز پر ترجیح دی۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ انہوں نے نماز کے بعض ارکان کی اہمیت کو کم کیا مثلاً وضو فرض غسل وغیرہ کو نماز کے لیے ضروری نہ سمجھا۔ یہ سب صورتیں نماز کو ضائع کرنے کی ہیں۔ اور انہوں نے یہ سب کام اپنے اجتہاد سے کئے تھے۔

اہل کتاب نے اپنے اجتہاد سے روزے میں تبدیلیاں کیں

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ	اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسی

الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ (الایۃ بقرہ)	طرح ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

تفسیر

اسلامی عبادات میں سے فریضۂ روزہ بھی ہے۔ قرآن مجید میں اس کے متعلق پانچ آیات آئی ہیں جو سورۃ بقرہ میں مذکور ہیں۔ یہاں اختصار کے طور پر ایک ہی آیت نقل کی ہے۔ اس میں یہ فرمایا ہے کہ ایمان والوں پر (یعنی امت محمدیہ) اسی طرح روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح کہ پہلوں پر فرض کیا گیا ہے۔ اور اس امت پر تو ماہِ رمضان کے روزے فرض ہیں جو تیس یا انتیس ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلوں پر بھی ماہ رمضان کے روزے ہی فرض تھے۔ مگر اس تعداد کے سلسلہ میں باقی امتوں کے بارے میں کوئی روایت نہیں ملی۔ اور یہ آیت مجمل ہے۔

البتہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں روح المعانی کے حوالہ سے بروایت ابن حنظلہ والنحاس والطبرانی عن معقل ابن حنظلہ مرفوع حدیث کا ترجمہ نقل کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے کہ نصاریٰ پر ماہِ رمضان کا روزہ فرض ہوا تھا۔ ان کا کوئی بادشاہ بیمار ہوا تو اس کی قوم نے نذر مان لی کہ اگر بادشاہ کو شفا ہو جائے تو ہم دس روزے اور اضافہ کر دیں گے پھر اور کوئی بادشاہ بیمار ہوا تو اس کی صحت پر سات کا اور اضافہ ہوا۔

پھر تیسرا بادشاہ بیمار ہوا تو اس نے تجویز کیا کہ پچاس میں تین ہی کی کسر رہ گئی ہے لاؤ تین اور بڑھالیں۔ اور ایام ربیع میں سب رکھ لیا کریں۔ چنانچہ عیسائیوں کا آج تک اسی پر عمل ہے اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عیسائی اپنے پیروں، مولویوں اور حکام کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں قانون الٰہی میں تبدیلی تحریف اور تنسیخ کا حق حاصل ہے چنانچہ اسی نظریہ کے تحت انہوں نے روزے میں دو تبدیلیاں کیں۔ ایک روزے کی تعداد کو بڑھایا اور دوسرا اس کے وقت کو تبدیل کیا۔ اور یہ دونوں تبدیلیاں انہوں نے اپنے ذاتی اجتہاد سے کی تھیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عبادات کے لیے جو اوقات مقرر فرمائے ہیں۔ یا ان کی جو تعداد رکھی ہے ان میں کمی بیشی کا کسی کو بھی حق حاصل نہیں ہے۔

اہل کتاب نے نظام عدل میں اپنے اجتہاد سے تبدیلی کی تھی

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ	اے رسول ان کا غم نہ کر
لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ	جو دوڑ کر کفر میں گرتے
يُسَارِعُونَ فِي	ہیں۔ وہ لوگ جو اپنے
الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ	منہ سے کہتے ہیں کہ ہم
قَالُوا آمَنَّا	مومن ہیں حالانکہ انکے
بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ	دل مومن نہیں۔ اور

تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ ج
وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا
سَمّٰعُونَ لِلْكَذِبِ
سَمّٰعُونَ لِقَوْمٍ
اٰخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ط
يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ
مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ج
يَقُولُونَ إِنْ
أُوتِيتُمْ هٰذَا
فَخُذُوهُ وَإِنْ
لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ط
وَمَنْ يُّرِدِ
اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ
فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ
مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ط
أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ
لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ
يُّطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ط لَهُمْ
فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ج
وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ○

وہ جو یہودی ہیں جھوٹ
بولنے کے لیے جاسوسی
کرتے ہیں ۔ وہ دوسری
جماعت کے جاسوس
ہیں جو تجھ تک نہیں آئی
بات کو اس کے ٹھکانے
سے بدل دیتے ہیں ۔
کہتے ہیں کہ تمہیں یہ حکم
ملے تو قبول کر لینا اور
اگر یہ نہ ملے تو بچتے
رہنا اور جسے اللہ
گمراہ کرنا چاہے سو تو
اللہ کے مقابلہ میں اس
کے لیے کچھ نہیں کر
سکتا ۔ یہ وہی لوگ ہیں
جن کے دل پاک کرنے
کا اللہ نے ارادہ نہیں کیا
ان کے لیے دنیا میں
ذلت ہے اور ان
کے لیے آخرت میں
بڑا عذاب ہے ۔

(سورۃ المائدہ آیت ۴۱)

شانِ نزول

آیت مذکورہ کے نزول کا سبب دو واقعات ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدینہ کے قرب وجوار میں رہنے والے یہودی قبائل میں پیش آئے۔ ایک واقعہ قتل و قصاص کا اور دوسرا واقعہ زنا اور اس کی سزا کا ہے۔ یہ بات تو کسی تاریخ عالم کے جاننے والے پر مخفی نہیں کہ اسلام سے پہلے ہر جگہ، ہر خطہ اور ہر طبقہ میں ظلم و جور کی حکومت تھی۔ قوی ضعیف کو، عزت والا بے عزت کو غلام بنائے رکھتا تھا۔ قوی اور عزت والے کے لیے قانون اور تھا۔ اور کمزور اور بے عزت کے لیے قانون دوسرا تھا۔ جیسے آج بھی اپنے آپ کو مہذب اور متمدن کہنے والے بہت سے ممالک میں کالے اور گورے کا قانون الگ الگ ہے۔ محسنِ انسانیت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اکران امتیازات کو مٹایا۔ اولادِ آدم کے حقوق کی مساوات کا اعلان کیا۔ اور انسان کو انسانیت اور آدمیت کا سبق دیا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے حوالی مدینہ میں یہود کے دو قبیلے بنو قریظہ اور بنو نضیر آباد تھے۔ ان میں سے بنو نضیر قوت وشوکت اور دولت وعزت میں بنو قریظہ سے زیادہ تھے۔ یہ لوگ آئے دن بنو قریظہ پر ظلم کرتے رہتے تھے اور وہ چاروناچار اس کو سہتے تھے یہاں تک کہ بنو نضیر نے بنو قریضیہ کو اس ذلت آمیز معاہدہ پر مجبور کیا کہ اگر بنو نضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل

کر دے تو اس کا قصاص یعنی جان کے بدلے میں جان لینے کا ان کو حق نہ ہو گا بلکہ صرف ستّر وسق کھجوریں اس کے خون بہا کے طور پہ ادا کی جائیں گی (وسق عربی اوزان کا ایک پیمانہ ہے) جو ہمارے وزن کے اعتبار سے تقریباً پانچ من دس سیر کا ہوتا ہے) اور اگر معاملہ برعکس ہو کہ بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے کسی آدمی کو قتل کر دے تو قانون یہ ہو گا کہ اس کے قاتل کو قتل بھی کیا جائے گا۔ اور ان سے خون بہا بھی لیا جائے گا۔ اور وہ بھی بنو نضیر کے خون بہا سے دگنا یعنی ایک سو چالیس وسق کھجوریں اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہ ان کا مقتول اگر عورت ہوئی تو اس کے بدلہ میں بنو قریظہ کے ایک مرد کو قتل کیا جائے گا۔ اور اگر مقتول مرد ہے تو اس کے معاوضہ میں بنو قریظہ کے دو مردوں کو قتل کیا جائے گا۔ اگر بنو نضیر کے غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ میں بنو قریظہ کے آزاد کو قتل کیا جائے گا۔ اور اگر بنو نضیر کے آدمی کا کسی نے ایک ہاتھ کاٹا ہے تو بنو قریظہ کے آدمی کے دو ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ ایک کان کاٹا ہے تو اس کے بدلے میں ان کے دو کان کاٹے جائیں گے یہ قانون تھا جو اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں کے درمیان رائج تھا اور بنو قریظہ اپنی کمزوری کی بنا پر اس کے ماننے پر مجبور تھے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے اور مدینہ ایک دارالسلام بن گیا۔ یہ دونوں قبائل ہنوز اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اور نہ کسی معاہدہ کی رُو سے اسلامی احکام کے پابند تھے مگر اسلامی قانون کی عدل گستری اور عام سہولتوں کو دُور سے دیکھ رہے تھے۔ اس عرصہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ بنو قریظہ کے ایک آدمی نے

بنو نضیر کے ایک آدمی کو مار ڈالا۔ تو بنو نضیر نے معاہدہ مذکورہ کے مطابق بنو قریظہ سے دگنی دیت یعنی خون بہا کا مطالبہ کیا۔ بنو قریظہ اگرچہ اسلام میں داخل نہ تھے اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت کوئی معاہدہ تھا، یہ لوگ یہودی تھے، ان میں بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی تھے۔ جو توراۃ کی پیش گوئیوں کے مطابق جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی آخر الزماں ہیں جن کے آنے کی خوشخبری توراۃ نے دی ہے۔ مگر تعصب مذہبی یا دنیوی لالچ کی وجہ سے ایمان نہ لائے تھے اور یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ آپ کا مذہب مساواتِ انسانی اور عدل و انصاف کا علمبردار ہے۔ اس لیے بنو نضیر کے ظلم سے بچنے کے لیے ان کو ایک سہارا ملا۔ اور انہوں نے دگنی دیت دینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم تم ایک ہی خاندان سے ہیں۔ ایک ہی وطن کے باشندے ہیں اور ہم دونوں کا مذہب بھی ایک یعنی یہودیت ہے۔ یہ غیر منصفانہ معاملہ جو آج تک تمہاری زبردستی اور ہماری کمزوری کے سبب ہوتا رہا۔ اب ہم اس کو مزید گوارا نہ کریں گے۔ اس جواب پر بنو نضیر میں اشتعال پیدا ہوا اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے مگر کچھ بڑے بوڑھوں کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ اس معاملہ کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا جائے۔

بنی قریظہ کی تو یہ عین مراد تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے ظلم کو برقرار نہ رکھیں گے۔ بنو نضیر بھی باہمی گفت و شنید اور صلح کی بنا پر اس کے لیے مجبور تو ہو گئے مگر اس میں یہ سازش کی کہ آپ کے پاس مقدمہ لے جانے سے پہلے کچھ ایسے لوگوں کو آگے بھیجا جو اصل میں تو انہی کے ہم مذہب یہودی تھے۔ مگر منافقانہ طور پر اسلام

کا اظہار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے تھے اور مطلب ان کا یہ تھا کہ یہ لوگ کسی طرح مقدمہ اور اس کے فیصلہ سے پہلے اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عندیہ اور نظریہ معلوم کر لیں۔ اور یہی تاکید لوگوں کو کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے مطالبہ کے موافق فیصلہ فرما دیا تو اس کو قبول کر لینا۔ اور اگر اس کے خلاف کوئی حکم آیا تو ماننے کا وعدہ نہ کرنا۔

سبب نزول کا یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بغوی نے نقل کیا ہے اور مسند احمد و ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس سے ان کا خلاصہ منقول ہے (مظہری)۔ اسی طرح کا ایک اور دوسرا واقعہ زنا کا ہے جس کی تفصیل بغوی نے اس طرح نقل کی ہے کہ خیبر کے یہودیوں میں یہ واقعہ پیش آیا۔ اور توراۃ کی مقرر کردہ سزا کے موافق ان دونوں کو سنگسار کرنا تھا مگر یہ دونوں کسی بڑے خاندان کے آدمی تھے۔ یہودیوں نے اپنی قدیم عادت کے موافق یہ چاہا کہ ان کے لیے سزا میں نرمی کی جائے۔ ان کو یہ معلوم تھا کہ مذہب اسلام میں بڑی سہولتیں دی گئی ہیں۔ اس بنا پر اپنے نزدیک یہ سمجھا کہ اسلام میں اس سزا میں بھی تخفیف ہوگی۔ خیبر کے لوگوں نے اپنی برادری بنی قریظہ کے لوگوں کے پاس پیغام بھیجا کہ اس معاملہ کا فیصلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا دیں۔ اور دونوں مجرموں کو بھی ساتھ بھیج دیا۔ منشا ان کا بھی یہ تھا کہ اگر آپ کوئی ہلکی سزا جاری کر دیں تو مان لیا جائے ورنہ انکار کر دیا جائے۔ بنو قریظہ کو پہلے تو تردد ہو کہ معلوم نہیں کہ آپؐ کیا فیصلہ کریں اور وہاں جانے کے بعد ہمیں ماننا پڑے۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد یہی فیصلہ ہوا کہ ان کے چند سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں ان مجرموں کو لے جائیں اور آپ ہی سے اس کا فیصلہ کرائیں۔

چنانچہ کعب ابن اشرف وغیرہ کا ایک وفد ان کو ساتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سوال کیا کہ شادی شدہ مرد و عورت اگر بدکاری میں مبتلا ہوں تو ان کی کیا سزا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم میرا فیصلہ مانو گے؟ انہوں نے اقرار کیا۔ اس وقت جبریل امین اللہ تعالےٰ کا یہ حکم لے کر نازل ہوئے کہ اس کی سزا سنگسار کر کے قتل کر دینا ہے۔ ان لوگوں نے جب یہ فیصلہ سنا تو بوکھلا گئے، اور فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا۔ جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ آپ ان لوگوں سے یہ کہیں کہ میرے اس فیصلہ کو ماننے یا نہ ماننے کے لیے ابن صوریا کو حکم بنا دو۔ ابن صوریا کے حالات وصفات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیئے۔ آپ نے آنے والے وفد سے کہا کہ کیا تم اس نوجوان کو پہچانتے ہو جو سفید رنگ مگر ایک آنکھ سے معذور ہے فدک میں رہتا ہے جس کو ابن صوریا کہا جاتا ہے سب نے اقرار کیا۔

آپ نے دریافت کیا کہ آپ لوگ اس کو کیا سمجھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ علماء یہود میں روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے آپؐ نے فرمایا اس کو بلاؤ۔ چنانچہ وہ آگیا۔ آپ نے اس کو قسم دے کر پوچھا کہ اس صورت میں توراۃ کا حکم کیا ہے؟ وہ بولا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم آپؐ نے مجھ کو دی ہے۔ اگر آپؐ قسم نہ دیتے اور مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ غلط بات کہنے کی صورت میں توراۃ مجھے جلا ڈالے گی تو میں یہ حقیقت ظاہر نہ کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حکم اسلام کی طرح توراۃ

میں بھی یہ ہی حکم ہے کہ ان دونوں کو سنگسار کر کے قتل کر دیا جائے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم پر کیا آفت آئی ہے کہ تم توراۃ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہو۔ ابن صوریا نے بتلایا کہ اصل بات یہ ہے کہ زنا کی سزا شرعی تو ہمارے مذہب میں یہ ہی ہے۔ مگر ہمارا ایک شہزادہ اس جرم میں مبتلا ہو گیا۔ ہم نے اس کی رعایت کر کے چھوڑ دیا سنگسار نہیں کیا۔ پھر یہی جرم ایک معمولی آدمی سے سرزد ہوا اور ذمہ داروں نے اس کو سنگسار کرنا چاہا تو مجرم کے جتھہ کے لوگوں نے احتجاج کیا کہ اگر شرعی سزا اس کو دینی ہے تو اس سے پہلے شہزادے کو دو ورنہ اس پر یہ سزا ہم جاری نہ ہونے دیں گے۔ یہ بات بڑھی تو سب نے مل کر صلح کر لی کہ سب کے لیے ایک ہی ہلکی سزا تجویز کر دی جائے۔ اور توراۃ کا حکم چھوڑ دیا جائے چنانچہ ہم نے کچھ مار پیٹ اور منہ کالا کر کے جلوس نکالنے کی سزا تجویز کر دی اور اب یہی سب میں رواج ہو گیا۔ (معارف القرآن مؤلفہ مفتی محمد شفیعؒ)

ابن صوریا کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دس آیات نازل فرمائی ہیں۔ ہم نے اس موضوع میں صرف ایک ہی آیت نقل کی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں یہودیوں نے جو الگ الگ منصوبے اور پلان بنائے تھے ان سے آپ کو آگاہ فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ان کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک تو منافقین کی جماعت ہے۔ یہ جماعت بظاہر مسلمانوں سے ملی ہوئی تھی مگر درحقیقت یہ یہودی نظریات اور عقائد کی ہی حامی تھی۔ اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اے نبی نہ غم میں ڈالیں آپ کو وہ لوگ جو دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں وہ لوگ جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں

حالانکہ ان کے دل مومن نہیں ۔ اور دوسری جماعت خالصتاً یہودیوں کی تھی جو خود آپ کے پاس نہیں آئے تھے۔ اوران منافقین کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ جھوٹ بولنے کے لیے جاسوسی کرتے ہیں اوراس دوسری جماعت کے جاسوس ہیں۔ جب ان دونوں جماعتوں نے قرآن اور توراۃ کا مصدقہ فیصلہ ماننے سے انکار کیا تو اس پر آپؐ کو افسوس ہوا کیونکہ آپ نے قرآنی فیصلہ کی تصدیق کے لیے انہیں کے سرکردہ عالم ابن صوریا کو خیبر سے بلا کر تصدیق کرائی تھی۔ اور آپ نے انہیں سے اس کے بارے میں پہلے پوچھ لیا تھا اور انہوں نے خود کہا تھا کہ دنیا میں اس سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے مگر اس کے باوجود یہ لوگ یہ شرعی فیصلہ ماننے سے منحرف ہو گئے تھے۔ اس لیے آپ کو قلق ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا کہ اس بے قراری کی آپ کو ضرورت نہیں ہے۔ اوراس کے بعد ان کے عالم ابن صوریا کی تصدیق فرمائی ہے جو اس نے کہا تھا۔ کہ ہم نے خود توراۃ کے حکم میں تبدیلی کی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے صیغہ استمرار فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ کلامِ الٰہی بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی انہوں نے اپنی جگہ جو منصوبہ اور پلان بنایا تھا وہ یہی تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرح فیصلہ کریں تو مان لینا ہے ورنہ نہیں ماننا۔ اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم تو شرعی سزاؤں میں تبدیلی کرنے والے نہیں تھے اور نہ اس سلسلہ میں امیر اور غریب کا امتیاز کرنے والے تھے اس لیے انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

من بعد اللہ سے لے کر آخر عذاب عظیم تک ان کے شرعی فیصلوں سے

انحراف کی وجہ سے ان کے لیے دنیاوی ذلت اور اخروی عذاب بیان فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ آپ اس کو اس عذاب سے نہیں بچا سکتے اور یہ دراصل تعریض ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دُنیا کی کوئی طاقت ان کو اس ذلت اور عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔ حاصل یہ نکلا کہ اہلِ کتاب نے اپنے اجتہاد سے نظامِ عدل میں تبدیلی کی، کتابِ الٰہی کو پسِ پشت ڈالا جس کے باعث ان پر ذلت آ گئی۔ اور وہ ذلت کیا چیز ہے وہ کس طرح آئی اس پر تاریخ گواہ ہے وہ واقعات یہاں دہرانے کی گنجائش نہیں ہے۔ تاریخ دیکھی جا سکتی ہے۔ ہم یہاں صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہودیوں نے جو اپنے مذہب میں تبدیلی کی تھی وہ صرف اس بنا پر کی تھی کہ پیروں کو اور مولوں کو اس تبدیلی کا حق حاصل ہے اور اسی طرح وقتی حکومت اور پارلیمنٹ بھی یہ تبدیلی کر سکتی ہے۔ اس طرح اصلی توراۃ ختم ہو گئی اور اس وقت جو توراۃ موجود ہے وہ ان کی اپنی بنائی ہوئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے توراۃ کے احیاء کے لیے نئی کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتاری اور نام اس کا انجیل رکھا تاکہ توراۃ کے نام سے کوئی دھوکہ نہ کھائے اور اس میں قدرے تبدیلیاں بھی کیں اور آسانیاں رکھیں تاکہ لوگ مشکل اصولوں کی وجہ سے اس میں تبدیلیوں کے درپے نہ ہو جائیں۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی امت نے انجیل کے ساتھ وہی حشر کیا جو یہودیوں نے توراۃ کے ساتھ کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان تمام آسمانی کتابوں کے احیاء کے لیے قرآن مجید نازل فرمایا اور اس کی حفاظت کی بھی خود ہی ذمہ داری اٹھائی تاکہ اس میں کوئی

ردّ و بدل نہ کر سکے۔

مشرکین اپنی رائے سے حج کے مہینوں میں تبدیلیاں کرتے تھے

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ط وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○	بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے ہاں بارہ مہینے ہے۔ اللہ کی کتاب میں جس دن سے اللہ نے زمین و آسمان پیدا کئے ان میں سے چار عزت والے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے ان میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ اور تم سب مشرکوں سے لڑو جیساکہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔
اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ	مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے اس

يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(سورۃ التوبہ آیت ۳۶-۳۷)

لیے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں۔ اس مہینے کو ایک برس تو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام رکھتے ہیں تاکہ ان مہینوں کی گنتی پوری کرلیں جنہیں اللہ نے عزت دی پھر حلال کر لیتے ہیں جو اللہ نے حرام کیا۔ ان کے برُے اعمال انہیں بھلے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔

تفسیر

عہد قدیم سے تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں میں سال کے بارہ مہینے مانے جاتے تھے اوران میں سے چار مہینے بڑے متبرک اور ادب واحترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے۔ تین مسلسل ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرّم اور ایک رجب کا مہینہ ہے۔ تمام انبیاء کی شریعتیں اس پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اوران میں کوئی گناہ کرے تو اس کا وبال اور عذاب بھی زیادہ ہے۔

سابق شریعتوں میں ان مہینوں کے اندر قتل و قتال بھی ممنوع تھا۔ مکہ مکرّمہ کے عرب چونکہ اسمٰعیل علیہ السّلام کے واسطہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اس لیے یہ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ یہ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کے قائل اور ان کی شریعت کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اور چونکہ ملّتِ ابراہیمی میں بھی ان چار مہینوں (یعنی اشہر حرم) میں قتل و قتال اور شکار ممنوع تھا۔

عرب جاہلیّت پر اس حکم کی تعمیل اس لیے سخت دشوار تھی کہ دورِ جاہلیت میں قتل و قتال ہی ان کا پیشہ بن کر رہ گیا تھا اس لیے اس میں آسانی پیدا کرنے کے لیے انہوں نے اپنی نفسانی اغراض کے لیے طرح طرح کے حیلے نکالے۔ کبھی اشہر حرم کے کسی مہینہ میں جنگ کی ضرورت پیش آتی یا لڑتے لڑتے شہر حرام آجاتا تو کہہ دیتے کہ اب کے سال یہ مہینہ حرم نہیں ہوا۔ اگلا مہینہ حرم ہوگا۔ اور مزید ضرورت پڑتی تو کہتے کہ اس سال محرم مہینہ حرام نہیں بلکہ صفر کا مہینہ حرام ہوگا۔ اور مزید ضرورت پڑتی تو کہتے کہ ربیع الاوّل حرام ہوگا۔ یا یہ کہتے کہ اس سال صفر کا مہینہ پہلے آگیا۔ محرم بعد میں آگیا اس طرح محرّم کو صفر بنا دیا۔

غرض سال بھر میں چار مہینے تو پورے کر لیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ ترتیب اور تعیین کا لحاظ نہ کرتے تھے۔ جس مہینہ کو چاہیں ذی الحجہ کہہ دیں اور جس کو چاہیں رمضان کہہ دیں اور جس کو چاہیں مقدم کر دیں جس کو چاہیں مؤخر کر دیں اور کبھی زیادہ ضرورت پڑتی مثلاً لڑتے

لڑتے دس مہینے گزر گئے اور سال کے صرف دو ہی مہینے باقی رہ گئے تو ایسے موقعہ پر سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا دیتے اور کہتے کہ اب کے برس سال چودہ مہینوں کا ہوگا۔ اسی طرح باقی ماندہ چار مہینوں کو اشہر حرم بنا لیتے تھے۔ غرض دین ابراہیمی کا اتنا تو احترام کرتے تھے کہ سال میں چار مہینوں کا احترام کرتے اور ان میں قتل و قتال سے باز رہتے مگر اللہ تعالیٰ نے جو ترتیب مہینوں کی متعین فرمائی اور اسی ترتیب سے چار مہینوں کو اشہر حرم قرار دیا اس میں طرح طرح کی تاویلیں کر کے اپنی اغراض نفسانی کو پورا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں اس کا امتیاز ہی دشوار ہو گیا تھا کہ کون سا مہینہ رمضان یا شوال کا ہے اور کونسا ذی قعدہ ذی الحجہ یا رجب کا ہے۔ ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور نویں سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کو موسم حج میں تمام کفار و مشرکین سے برأت کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا تو یہ مہینہ حقیقی حساب سے اگرچہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا مگر جاہلیت کے اسی پرانے دستور کے مطابق یہ مہینہ ذی قعدہ قرار پایا تھا۔ اور اس سال ان کے نزدیک حج کا مہینہ بجائے ذی الحجہ کے ذی قعدہ مقرر تھا،

پھر ہجری ۱۰ میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو قدرتی طور پر ایسا نظام بن گیا کہ مہینہ اصل ذی الحجہ کا تھا۔ اہل جاہلیت کے حساب میں بھی وہ ذی الحجہ ہی قرار پایا۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منیٰ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ اَلَا اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ کَهَیْئَتِهٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یعنی زمانہ پھر پھرا کر

پھر اپنی اسی ہیئت پر آگیا ہے جب اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت رکھا تھا۔ یعنی جو مہینہ اصل ذی الحجہ کا تھا جاہلیت والوں کے نزدیک بھی اس سال وہی مہینہ ذی الحجہ کا مہینہ قرار پایا۔ یہ تھی وہ رسم جاہلیت جو مہینوں کی تعداد ترتیب اور تعیین میں کمی بیشی اور ردّ و بدل کر کے کی جاتی تھی جس کے نتیجہ میں ان تمام احکام شرعیہ میں خلل آیا تھا جو کسی خاص مہینہ یا اس کی کسی خاص تاریخ سے متعلق۔ یا جو سال کے شروع یا ختم سے متعلق ہیں۔ مثلاً عشرہ ذی الحجہ میں احکام حج اور عشرہ محرم کے روزے اور ختم سال پر زکوٰۃ وغیرہ کے احکام۔ بات تو مختصر سی تھی کہ مہینہ کا نام بدل کر مقدم و موخر کر دیا کہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم بنا دیا لیکن اس کے نتیجہ میں سینکڑوں احکام شرعیہ کی تحریف ہو کر عمل برباد ہوا۔ قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں رسم جاہلیت کی خرابی اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی ہدایت ہے (معارف القرآن مفتی محمد شفیع)

ان آیتوں میں مسلمانوں کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ اسلامی عبادات میں یا ان کے اوقات میں یا اسلام کے کسی اصول میں اپنی رائے سے یا اجتہاد سے تبدیل نہ کرنا ورنہ تم بھی اسی طرح کافر ہو جاؤ گے جیسا کہ وہ تبدیل کر کے کافر ہوئے تھے۔

پہلی آیت میں ارشاد ہے۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا۔ اس میں عِدَّةَ تعداد کے معنی میں ہے اور شہور شہر کی جمع ہے۔ شہر کے معنی مہینہ ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ متعین ہے۔ اس میں کسی

کو کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں۔ اس کے بعد فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ کا لفظ بڑھا کر بتلا دیا کہ یہ بات ازل سے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تھی۔ پھر یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فرما کر اشارہ کر دیا کہ قضائے خداوندی اس معاملہ میں اگرچہ ازل میں جاری ہو چکی تھی لیکن یہ مہینوں کی ترتیب اور تعیین اس وقت عمل میں آئی جب آسمان و زمین پیدا کئے گئے۔ پھر ارشاد فرمایا: مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ۔ یعنی ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ اس کو حرمت والا دو معنی کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ ایک تو اس لیے کہ ان میں قتل و قتال حرام ہے۔ دوسرا اس لیے کہ یہ مہینے متبرک اور واجب الاحترام ہیں۔ ان میں عبادت کا ثواب زیادہ ملتا۔ ان میں سے پہلا حکم تو شریعت اسلام میں منسوخ ہو گیا مگر دوسرا حکم احترام و ادب اور ان میں عبادت گزاری کا اہتمام اسلام میں بھی باقی ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ یوم النحر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مہینوں کی تشریح فرمائی کہ تین مہینے مسلسل ہیں۔ ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم جن کو اشہر حج بھی کہا جاتا ہے۔ ایک مہینہ رجب کا ہے مگر ماہ رجب کے معاملہ میں عرب کے دو قول مشہور تھے۔ بعض قبائل اس مہینہ کو رجب کہتے تھے جس کو ہم رمضان کہتے ہیں۔ قبیلہ مضر کے نزدیک رجب وہ مہینہ تھا جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجب مضر فرما کر یہ وضاحت بھی فرما دی کہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے وہ ماہ رجب مراد ہے۔ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یہ ہے دین مستقیم۔ یعنی مہینوں کی تعیین اور ترتیب اور ان میں ہر مہینہ خصوصاً اشہر حرم کے متعلق جو احکام ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم ازلی کے

مطابق رکھنا ہی دین مستقیم ہے۔ اس میں اپنی طرف سے کمی بیشی اور تغیر و تبدل فرماکر کج فہمی اور کج طبعی کی علامت ہے۔ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ۔ یعنی ان مقدس مہینوں میں تم اپنا نقصان نہ کر بیٹھنا کہ ان کے معینہ احکام و احترام کی خلاف ورزی کر دیا ان میں عبادت گزاری میں کوتاہی کرو۔ امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں کی بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے اس طرح جو شخص کوشش کر کے اپنے آپ کو ان مہینوں میں گناہوں اور برے کاموں سے بچا لے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو ان برائیوں سے بچانا آسان ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔ یہاں تک مشرکین مکہ کی ایک خاص رسم جاہلیت کا بیان اور اس کا ابطال تھا۔ آخر آیت میں پھر اس حکم کا اعادہ ہے جو شروع میں سورۃ میں دیا گیا تھا کہ میعاد معاہدہ ختم ہونے کے بعد تمام مشرکین اور کفار سے جہاد واجب ہے۔

دوسری آیت میں بھی اسی رسم جاہلیت کا ذکر اس طرح فرمایا اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ۔ لفظ نسیئ مصدر ہے جس کے معنی پیچھے ہٹا دینے اور مؤخر کر دینے کے ہیں اور بمعنے مؤخر بھی استعمال ہوتا ہے۔ مشرکین عرب نے ان مہینوں کے آگے پیچھے کرنے کو یہ سمجھا تھا کہ اس طرح ہماری اغراض نفسانی بھی فوت نہ ہوگی اور حکم خداوندی کی تکمیل بھی ہو جائے گی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارا مہینوں کو مؤخر کرنا اور اپنی جگہ سے ہٹا دینا کفر میں اور زیادتی ہے۔ جس سے ان کفار کی گمراہی

اور بڑھتی ہے کہ وہ شہر حرام کو کسی سال تو حرام قرار دیں اور کسی سال حلال کرلیں ۔ لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ یعنی تاکہ وہ پوری کرلیں گنتی ان مہینوں کی جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ محض گنتی پوری کر لینے سے تعمیل حکم نہیں ہوتی بلکہ جو حکم جس مہینہ کے لیے دیا گیا ہے اس مہینہ میں اس کو پورا کرنا ضروری ہے ۔ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ اس لیے تاریخ وسال کا حساب چاند اور سورج دونوں سے جائز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے لیے چاند کے حساب کو پسند فرمایا ہے اور احکام شرعیہ اس پر دائر فرمائے ہیں ۔ اس لیے قمری حساب کا محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے ۔ اگر ساری امت قمری حساب ترک کر کے اس کو بھلا دے تو سب گناہ گار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے لیکن سنت اللہ اور سنت سلف کے خلاف ضروری ہے اس لیے بلا ضرورت اس کو اختیار کرنا اچھا نہیں ۔ (معارف القرآن مؤلفہ مفتی محمد شفیع)

خلاصہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں مسلمانوں کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ سلامی عبادات، ان کے اوقات یا اسلامی اصولوں میں سے کسی اصول کو اپنی رائے سے تبدیل کرنا کفر ہے ۔ اور یہ تبدیلی کرنے والا اسی طرح کافر ہو جائے گا، جس طرح مشرکین مکہ تبدیل کر کے کافر ہوئے تھے اور دین میں تبدیلیوں کے سلسلہ میں یہاں جو مباحث اور نمونے پیش کئے گئے ہیں یہ تو مشت از نمونہ خروارہیں ورنہ اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی کتابیں اتاری ہیں انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تو اپنے اپنے حیات اور دور میں من وعن لوگوں تک پہنچائی ہیں اور انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی کمی یا دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن

بعد میں آنے والوں نے اس بنا پر ان میں تبدیلی کی کہ انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ صحیفۂ آسمانی میں بوقت ضرورت تبدیلی کر لے اور یہ تبدیلی اجتہاد کی بنا پر ہوتی تھی۔ اس سے وہ دینِ الٰہی سب مٹ گیا۔ جب ایک پیغمبر پر کتاب اتاری تو اس کے بعد لوگوں نے اس کو اس طرح مٹایا تو اللہ تعالیٰ نے ایک اور پیغمبر بھیج دیا اور جب اس کی کتاب کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہوا تو ایک اور بھیج دیا یہاں تک کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمایا۔ اور اس قرآن کے بارے میں بھی یہی اندیشہ تھا کہ لوگ پہلے کافروں کے نقش قدم پر چل کر اس میں بھی اپنے اپنے اجتہادات سے تبدیلیاں کر لیں گے۔ اور تورات اور انجیل کی طرح کئی قرآن بنا لیے جائینگے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک تو اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اٹھائی ہے اور دوسرا اس قرآن میں یہ واضح فرما دیا کہ اس قرآن میں یہ پیغمبر بھی اپنی ذاتی رائے سے تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اور جب پیغمبر کو یہ حق حاصل نہیں تو ظاہر بات ہے کہ پھر کسی مجتہد امام، پیر یا مولوی، پارلیمنٹ یا حکومت کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے اپنے ذاتی اجتہادات سے قانون الٰہی میں تبدیلیاں کریں۔ البتہ اتنی بات ہے کہ قاضی کو بوقت حکم اجتہاد کا احتیاج تو ہے کیونکہ قرآن و حدیث اگرچہ مکمل ضابطۂ حیات ہے لیکن تاہم ان میں اجمال ہے تفصیل نہیں ہے اور قاضی کے سامنے ایسا کیس آ سکتا ہے کہ قاضی کو اس کے بارے میں صراحۃً کوئی آیت یا حدیث نہ ملے تو اس وقت وہ کیا کرے گا، وہ کس طرح فیصلہ کرے گا۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ضرورت کے پیش نظر جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن کا گورنر بنانے لگے

تو پہلے ان کا امتحان لیا اور پوچھا کہ کس پر فیصلہ کرو گے تو عرض کیا کتاب اللہ پر پھر پوچھا کہ اگر تم کتاب اللہ میں مسئلہ نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے تو عرض کیا کہ سنت رسولؐ اللہ پر، پھر فرمایا اگر سنت رسولؐ اللہ میں نہ پاؤ، تو اس وقت عرض کیا میں پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کمی نہیں کروں گا۔ تو اس پر آپؐ نے اللہ کی حمد بیان فرمائی کہ تمام تعریفیں ہیں اللہ کے لیے جس نے رسول اللہ کے رسول کو وہ توفیق بخشی جس پر اللہ کا رسول راضی ہے۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی اجازت ہی نہیں اور دوسرا یہ ثابت ہوتا ہے کہ اجتہاد کا ماخذ بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہی ہونا چاہیئے کیونکہ حضرت معاذ بن جبل نے جب فرمایا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کمی نہیں کروں گا تو ظاہر ثابت ہے کہ اس سے مراد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں اجتہاد کرنا ہے۔ اسی لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا منشا بھی یہی تھا کہ اجتہاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے باہر نہیں ہونا چاہیئے۔

قاضی مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے بیانات سُنے

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

إِلَى الْيَمَنِ
قَاضِيًا فَقُلْتُ
يَا رَسُولَ اللهِ
تُرْسِلُنِي وَأَنَا
حَدِيثُ السِّنِّ
وَلَا عِلْمَ لِي
بِالْقَضَاءِ فَقَالَ
إِنَّ اللهَ سَيَهْدِي
قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ
لِسَانَكَ إِذَا
تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ
فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ
حَتَّى تَسْمَعَ
كَلَامَ الْآخَرِ فَإِنَّهُ
أَحْرَى أَنْ
يَتَبَيَّنَ لَكَ
الْقَضَاءُ قَالَ
فَمَا شَكَكْتُ
فِي قَضَاءٍ
(ترمذی)

یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو
میں نے عرض کیا یا
رسول اللہ آپ مجھے بھیج
رہے ہیں حالانکہ میں نوعمر
ہوں اور مجھے فقہا کا علم
بھی نہیں ہے تو آپؐ
نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے
دل کی رہنمائی کرے گا
اور تیری زبان کو مضبوط
کرے گا۔ جب دو
آدمی تیرے پاس فیصلہ
لائیں تو پہلے کے حق میں
فیصلہ نہ کرنا جب تک
دوسرے کی بات نہ سُنے
اس سے تیرے فیصلے
کا راستہ ہموار ہو جائیگا
حضرت علیؓ نے فرمایا
اس کے بعد مجھے کسی
فیصلہ کے کرنے میں
شک نہیں پڑا۔

تشریح

اس حدیث سے واضح اور سرسری طور پر تو یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کو دونوں (مدعی اور مدعا علیہ) کے بیانات سننا چاہیئے۔ صرف کسی ایک کا بیان سُن کر فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ کسی ایک کا بیان سُن کر فیصلہ کرے گا تو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے۔ اس سے مظلوم کی دادرسی نہیں ہو سکے گی۔ اور قاضی کے پاس کیس لے جانے کا مقصد یہ ہے کہ اس کو انصاف ملے۔

اس لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ صرف ایک کی بات سُن کر فیصلہ نہ کرنا۔ مگر اس حدیث سے کچھ مزید مسائل پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ ہے کہ ایک قاضی القضاۃ ہونا چاہیئے جو اس عہدہ کے لیے قاضی تیار کرے اور ان کو تعلیم و تربیت دے اور اس عہدہ پر کام کرنے کے طریقے اُن کو بتلائے اور پھر ان کا امتحان بھی لے۔ جیسا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں کرتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل والی حدیث جو پہلے بیان ہو چکی ہے اور اس حدیث سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ہی کے درفیض سے تعلیم و تربیت یافتہ تھے اور آپ سے قرآن و حدیث سیکھتے تھے تب ہی تو آپ نے انہیں عہدہ قضا کے لیے منتخب فرمایا تھا۔

اور دوسرا اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوجوان کو بھی اس

عہدہ قضا پر لگایا جاسکتا ہے مگر اس کے لیے شرطیہ ہے کہ وہ نوجوان جذباتی نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ میں سے کوئی قاضی کے ساتھ سختی کرے۔ اور قاضی جذبات میں آکر جادۂ حق سے ہٹ جائے اور اس سے حق تلفی ہو جائے جیسا کہ دوسری جگہ حدیث میں موجود ہے آپؐ نے فرمایا: لَا یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ بَیْنَ اِثْنَیْنِ وَھُوَ غَضْبَانٌ۔ کوئی حاکم دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

تیسرا اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عہدہ پر آنے سے پہلے قاضی کا تجربہ کار ہونا ضروری نہیں ہے۔ یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ پہلے اس نے فیصلے کرنے کی ٹریننگ کسی تجربہ گاہ میں حاصل کی ہو تب ہی اسے قضا کا عہدہ سونپا جائے بلکہ علوم قرآن و حدیث جاننا ضروری ہے اسے پتہ ہونا چاہیئے کہ بندوں کے آپس میں ایک دوسرے پر کیا کیا حقوق ہیں۔ کیونکہ حضرت علیؓ نے جب آپ سے عرض کیا تھا کہ وَلَا عِلْمَ لِی بِالْقَضَا اس سے مراد تجربہ ہے کہ مجھے فیصلوں کا تجربہ نہیں ہے یہ مقصد نہیں ہے کہ حضرت علی قرآن و حدیث کے علم سے بے خبر تھے اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ یہ عہدہ قبول کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ کیونکہ آپ صوفی منش آدمی تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے صحابہؓ کو ایسے عہدے قبول کرنے سے بچنے کی اور پرہیز کرنے کی تعلیم بھی دے چکے تھے جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

اب یمن میں گورنر کی ضرورت تھی اور آپؐ نے حضرت علیؓ کو اس عہدے کا اہل سمجھا اور انہیں اس کی پیش کش کی۔ آپؐ کا مقصد یہ

کہ جب پبلک کو ایک عادل حکمران کی ضرورت ہو اور ایک شخص میں صلاحیت ہو تو اسے عہدہ قبول کر لینا چاہیئے۔ اور حضرت علیؓ نے آپ کے سامنے انکار نہیں کیا بلکہ اپنے اندر جو خامی اور فقدان صلاحیت سمجھ رہے تھے اس کو پیش کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیری قلبی راہ نمائی کرے گا اور تیری زبان کو مضبوط کریگا یعنی اللہ تعالیٰ تجھے قرآن و حدیث کی سمجھ دے گا اور ان سے مسائل استنباط کرنے کی اور اجتہاد کی توفیق عطا فرمائے گا۔

اور چوتھا اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اس عہدہ قضا پر جو آدمی فائز ہو گا اور اس کا مقصد عدل و انصاف ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو خصوصی نصرت ہوتی ہے جیسا کہ پہلے بھی یہ مضمون گزر گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے قاضی کی حمایت کے لیے فرشتے مقرر کر دیتے ہیں

پانچواں اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قضا علی الغائب جائز نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا ہے کہ صرف ایک کی بات سن کر فیصلہ نہ کرنا دوسرے کی بات بھی سننا تو اس سے معلوم ہوا کہ دو تو مدعی اور مدعا علیہ کا بولنا اور اپنا اپنا موقف بیان کرنا ضروری ہے اور جب فریق ثانی موجود ہی نہیں ہو گا تو دوسرے کا موقف تو معلوم نہیں ہو سکے گا اس لیے فریقین کا عدالت میں موجود ہونا ضروری ہے۔ البتہ وکیل ہو تو جائز ہے اس کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آئے گی۔

قاضی کو کھلی عدالت میں بیٹھنا چاہیئے

عَنْ اَبِی الشَّمَاخِ الْاَزْدِیْ عَنْ ابْنِ عَمٍّ لَهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اَتٰی مُعَاوِیَةَ فَدَخَلَ عَلَیْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ وُلِّیَ مِنْ اَمْرِ النَّاسِ شَیْئًا ثُمَّ اَغْلَقَ بَابَهٗ دُوْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَوِ الْمَظْلُوْمِ اَوْ ذِی الْحَاجَةِ اَغْلَقَ اللّٰهُ دُوْنَهٗ اَبْوَابَ رَحْمَتِهٖ عِنْدَ حَاجَتِهٖ

ابی الشماخ ازدی نے اپنے چچا زاد بھائی (جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے) سے نقل کیا ہے کہ وہ معاویہؓ کے پاس گئے پھر اس کے کمرہ میں داخل ہوئے تو اسے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ فرماتے تھے جس شخص کو لوگوں کے کسی کام کا ذمہ دار بنایا جائے پھر وہ مسلمانوں کے سامنے یا مظلوم یا حاجتمند کے سامنے سے اپنا دروازہ بند کر دے، تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت

وَ فَقْرِهٖ اَفْقَرَ مَا يَكُوْنَ اِلَيْهِ۔ (مشکوٰۃ)

اور سخت تنگدستی کے وقت اپنی رحمت کے دروازے اس پر بند کر دیتے ہیں۔

عَنْ عَمْرِو ابْنِ مُرَّةَ اَنَّهٗ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ شَيْئًا مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاحْتَجَبَ دُوْنَ حَاجَتِهِمْ وَخَلَّتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ دُوْنَ حَاجَتِهٖ وَخَلَّتِهٖ وَفَقْرِهٖ فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا عَلٰى حَوَائِجِ النَّاسِ

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

عمرو بن مُرّہ نے حضرت معاویہ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے جس آدمی کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے کسی کام کا ذمہ دار بنا دے پھر وہ ان کی حاجت، مقصد اور احتیاج پوری نہ کرے تو اللہ تعالےٰ اس کی حاجت، مقصد اور احتیاج پوری نہیں کریں گے پھر معاویہ نے لوگوں کی حاجتوں کے لیے ایک آدمی مقرر کیا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ

اور ایک روایت میں ہے

وَلَا حُمَدَ أَغْلَقَ اللّٰهُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ دُوْنَ خَلَّتِهٖ وَحَاجَتِهٖ وَمَسْكَنَتِهٖ

عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهٗ كَانَ إِذَا بَعَثَ عُمَّالَهٗ شَرَطَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَّا تَرْكَبُوْا بِرْذَوْنًا وَلَا تَأْكُلُوْا نَقِيًّا وَلَا تَلْبَسُوْا رَقِيْقًا وَلَا تُغْلِقُوْا أَبْوَابَكُمْ دُوْنَ حَوَائِجِ النَّاسِ فَإِنْ فَعَلْتُمْ شَيْئًا مِّنْ ذَالِكَ فَقَدْ حَلَّتْ بِكُمُ الْعُقُوْبَةُ ثُمَّ يُشَيِّعُهُمْ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

اللہ تعالیٰ اس کے مقصد حاجت اور احتیاج کے سامنے آسمان کے دروازے بند کر دیتے ہیں

عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ جب وہ اپنے ذمہ داروں کو بھیجتے تھے ان پر شرط عائد کرتے تھے کہ تم نے ترکی گھوڑے پر سواری نہیں کرنی اور میدہ کی روٹی نہیں کھانی اور باریک لباس نہیں پہننا اور لوگوں کی حاجتوں کے سامنے اپنے دروازہ کو بند نہیں کرنا۔ پھر اگر تم ان میں سے کوئی کام بھی کروگے تو تم پر عذاب اتر آئے گا۔ پھر انہیں رخصت کرتے تھے۔

تشریح

یہاں اس باب میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابی الشماخ ازدی والی، دوسری عمرو بن مُرّہ والی اور تیسری حضرت عمر کا عملی نمونہ ہے۔

پہلی دونوں حدیثوں کا خلاصہ اور لبّ لباب یہ ہے کہ مسلمان حکمرانوں کو چاہیئے کہ فیصلہ کرتے وقت کھلی عدالت میں بیٹھیں اور بند کمروں میں سماعت نہ کریں اور حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کریں یعنی عدل و انصاف کے فیصلے کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی ضروریات پوری کریں گے اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی حاجتیں پوری نہیں کریں گے وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ خود عادل ہے اور اس نے یہ عدل و انصاف کی ذمہ داری ان کو سونپی ہے۔ اگر وہ یہ ذمہ داری پوری کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے حکام کے لیے جو خصوصی مراعات رکھی ہیں وہ انہیں پوری دے گا ورنہ پھر پبلک کے غیض و غضب سے ان کا بچنا مشکل ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت نہیں کرے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے اپنے دور میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے اس فارمولے پر عمل کیا۔ اور حضرت معاویہؓ نے تو اپنے پاس آنے جانے والوں کے لیے ایک سپیشل آدمی مقرر کر دیا تھا جو لوگوں کی حوائج سنتا اور انہیں پورا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ تو گورنر مقرر کرتے وقت ان کے ساتھ چار شرطیں لگاتے تھے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ ترکی گھوڑے پر سواری نہیں کرنا (مقصد یہ ہے کہ سرکاری سواری درمیانی استعمال کرنی ہے۔) دوسری شرط یہ ہے کہ

میدہ کی روٹی نہیں کھانی (یعنی جب سرکاری خرچ کرنا ہو تو درمیانی غذا استعمال کرنا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ لباس باریک نہیں پہننا بلکہ موٹا لباس پہننا ہے یعنی جب سرکاری لباس استعمال کریں تو درمیانہ اور سادہ لباس استعمال کریں۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اپنے دروازے لوگوں کی حاجتوں کے سامنے بند نہ رکھیں (یعنی عدالتی دروازے عدالت کے مقرر کردہ اوقات میں بند نہیں ہونے چاہیئں) ان اوقات میں قاضی حاکم کو غیر حاضر نہیں رہنا چاہیئے کیونکہ ایسا کرنے سے عوام الناس کا اعتماد حکام سے اٹھ جائے گا۔ پس جو شخص یہ شرطیں پوری کرنے کا عہد کرتا تو حضرت عمرؓ اس کو عہدہ پر لگا دیتے تھے اور جو یہ عہد نہیں کرتا تھا تو حضرت عمرؓ اس کو عہدہ نہیں دیتے تھے اور حضرت عمرؓ جس عذاب کی دھمکی سناتے تھے اس سے مراد دنیاوی اور اُخروی عذاب ہے اور یہ عذاب اس لیے ہے کہ ان اصولوں کی خلاف ورزی کرنے والا عدل وانصاف کے راستے میں رکاوٹ ہے اور مظلوموں کی حق تلفی میں یہ بھی شریک ہے۔ کیونکہ عیاش حکمران اپنی شکم سیری کے لیے رشوت کا باب کھول دیں گے۔ اور بجائے مظلوم کے ظالم کا ساتھ دیں گے اس لیے حضرت عمرؓ نے یہ دروازہ بند کیا ہے۔

قاضی مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرے

عَنْ سَهْلِ ابْنِ	سہل بن سعد ساعدی سے
سَعْدِ السَّاعِدِيِّ	روایت ہے کہ عویمر عجلانی
قَالَ اِنَّ عُوَيْمِرَ	نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ
الْعَجْلَانِيَّ قَالَ يَا	علیہ وسلم، آپ کا کیا خیال
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	ہے کہ ایک آدمی اپنی

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَئَيْتَ رَجُلاً وَجَدَ مَعَ اِمْرَأَتِهٖ رَجُلاً اَيَقْتُلُهٗ فَيَقْتُلُوْنَهٗ اَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُنْزِلَ فِيْكَ وَفِيْ صَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا قَالَ سَهْلٌ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ۔

(الحدیث مشکوٰۃ)

بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو پائے تو وہ کیا کرے اسے قتل کردے تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔ وہ کیا کرے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق وحی اُتاری گئی ہے تیرے بارے میں اور تیری بیوی کے بارے میں جا اسے لے آ۔ سہل نے کہا کہ پھر ان دونوں نے مسجد میں لعان کیا۔

عَنْ كَعْبِ ابْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ تَقَاضَا ابْنَ اَبِيْ حَدْرَدٍ دَيْنًا لَهٗ عَلَيْهِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا

کعب بن مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن ابی حدرد سے اپنے قرضے کا تقاضا کیا جو اس نے اس کا دینا تھا۔ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں در پیش آیا۔ اُن کی

حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ وَ نَادٰى كَعْبَ ابْنَ مَالِكٍ قَالَ يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ اَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهِ۔

(متفق علیہ)

آوازیں بلند ہوئیں یہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نکلے۔ یہاں تک کہ آپ کے حجرے کا پردہ کھل گیا اور آپ نے کعب ابن مالک کو پکارا اور فرمایا اے کعب اس نے کہا حاضر ہوں یا رسول اللہ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنے قرضے میں سے ایک حصّہ چھوڑ دے کعب نے کہا میں نے ایسا کر دیا ہے یا رسول اللہ تو اسے فرمایا تو اُٹھ کر ادا کر۔

تشریح

یہاں اس بحث میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی سہل بن

سعد والی ہے اور دوسری کعب بن مالک والی ہے۔ پہلی حدیث میں تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عملی نمونہ بیان فرمایا ہے کہ آپ نے خود عویمر عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان مسجد میں لعان کرایا۔ اور دوسری میں بھی مسجد میں قرض پر جھگڑا کرنے والوں میں سے صاحب قرض کو مشورہ دیا کہ تو اپنے قرض کا ایک حصہ اس کو چھوڑ دے اور اور جب اس نے آپ کے مشورہ سے ایک حصہ چھوڑ دیا تو پھر مقروض سے فرمایا کہ باقی اٹھ کر ادا کرو۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ قاضی فیصلہ مسجد میں کر سکتا ہے۔ آپ کے خلفاء راشدین بھی فیصلے مسجدوں میں کیا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات آپ کے اور آپ کے خلفاء کے فیصلے مسجدوں کے علاوہ بھی ثابت ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ مسجد میں فیصلہ بہتر ہے اور مسجد کے علاوہ بھی جائز ہے اور مسجد میں بہتر اس لیے ہے کہ یہ کھلی جگہ ہے اور مقدس مقام بھی ہے۔ خدا خوفی بھی ہوگی۔ گواہ سچی گواہی دیں گے اور قاضی حق وانصاف کا فیصلہ کرے گا۔

انسدادِ رشوت

وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ	اور ایک دوسرے کے
بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ تُدْلُوا	مال آپس میں ناجائز طور
بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ	پر نہ کھاؤ اور انہیں حاکموں
لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ	تک نہ پہنچاؤ تاکہ لوگوں
اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ	کے مال کا کچھ حصہ گناہ

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
(سورۃ البقرہ آیت ۱۸۸)

سے کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ ثَوْبَانَ وَزَادَ وَالرَّائِشَ يَعْنِي الَّذِيْ يَمْشِيْ بَيْنَهُمَا۔

عبداللہ بن عمرو نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے رشوت دینے والے اور لینے والے پر ابوداؤد اور ابن ماجہ نے یہ حدیث نقل کی ہے اور ترمذی نے اس سے اور ابوہریرہ سے نقل کی ہے اور احمد اور بیہقی نے شعب ایمان میں ثوبان سے نقل کی ہے اور اس نے رائش کا لفظ بڑھایا ہے یعنی جو ان دونوں کے درمیان رابطہ کرے

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ

ابی امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کی سفارش کرے اور پھر

شَفَاعَةً فَاهْدٰى لَهٗ	وہ اس کو اس کی وجہ
هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا	سے ہدیہ دے اور وہ
فَقَدْ اَتٰى بَابًا	قبول کرلے تو وہ یقیناً
عَظِيْمًا مِنْ اَبْوَابِ	سود کے بڑے دروازے
الرِّبٰوا۔ (رواہ ابوداؤد)	پر آیا۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں ایک آیت نقل کی گئی ہے اور دو حدیثیں ہیں آیت میں دو مضمون ہیں۔ ایک یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل اور ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ۔ اس کی مفصل بحث خلاصہ تفسیر القرآن جلد سادس میں بیان ہوچکی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام اور مال کو جائز اور حلال فرمایا ہے۔ وہ حلال اور طیّب ہے اور جس کو حرام اور ناجائز فرمایا ہے وہ باطل ہے۔ اور دوسرا مضمون ہے کہ اپنے مال حاکموں تک نہ لے جاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصّہ گناہ سے کھاؤ۔ یہ جملہ مجمل ہے اور اس کے بعد والی دو حدیثیں اس کی تشریح ہیں۔ ان حدیثوں میں یہ فرمایا ہے کہ اس سے مراد رشوت ہے اور جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے، لینے والے اور ان دونوں کے درمیان رابطہ کرانے والے تینوں پر لعنت فرمائی ہے۔ یہ تو عبداللہ بن عمرو والی حدیث کا مضمون ہے۔

اس کے بعد ابی امامہ والی حدیث میں فرمایا ہے کہ کوئی کسی کی سفارش کرے اور وہ اس کو ہدیہ دے اور وہ قبول کرلے تو وہ بھی رشوت ہے

اور آپ نے اس کو سود فرمایا ہے کیونکہ بلا معاوضہ ہے اور درحقیقت یہ سود ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان پر لعنت فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بہت بُرے ہیں کیونکہ لعنت کے معنی بعید من الرحمت کے۔ اور یہ دراصل بد دُعا ہے اور امام الانبیاء جس کے بارے میں بد دُعا کریں اس کی قبولیت میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ اس لیے یہ لوگ بہت بڑے مجرم ہیں کیونکہ رشوت کا باب کھل جانے سے دراصل مظالم کا باب کھل جاتا ہے اور اس کی بندش ناممکن ہو جاتی ہے اور اس کا اصلی باعث یہی رشوت ہے۔

رشوت اور ہدیہ میں فرق

رشوت اس مال کو کہتے ہیں جو کسی کی حق تلفی کے لیے یا باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے حکام کو دیا جاتا ہے اور ہدیہ میں یہ چیز نہیں ہوتی۔ ہاں اگر دینے والے کی نیت دوسرے کا مال ہتھیانا ہو اور نام اس کا ہدیہ رکھے تو اس سے اس کی رشوت ہونے کی حیثیت نہیں بدلے گی۔ بلکہ وہ رشوت ہی رہے گی۔ اور یہ بہت بڑا گناہ بھی ہو گا۔ دینے والے کے لیے بھی اور لینے والے کے لیے بھی۔ دینے والے کے لیے تو یہ اس لیے بڑا گناہ ہے کہ اس نے اپنا حلال مال حرام مصرف میں خرچ کیا دوسرے کی حق تلفی کی اور اس حرام کو ہدیہ کا نام دیا جو اسلام میں بہت اونچا فعل ہے۔ اور اس نے ایسا کر کے بہت برا کیا۔ لینے والے کے لیے اس لیے بڑا گناہ ہے کہ اس نے یہ مال لے کر دوسرے کا حق ضائع کیا۔ اور

سوائے کسی معاوضہ کے یہ مال لیا جو ایک طرح کا سود بھی ہے اور اگر اپنا حق ثابت کرنے کے لیے کوئی حکام کو رشوت دے تو یہ صورت دینے والے کے لیے تو جائز ہے لیکن حکام کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مال بلا معاوضہ ہے جو ایک طرح کا سود ہے تو اس کا جو گناہ ہے وہ بھی سود کے گناہ کے برابر ہو گا۔ بہرحال یہاں تک تو آیت کے دوسرے حصہ کی تشریح تھی جو عرض کی گئی ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ وانتم تعلمون حالانکہ تم جانتے ہو یعنی دیدہ دلیری سے اور دانستہ طور پر اور قصداً جو لوگ حکام سے غلط فیصلے کرا کر دوسروں کا مال ہتھیاتے ہیں اور ان کے اموال اپنے قبضہ میں لیتے ہیں ان کے لیے تو یہ گناہ ہے اور جس مال کے بارے میں یہ پتہ نہ ہو کہ یہ فریقین میں سے کس کا ہے اور اس سلسلہ میں وہ حکام کے پاس جائیں اور حکام تحقیق کے بعد کسی کے حق میں فیصلہ کر دیں اور انہیں یقین ہو جائے کہ یہ مال فلاں کا ہے تو اس وقت اگر وہ آدمی وہ مال کھائے جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے تو یہ گناہ نہیں ہو گا۔

قاضی ہدیہ قبول نہ کرے

عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ اِسْتَعْمَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا	ابی حمید ساعدی سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ابن لتبیہ

مِّنَ الْاَزْدِ يُقَالُ	نامی ایک شخص کو صدقہ
لَهٗ ابْنُ تُبْيَعَةِ	فراہم کرنے کے لیے مقرر
عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا	فرمایا۔ پھر جب وہ آیا تو
قَدِمَ قَالَ هٰذَا	کہا یہ تمہارا مال ہے اور یہ
لَكُمْ وَهٰذَا لِيْ	میرا مال ہے تو نبی علیہ
قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ	الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا
هَلَّا جَلَسَ فِيْ	کہ یہ اپنے باپ یا اپنی ماں
بَيْتِ اَبِيْهِ اَوْ فِيْ	کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھا
بَيْتِ اُمِّهٖ فَيَنْظُرُ	پھر دیکھا جاتا کہ اسے
يُهْدٰى اَمْ لَا۔	ہدیہ دیا ہے یا نہیں۔

(بخاری)

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص عہدہ قضا پر فائز ہو تو اس دوران اس کو ہدیہ قبول نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے رشوت کا وہم پڑتا ہے۔ حکام پر رشوت خوری کی تہمت آئے گی۔ ان پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ اور پھر اس سے حکام کو رشوت کی عادت پڑ سکتی ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی اپنے کسی رشتہ دار سے ہدیہ قبول کر سکتا ہے کیونکہ یہ صلہ رحمی ہے اور اگر وہ قبول نہیں کرے گا تو قطع رحمی ہو گی۔ نیز ان فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر قاضی کوئی ایسی شخصیت ہو کہ عہدۂ قضا پر آنے سے پہلے اگر اس کو لوگ ہدیہ دیا کرتے تھے اور وہ ہدیہ قبول کرتا تھا تو اس

عہدہ پر آنے کے بعد بھی اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ہدیہ قبول کرے
بہرحال قاضی کے لیے ہدیہ کی بندش رشوت کے سدّباب کا ذریعہ ہے

قاضی کے ناحق فیصلہ سے چیز حلال نہیں ہوتی

عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّمَا یَاْتِیْنِی الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَکُمْ اَنْ یَّکُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِہٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِیْ لَہٗ فَمَنْ قَضَیْتُ لَہٗ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَاِنَّمَا ھِیَ قِطْعَۃٌ مِنْ نَارٍ فَلْیَحْمِلْھَا اَوْ لِیَذَرْھَا۔

(ابن کثیر)

ام سلمہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک آدمی ہوں اور میرے پاس جھگڑا آتا ہے۔ پس شاید کہ تمہارا ایک زیادہ زبان دراز ہو دوسرے سے بوجہ اپنی حجت کے۔ پھر میں فیصلہ کر دوں اس کے حق میں۔ پس جو شخص کہ میں فیصلہ کردوں اسکے حق میں کسی مسلمان کے حق کا پس یہ آگ کا ٹکڑا ہے اسے اٹھا لینا چاہیئے یا اسے چھوڑ دے۔

تشریح

اس حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک اپنے بارے میں فرمایا کہ میں آدمی ہوں خدا نہیں ہوں، تاکہ مجھے معلوم ہو کہ مدعی اور مدعا علیہ میں سے کس کا حق ہے اور کس کا نہیں ہے تاکہ جس کا حق ہو اس کو دے دوں۔ اور دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ میں اگر کسی کے دلائل کو دیکھ کر فیصلہ اس کے حق میں کر دوں اور کسی دوسرے مسلمان کا حق اس کو دے دوں حالانکہ وہ چیز اس کی نہ ہو تو یہ چیز اس کے لیے آگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی اس کے بدلے اُسے آگ ملے گی۔ یہ چیز اس کے لیے جائز نہیں ہے حرام ہے

پس اس سے ثابت ہوا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کوئی غلط فیصلہ کروا لیتا حالانکہ وہ چیز اس کی نہ ہو تو وہ چیز اس کے لیے حلال نہیں۔ اسی طرح قاضی سے کوئی غلط فیصلہ کروائے تو وہ چیز اس کے لیے حلال نہیں ہوتی حرام ہی ہوتی ہے۔ دراصل اس حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب (یہود و نصاری) کے نظریہ کی تردید بیان فرمائی ہے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ پیر، مولوی یا حکومت کے ذمہ دار قاضی، جج وغیرہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی چیز کو حلال کریں یا حرام۔ قاضی یا جج اگر کسی کی چیز کسی دوسرے کو دے دے تو وہ چیز اس کے لیے حلال سمجھی جاتی تھی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس نظریہ کی تردید بیان فرمائی ہے۔ اس کی مفصل بحث پہلے بیان ہو چکی ہے۔

قرآن مجید اور بعض احادیث میں جو تحلیل و تحریم کی نسبت اللہ تعالیٰ نے جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرمائی ہے اس سے مراد نسبت مجازی ہے حقیقی نہیں ہے جیسا کہ یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے ہیں اور خبیث حرام کرتے ہیں۔ اور اس طرح آپ نے مدینہ منورہ کو زمین حرم قرار دیا۔ اگر یہاں لفظ نسبت مجازی کا بڑھا دیا جائے یوں ایسی تمام آیات اور احادیث میں تعارض رفع ہو جائے گا۔ تو مقصد یہ ہوگا کہ اصل مُحَلِّل اور مُحَرِّم تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نمائندہ، نائب اور خلیفہ ہیں۔ اور یہ مانا ہوا اصول ہے کہ اکثر اوقات فعل کی نسبت مُسَبِّب کی طرف ہوتی ہے اور کبھی کبھی سبب کی طرف بھی نسبت کر دی جاتی ہے جیسا کہ انبت الربیع البقل موسم بہار نے سبزی اگائی یہ نسبت مجازی ہے حقیقتاً اللہ اگانے والا ہے۔

اگر اس اصول کو نہ مانا جائے تو پھر لوگ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تحلیل و تحریم کو سنت نبوی سمجھ کر اپنی طرف سے قرآن و حدیث میں اور شریعت اسلامی میں ردّ و بدل اور تحریف شروع کر دیں گے۔ اور اسلام کے اندر بھی وہی یہودیت اور نصرانیت چل جائے گی۔ اور توراۃ و انجیل کی طرح قران کا بھی حلیہ بگڑ جائے گا۔

قاضی مدعی اور مدعا علیہ میں سے صرف کسی ایک کی دعوت نہ کرے

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَنَزَلَ عَلٰی عَلِیٍّ فَاَضَافَهٗ فَلَمَّا قَالَ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُخَاصِمَهٗ قَالَ عَلِیٌّ تَحَوَّلْ فَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا اَنْ نُضِیْفَ الْخَصْمَ اِلَّا وَمَعَهٗ خَصْمُهٗ

(مسند اسحاق ابن راہویہ)

حضرت حسن نے فرمایا کہ حضرت علی کے پاس ایک آدمی آیا تو انہوں نے اس کی دعوت کی جب اس نے کہا کہ میں اس سے مقدمہ کروں گا تو حضرت علی نے فرمایا کہ ہٹ جا بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ مقدمے والے کی دعوت کریں مگر کہ اس کا مقابل ساتھ ہو۔

تشریح

اس حدیث میں جو لفظ خصم دو جگہ استعمال ہوا ہے اس کے لفظ معنی جھگڑا کرنے والے کے آتے ہیں خواہ مدعی ہو یا مدعا علیہ مگر سیاق سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خصم سے مراد مدعی ہے اور دوسرے

مراد مدعا علیہ ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی ان دونوں میں سے صرف ایک کی دعوت نہیں کر سکتا ہاں اگر دونوں کی دعوت کرے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے قاضی کی جانب داری کا شبہ پیدا ہوگا اور فریق مخالف کی حوصلہ شکنی ہوگی اس لیے اس سے منع فرمایا ہے۔ ہاں اگر دونوں کی دعوت کرے گا تو پھر کسی ایک جانب اس کا جھکاؤ معلوم نہیں ہوگا اس لیے یہ جائز ہے اور اس حدیث میں ذکر نہیں ہے کہ وہ مدعی اور مدعا علیہ قاضی کے رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار لیکن بہر حال ضیافت رشتہ داروں کی کی جاتی ہے یا کسی بااثر آدمی کی۔ ہر ایک کی دعوت تو کوئی نہیں کرتا کسی خاص ہی کی دعوت کی جاتی ہے اور دعوت اسلام کے اندر بہت اونچا اصول ہے یہاں تک بعض صحابہ کا بیان ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کی ضیافت کی اتنی تاکید فرمائی ہم سمجھے کہ شاید مہمان کو ہمارے ساتھ وراثت میں شریک کر دیا گیا ہے۔ اور اتنی تاکید کے باوجود قاضی کو یہ اجازت نہیں کہ مدعی یا مدعا علیہ میں سے کسی ایک کی دعوت کرے خواہ اس کے رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار۔ پس معلوم ہوا کہ انصاف بہت اہم ہے اور قاضی کو چاہیئے کہ کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کی غیر جانب داری مشکوک ہو جائے۔

قاضی مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو برابر بٹھائے اور انکی طرف برابر توجہ کرے

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتُلِىَ بِالْقَضَاءِ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَلْيُسَاوِ بَيْنَهُمْ فِى الْجُلُوْسِ وَالْاِشَارَةِ وَالنَّظَرِ۔

ام سلمہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمانوں کے درمیان قضا میں مبتلا کردیا جائے تو اسے چاہیئے کہ ان کے درمیان بیٹھنے میں اشارہ میں اور توجہ میں برابری کرے۔

(مسند اسحاق بن راہویہ)

تشریح

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے قاضی اور حاکم کو تین ہدایات دی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ کو اپنے سامنے برابر بٹھائے اور دوسری ہدایت یہ ہے کہ دونوں کی طرف برابر اشارہ کرے اور تیسری یہ ہے کہ دونوں کی طرف برابر نظر کرے۔

اس حدیث میں جو مسلمین کا ذکر ہے یہ اتفاقی یا اکثریت کی بنا پر ہے۔ یہ مقصد نہیں کہ مسلمانوں کے درمیان تو قاضی مساوات کرے

اور غیر مسلموں کے ساتھ امتیاز برتے اور مساوات نہ کرے بلکہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ مساوات برتتا ہے کافروں کے ساتھ بھی اسی طرح مساوات برتے۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کافر ہوں تب بھی مساوات ہوگی اور اگر ایک مسلم ہو اور دوسرا غیر مسلم تو بھی یہ ہی مساوات ہوگی اور اسی طرح مدعی اور مدعا علیہ قاضی کے رشتہ دار ہوں تو بھی یہی مساوات ہوگی اور غیر رشتہ دار ہوں تب بھی۔ اسی طرح حاکم وقت اور حبیر اسی کے درمیان بھی مساوات کا یہی اصول ہوگا اگر قاضی ان اصولوں کی خلاف ورزی کرے گا تو اس پر جانب داری کی تہمت آئے گی۔ اور اس سے فریقِ مخالف شکستہ دل ہو کر اپنا حق چھوڑ دے گا۔ وہ یہ سمجھے گا کہ اس عدالت سے انصاف نہیں ملے گا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ قاضی ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ سرگوشی بھی نہ کرے۔ ہنسی بھی نہ کرے اور ان سے مذاق بھی نہ کرے۔ کیونکہ یہ تمام مواقع تہمت کے ہیں اور ان سے جانبداری کا اشارہ ملتا ہے اور قاضی کو ہرگز ایسا رویہ نہیں اختیار کرنا چاہیئے جن سے اس کی غیر جانبداری مشکوک ہو۔

عُمّال کی تنخواہیں معقول ہونی چاہئیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ	ابو ہریرہ نے فرمایا کہ
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ	جناب رسول اللہ صلی
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ مَا اُعْطِيْكُمْ وَلَا اَمْنَعُكُمْ اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَيْثُ اُمِرْتُ
(بخاری)

میں از سر خود نہ تمہیں کچھ دیتا ہوں اور نہ تم سے روکتا ہوں ۔ میں تو تقسیم کرنے والا ہوں میں امانت وہیں رکھتا ہوں جہاں مجھے حکم دیا گیا ہے

عَنْ بُرَيْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا اَخَذَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ غُلُوْلٌ ۔ (ابوداؤد)

بریدہ سے منقول ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کسی کو کسی کام پر مقرر کریں اور پھر اس کو کوئی معاوضہ دیں تو اس کے بعد جو لے گا تو وہ خیانت ہوگی ۔

وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ لَنَا عَامِلًا فَلْيَكْتَسِبْ زَوْجَةً فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ

مستورد بن شداد نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جو ہمارا عامل ہو تو اسے چاہیئے کہ بیوی کا خرچ لے اگر اس کا خادم نہیں

لَهٗ خَادِمٌ فَلْيَكْتَسِبْ خَادِمًا فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ مَسْكَنٌ فَلْيَكْتَسِبْ مَسْكَنًا وَ فِيْ رِوَايَةٍ مَنِ اتَّخَذَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَهُوَ غَالٌّ (ابوداؤد)

تو خادم لے اور جس کی رہائش نہیں اسے چاہیئے کہ رہائش لے اور ایک روایت میں ہے کہ جو اس کے سوا لے گا تو وہ خائن ہوگا۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ عَمِلْتُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِيْ۔ (ابوداؤد)

حضرت عمر سے روایت ہے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عامل مقرر کیا گیا تو آپ نے مجھے اس کا معاوضہ دیا۔

تشریح

یہاں اس بحث میں چار احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابوہریرہ والی اور دوسری بریدہ والی اور تیسری مستورد بن شدّاد والی ہے۔

پہلی حدیث میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی مرضی سے نہ کسی کو کچھ دیتا ہوں اور نہ کسی سے روکتا ہوں۔ میرا کام تو صرف مال تقسیم کرنا اور بانٹنا ہے۔ دینے والا اللہ ہے۔ میں جس کو دیتا ہوں اور جتنا دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق دیتا ہوں۔

اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ ہم جس کو کسی عہدے پر لگائیں اور اس کے لیے معاوضہ مقرر کر دیں تو اس مقررہ کردہ معاوضہ سے زیادہ جو اپنی مرضی سے لے گا تو وہ بددیانتی ہے۔

تیسری حدیث میں اس معاوضہ کی حد بیان فرمائی ہے کہ وہ عامل بیوی کا مہر، نفقہ اور لباس، خادم کی تنخواہ اور مکان حسب ضرورت اور کفایت بیت المال سے لے سکتا ہے۔ اس سے زیادہ لینا اسراف میں شامل ہے اور اسراف حرام ہے۔

ان احادیث سے پانچ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت خلیفہ کی تھی اور خلیفہ کا کام قانون بنانا نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بنے بنائے ہوئے قانون کو نافذ کرتا ہے جیسا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمال کو اجرت اور معاوضہ لیتے وقت فرمایا کہ میں اپنی طرف سے نہ تو کسی کو دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں میں تو جو کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق کرتا ہوں اور دوسرا اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ منشی اور حکم الٰہی یہ ہے کہ سرکاری عمال اور اہل کاروں کی تنخواہ ہونی چاہیئے کیونکہ تنخواہ کے سوا نظام مملکت چل نہیں سکے گا اور تیسرا اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے خلیفہ اور امیرالمومنین کے انداز گفتگو میں کسر نفسی ہونی چاہیئے اور اسے ایسا جملہ بالفظ بھی نہیں استعمال کرنا چاہیئے جس سے شرک کا وہم پیدا ہوتا ہو۔ جیسا کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں نہ تو کسی کو دیتا ہوں نہ روکتا ہوں۔ اللہ دیتا ہے، روکتا ہے میں تو اس کے حکم کا پابند ہوں۔ اس انداز گفتگو سے عمال اور اہل کاروں کو وظیفہ مل

جائے گا اس پر وہ راضی بقضا رہیں گے ورنہ ان کے اندر احساس محرومی پیدا ہو گا اور اس کے نتائج تباہ کن ہوں گے۔

چوتھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقرر کردہ تنخواہ سے زیادہ جو مال لے گا وہ بد دیانتی میں شامل ہے۔ یہ عام ہے خواہ بیت المال سے کسی غریب سے لے یا مدعی اور مدعا علیہ سے بطور رشوت لے بد دیانتی کی سزا عنقریب بیان ہو گی۔

پانچواں اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سرکاری عُمّال اور اہلکاروں کی تنخواہیں معقول ہونی چاہیئں تاکہ ان کو رشوت اور بد دیانتی کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا پڑے۔ اور تنخواہوں کی معقولیت کی حد بھی بیان فرما دی ہے کہ بیوی کا خرچ، خادم کا خرچ، مکان۔ بیوی کے خرچ کے سلسلہ میں کوئی شرط عائد نہیں کی البتہ خادم اور مکان کے نہ ہونے کی ساتھ شرط رکھی ہے اس سے اشارہ ملتا ہے کہ اگر اس کو خادم کی ضرورت نہیں مثلاً اس کی بیوی خود کام کر سکتی ہے تو پھر اس کو یہ خرچ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر اس کا اپنا ذاتی مکان ہے تو پھر اس کو یہ خرچ نہیں ملے گا۔ اگر مکان ذاتی نہ ہو تو پھر وہ بیت المال سے یہ خرچ لے سکتا ہے اور اگر ان شروط کی خلاف ورزی کر کے کوئی بیت المال سے خرچ لے گا تو یہ سب بد دیانتی کی صورتیں ہیں حضرت عمرؓ والی حدیث میں آپ کا عملی نمونہ ہے۔

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ	حضرت عائشہ نے
لَمَّا اسْتُخْلِفَ اَبُوْبَکْرٍ	فرمایا کہ جب ابوبکرؓ خلیفہ
قَالَ لَقَدْ عَلِمَ	بنائے گئے تو انہوں

قَوْمِيْ اَنَّ حِرْفَتِيْ لَمْ تَكُنْ تَعْجِزُ عَنْ مُؤْنَةِ اَهْلِيْ وَشُغِلْتُ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَيَأْكُلُ اٰلُ اَبُوْبَكْرٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَيَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ۔ (بخاری)

نے فرمایا کہ میری قوم یقیناً جانتی ہے کہ میری کمائی میرے اہل وعیال کے لیے کم نہیں ہے اور مجھے مسلمانوں کے کام میں مشغول کردیا گیا ہے تو ابوبکر کی اہل بیت المال سے کھائے گی اور وہ مسلمانوں کا کام کرے گا۔

تشریح

حضرت ابوبکرؓ عہدہ خلافت پر آنے سے پہلے کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ مگر جب خلافت کا بوجھ ان کے کندھوں پر ڈال دیا گیا تو پھر انہوں نے بیت المال سے وظیفہ لینا شروع کیا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مسلم حکام کو بیت المال سے وظیفہ لینا جائز ہے مگر یہ وظیفہ بقدر حاجت ہونا چاہیئے جس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔

بددیانتی کی اخروی سزا کا بیان

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝
(سورۃ آل عمران آیت ۱۶)

اور کسی نبی کو یہ لائق نہیں کہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا اس چیز کو قیامت کے دن لائیگا جو خیانت کی تھی۔ پھر ہر کوئی پورا پا لے گا جو اس نے کمایا تھا اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔

عَنْ خَوْلَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِيْ مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (بخاری)

خولہ انصاریہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناحق تصرف کرتے ہیں قیامت کے دن ان کے لیے آگ ہوگی۔

عَنْ مُعَاذٍ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

معاذ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا سِرْتُ أَرْسَلَ فِي أَثَرِي فَرُدِدْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي لِمَ بَعَثْتُ إِلَيْكَ لَا تُصِيبَنَّ شَيْئًا بِغَيْرِ إِذْنِي فَإِنَّهُ غُلُولٌ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِهٰذَا دَعَوْتُكَ فَامْضِ بِعَمَلِكَ۔

(ترمذی)

وسلم نے یمن کی طرف بھیجا جب میں چلا گیا تو میرے پیچھے آدمی بھیج کر مجھے لوٹا لیا گیا تو پھر آپ نے فرمایا پتہ ہے میں نے تیرے پیچھے آدمی کیوں بھیجا ہے؟ میری اجازت کے سوا کوئی چیز نہ لینا بے شک یہ بددیانتی ہے اور جو بددیانتی کریگا قیامت کے دن وہ چیز اسے حاضر کرنی پڑے گی لہٰذا میں نے تجھے بلایا ہے اب اپنے کام پر چلو۔

عَنْ عَدِيِّ ابْنِ عُمَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عُمِّلَ مِنْكُمْ لَنَا عَلَى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِنْهُ

عدی بن عمیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو تم میں سے جس کو کسی کام پر ہمارا عامل مقرر کیا جائے پھر وہ اس مال سے ہم سے ایک سوئی

مُحِيطًا فَمَا فَوْقَهُ فَهُوَ غَلٌّ يَأْتِي بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِقْبَلْ عَنِّيْ عَمَلَكَ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا قَالَ وَاَنَا اَقُوْلُ ذَالِكَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَلْيَاْتِ بِقَلِيْلِهٖ وَكَثِيْرِهٖ فَمَا اُوْتِيَ مِنْهُ اَخَذَهُ وَمَا نُهِيَ عَنْهُ اِنْتَهٰى۔

(مسلم)

بھی چھپا لے یا زیادہ اس سے (قلّت میں) پس وہ خیانت کرنے والا ہے۔ قیامت کے دن اسے حاضر کرے گا تو انصار میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا۔ کہا یا رسول اللہ واپس لیں میری طرف سے اپنا عمل۔ آپؐ نے فرمایا یہ کیا تو اس نے کہا میں نے آپ سے سنا ہے آپؐ نے ایسا ایسا فرمایا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جس کو ہم کسی کام پر لگائیں تو اسے چاہیئے کہ تھوڑا ہو یا زیادہ وہ لے آئے۔ اس میں سے اسے جو معاوضہ دیا جائے تو وہ لے اور جس سے روکا جائے اس سے رک جائے

تشریح

یہاں اس باب میں ایک آیت اور تین احادیث نقل کی گئی ہیں ان سب میں سرکاری مال سے چوری کرنے کی سزا دوزخ بیان فرمائی ہے اگرچہ وہ چیز انتہائی قلیل مقدار میں کیوں نہ ہو۔ اور فرمایا ہے کہ وہ چیز بھی اسے قیامت کے دن حاضر کرنی پڑے گی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر کسی نے بیت المال کا اونٹ چرایا ہوگا، تو قیامت کے روز وہ اللہ کے دربار میں اس حالت میں حاضر ہوگا کہ وہ اونٹ اس نے اپنی گردن پہ اٹھایا ہوا ہوگا۔

آخر میں فرمایا ہے کہ جو اسکو دیا جائے وہ لے اپنی مرضی سے وہ بیت المال سے کچھ بھی نہیں لے سکتا۔ اس جملہ سے اور اس سے پہلے بغیر اذن کے جملہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری اہل کاروں کی تنخواہیں مقرر کرنا امیر وقت کا کام ہے۔ دراصل جب کوئی آدمی کسی چیز میں محنت کرتا ہے تو یہ اس کے منافع میں شریک اور دخیل ہو جاتا ہے مگر اس منافع کا تعین باقی معاملات میں فریقین کی رائے پر موقوف ہوتا ہے جس کی تفصیل خلاصہ تفسیر القرآن جلد سادس میں بیان ہو چکی ہے لیکن بیت المال سے جو منافع طے ہوگا وہ امیر کی صوابدید پہ موقوف ہے۔

غیر مسلموں میں عدل کا فیصلہ کیا جائے

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ
اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ
فَاِنْ جَآءُوْكَ
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ
اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ
وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ
فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ
شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ
حَكَمْتَ فَاحْكُمْ
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِيْنَ ۝ وَكَيْفَ
يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ
التَّوْرٰىةُ فِيْهَا
حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ
يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝
(سورۃ المائدہ آیت ۴۲-۴۳)

جھوٹ بولنے کے لیے
جاسوسی کرنے والے ہیں
بہت حرام کھانے والے
ہیں، اگر وہ تیرے پاس
آئیں تو ان کے درمیان
فیصلہ کر یا ان سے منہ
پھیر۔ اگر تو ان سے منہ
پھیرے گا تو وہ تیرا کچھ
نہ بگاڑ سکیں گے۔ اگر
تو فیصلہ کرے تو انصاف
سے فیصلہ کر بے شک
اللہ انصاف کرنے والوں
کو دوست رکھتا ہے
اور وہ تجھے کس طرح
منصف بنائیں گے حالانکہ
ان کے پاس توراۃ ہے
جس میں اللہ کا حکم ہے
پھر اسکے بعد ہٹ جاتے
ہیں اور یہ مومن نہیں ہیں۔

تفسیر

ان آیتوں کی پوری تفسیر وتشریح اور شانِ نزول مضمون نمبر ۲۶ میں بیان ہو چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے البتہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالیہ میں دو کیس آئے ایک زنا کا اور دوسرا قصاص کا۔ اور یہ کیس لانے والے یہودی تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیات آپؐ پر اتاریں اور ان میں آپؐ کو اختیار دیا گیا کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا نہ کریں۔ اگر فیصلہ کریں تو فیصلہ انصاف سے کرنا ہوگا اور جب آپؐ کو یہ حکم تھا تو پھر ہر اسلامی عدالت کو بھی یہ اختیار ہے اور حکم بھی ہے کہ غیر مسلموں کے درمیان فیصلہ کریں یا نہ کریں اور اگر وہ فیصلہ کریں تو فیصلہ انصاف سے کریں ان کی خواہش کے موافق فیصلہ نہ کریں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی کا کفر یا فسق و فجور اسے انصاف سے محروم نہیں کرتا انصاف اسے ضرور مہیا کرنا چاہیئے یہ اسلامی عدالت کا فریضہ ہے۔

عنوان نمبر ۱۴۶ سے لے کر یہاں تک جو تفصیل بیان ہوئی ہے یہ سورۃ النساء کی آیت ۵۸ کی تشریح اور توضیح ہے۔ اس میں حکام کو عادل بنانے کے طریقے اور اصول بیان فرمائے گئے ہیں اب اس کے بعد گواہوں کو عادل بنانے کے طریقے بیان ہوں گے کیونکہ مدّعی اور مدّعا علیہ کو انصاف جبھی تب ہی ہو سکتا ہے کہ جب یہ دونوں طبقے عادل ہوں۔ صرف اگر حکام عادل ہوں اور گواہ عادل نہ ہوں تب بھی حق ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر گواہ عادل ہوں مگر

حکام عادل نہ ہوں تب بھی حق ثابت نہیں ہو سکتا لہٰذا انصاف کے لیے اور کسی کا حق ثابت کرنے کے لیے ان دو طبقوں کا عادل ہونا ضروری ہے۔ عادل حکام کی تفصیل تو پہلے آ چکی ہے اور اب انشاء اللہ گواہوں کی تفصیل عرض کی جائے گی۔ گواہوں کا عادل ہونا اس لیے ضروری ہے کہ گواہ چونکہ حقیقت حال سے پوری طرح واقف ہوتا ہے اور اسے پتہ ہوتا ہے کہ کس کا حق ہے اور کس کا نہیں ہے اگر گواہ کے دل میں خدا کا خوف ہوگا تو وہ صحیح بتا دے گا اور اگر اس کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہوگا تو وہ صحیح نہیں بتائے گا اس لیے یہ لازم ہے کہ گواہوں کے لیے بھی کوئی ضابطے ہوں کہ کون گواہی دے سکتا ہے اور کون نہیں دے سکتا۔ کس کی گواہی قبول ہے اور کس کی قبول نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں اسلام نے زرّیں اصول بیان کئے ہیں جن کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ ابواب میں عرض کریں گے۔ اگر ان پر عمل کیا جائے تو کوئی بھی انصاف سے محروم نہیں رہ سکتا اور کوئی ظالم کسی کا حق چھین نہیں سکتا۔

حق و انصاف کی شہادت

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ	اے ایمان والو انصاف
اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ	پر قائم رہو اللہ کی طرف
بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ	کی گواہی دو اگرچہ اپنی
وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ	جانوں پر ہو یا ماں باپ

اَوِالْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا o

(سورۃ النساء آیت ۱۳۵)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ o

(سورۃ المائدہ آیت ۸)

اور رشتہ داروں پر۔ اگر کوئی مال دار ہے یا فقیر ہے تو اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے سو تم انصاف کرنے میں دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو۔ اور اگر تم کج بیانی کروگے یا پہلوتہی کروگے تو بلاشبہ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ اے ایمان والو اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو انصاف کرو۔ یہ ہی بات تقویٰ کے نزدیک اور اللہ سے ڈرتے رہو جو کچھ تم کرتے ہو بے شک اللہ اس سے باخبر ہے۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں دو آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورہ النسار کی ہے اور دوسری آیت سورۃ المائدہ کی ہے۔ سورۃ النسار والی آیت میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ ایک صیغہ امر ہے دوسرا نھی ہے اور تیسرا اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا بیان ہے۔

صیغہ امر تو کُوْنُوْا ہے اس کے معنی ہے ہو جاؤ اور یہ کَانَ سے بنا ہے اور یہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں خبر کو اسم کے لیے ہمیشہ ثابت کرنا مقصود ہو اور یہاں کُوْنُوْا میں واؤ اس کا اسم ہے اور قَوّٰامِیْنَ اس کی خبر ہے اور قوّامین صیغہ مبالغہ ہے جو قَوَّامٌ سے بنا ہے اس کا معنی ہے مضبوطی اور سختی کے ساتھ کھڑا ہونے والے۔ قسط کے معنی ہے انصاف، شہدار شہیدٌ کی جمع ہے شہادت سے بنا ہے اس کا معنی ہے سند اور سرٹیفکیٹ۔ لِلّٰہِ میں لام خصوص کے لیے ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اے ایمان والو ہمیشہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عدل و انصاف کی گواہی پر سختی اور مضبوطی کے ساتھ ڈٹے رہو۔ اور قوّامین کے معنی اصلاح کرنے کے بھی ہیں تو اب معنی یہ ہوگا کہ اے ایمان والو ہمت کر کے اللہ تعالیٰ کے عادلانہ نظام سے ملک کے ظالمانہ نظام کو بدل دو۔ اور گواہی دینے کے سلسلہ میں کبھی تو آدمی خود متاثر ہوتا ہے اور کبھی خویش و اقارب کا لحاظ کرنا پڑتا ہے اور کبھی جس کے خلاف گواہی دینا ہو وہ امیر ہوتا ہے اور اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کے خلاف گواہی دینگے تو نقصان پہنچائے گا

اور کبھی وہ غریب ہوتا ہے اور گواہی دینے والے کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر میں اس کے خلاف گواہی دوں گا تو اس کا بالکل ہی دیوالیہ ہو جائے گا۔ ان تمام صورتوں میں فرمایا ہے کہ تم نے ڈٹ کر گواہی دینا ہے نہ اپنی پرواہ کرنا ہے اور نہ خویش واقارب اور اغنیاء اور غرباء کی پرواہ کرنا ہے۔ کیونکہ گواہی تو اللہ کی رضا کے لیے دینا ہے اور جب اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان کے خلاف گواہی دینا ہے تو پھر اس کے حکم کی تعمیل کرنا ہے اور وہ تمہاری نسبت ان کا زیادہ خیر خواہ ہے اور خیر خواہی یہاں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تمہاری شہادت کی وجہ سے حرام کھانے سے بچا رہے ہیں۔ یہ تو صیغہ امر کے ذیل میں جو الفاظ ہیں ان کی تشریح اور توضیح عرض کی ہے۔

دوسری چیز صیغہ نہی ہے فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى کہ عدل و انصاف کے سلسلہ میں اپنی خواہش کی پیروی مت کرو یعنی صاف صاف گواہی دو، کج بیانی بھی نہ کرو اور گواہی دینے سے انکار بھی نہ کرو۔ تیسری چیز اصلاح عقیدہ کے لیے فرمائی ہے کہ ان اللہ کان بما تعملون خبیرا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے یہ تو سورۃ النساء کی آیت کی تشریح اور توضیح تھی جو بیان ہو گئی ہے اور اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیت ہے اس میں چھ چیزوں کا بیان ہے تین آرڈر ہیں ایک نہی ہے، ایک تقویٰ کا فائدہ ہے اور اصلاح عقیدہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا بیان ہے۔ آرڈر نمبر ا آمَنُوا سے لے کر بالقسط تک کی تشریح وہی ہے جو سورۃ النساء میں بیان ہو گئی ہے اور دوسرے نمبر پر نہی ہے کہ دشمنی اور عداوت کی وجہ سے کسی

کے خلاف گواہی مت دو۔ اور تیسرے نمبر پر آرڈر نمبر ۲ ہے اِعْدِلُوا عدل کرو۔ اور چوتھے نمبر پہ اس عدل کا فائدہ بیان فرمایا ہے کہ ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی کہ عدل کرنا تقوٰی سے زیادہ قریب ہے۔ اسلام میں جتنے بھی اصول ہیں ان سب کا مقصد تقوٰی ہی ہے مگر عدل وانصاف کی گواہی تقوٰی سے زیادہ قریب ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ایک مسلمان گواہ عدل وانصاف کی جب گواہی دیگا اور قاضی اور جج اس کے موافق فیصلہ دے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ کا عادل ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اس سے یہ تقوٰی سے زیادہ قریب ہے اور باقی اصولوں پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کا عادل ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ وہ اصول صرف اللہ تعالیٰ کے قرب کا ہی ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ کو سب سے زیادہ عدل پسند ہے۔ اور پانچویں نمبر پہ اللہ تعالیٰ نے گواہوں کو اپنی ذات سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا ہے اور چھٹے نمبر پہ اصلاح عقیدہ کے لیے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

خلاصہ اور لبِّ لباب یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہاں اس بحث میں چار دفعہ حق وانصاف کی گواہی کا حکم دیا اور دو دفعہ اس کی خلاف ورزی سے منع فرمایا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو اتنی تاکید فرما رہے ہیں کہ یہ گواہی ضرور دینا ہے اور یہ گواہی دینا فرض ہے جیسا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ فرض ہیں یہ بھی فرض ہے اور جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا تارک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اس کا تارک بھی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے کیونکہ اس

کی سچّی گواہی نہ دینے کی وجہ دوسرے کی حق تلفی ہو گی۔ اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گواہی دیتے وقت گواہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ لفظ شہادت استعمال کرے کیونکہ ان آیات میں دو دفعہ لفظ شہداء آیا ہے جو شہید کی جمع ہے شہادت سے لیا ہے اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گواہوں کے لیے عادل ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے چار دفعہ عدل کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی وہ گناہ کبائر کے مرتکب نہ ہوں کیونکہ گواہی دینا یہ ایک دینی فریضہ ہے اور جو آدمی باقی دینی احکامات کی پرواہ نہیں کرتا وہ اس فریضہ کی بھی پرواہ نہیں کرے گا اور اس کی گواہی مشکوک ہو جائے گی اور حق ثابت کرنے کے لیے مشکوک گواہی نہیں چاہیئے یقینی گواہی چاہیئے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب گواہ نیک ہو۔ ہاں اگر قاضی کو کسی فاسق گواہ کی شہادت پر یقین ہو کہ یہ اس معاملہ میں جو گواہی دے رہا ہے سچا ہے اور اس پر وہ فیصلہ دے دے۔ تو احناف فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ جائز ہے اور شافعیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں اور وہ جرائم جن کے ارتکاب سے انسان پر حد شرعی واجب ہوتی ہے وہاں گواہی دینے کی بجائے گواہی نہ دینا بہتر ہے۔ یہ مذکورہ آیات اس سلسلہ میں مجمل ہیں۔ ان کی پوری تشریح ان شاء اللہ عنقریب بیان ہو گی۔

تحقیق شہادت

وَإِذَا جَاءَهُمْ	اور جب ان کے پاس
أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ	کوئی خبر امن یا ڈر کی
أَوِ الْخَوْفِ أَذَا	پہنچتی ہے تو اسے مشہور
عُوا بِهٖ ط وَلَوْ	کر دیتے ہیں۔ اور اگر
رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ	اسے رسول اور اپنی
وَإِلٰٓى أُولِي الْأَمْرِ	جماعت کے ذمہ دار
مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ	اصحاب تک پہنچاتے
الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ	تو اس کی تحقیق کرتے
مِنْهُمْ ط وَلَوْلَا	جو ان میں تحقیق کرنے
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ	والے ہیں۔ اور اگر تم پر
وَرَحْمَتُهٗ لَا	اللہ کا فضل اور اس کی
تَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ	مہربانی نہ ہوتی تو البتہ
إِلَّا قَلِيْلًا ○	تم شیطان کے پیچھے ہو
(سورۃ النساء آیت نمبر ۸۳)	لیتے سوائے چند لوگوں کے
يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اے ایمان والو جب
إِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ	اللہ کی راہ میں سفر کرو
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا	تو تحقیق کر لیا کرو اور
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ	جو تم پر سلام کہے اس
أَلْقٰٓى إِلَيْكُمُ السَّلٰمَ	کو مت کہو کہ تو مسلمان

لَسْتَ مُؤْمِنًا	نہیں ہے۔ تم دنیا کی زندگی
تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ	کا سامان چاہتے ہو۔ سو
الدُّنْيَا ز فَعِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں
مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ط	ہیں۔ تم بھی تو اس سے
كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ	پہلے ایسے ہی تھے، پھر
قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ	اللہ نے تم پر احسان کیا
عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ط اِنَّ	لہٰذا تحقیق سے کام لیا
اللّٰهَ كَانَ بِمَا	کرو بے شک اللہ تمہارے
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○	کاموں سے باخبر ہے۔
(سورۃ النساء آیت ۹۴)	

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اے ایمان والو اگر کوئی
اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ	فاسق تمہارے پاس کوئی
بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ	سی خبر لے کر آئے تو
تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ	اس کی تحقیق کیا کرو کہ
فَتُصْبِحُوْا عَلٰى	کہیں کسی قوم پر بے خبری
مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ○	سے نہ جا پڑو پھر اپنے
(سورہ الحجرات آیت ۶)	کئے پر پشیمان ہونے لگو۔

تفسیر اور شانِ نزول

یہاں اس بحث میں تین آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی سورۃ النساء

کی ہے اور دوسری بھی سورۃ النساء کی ہے اور تیسری سورۃ الحجرات کی ہے۔ سورہ النساء کی پہلی آیت کے بارے میں ابن عباس، ضحاک اور ابو معاذ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور حضرت حسن رضؓ اور دوسرے اکثر حضرات کے نزدیک یہ آیت ضعیف اور کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (روح المعانی)

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت سے متعلق واقعات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس آیت کے شانِ نزول میں حضرت عمر بن خطابؓ کی حدیث کو ذکر کرنا چاہیئے وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو وہ اپنے گھر سے مسجد کی طرف آئے۔ جب دروازہ پر پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ مسجد کے اندر لوگوں میں بھی یہی ذکر ہو رہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس خبر کی تحقیق کرنا چاہیئے چنانچہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ تحقیق کرنے کے بعد میں مسجد کی طرف واپس آیا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ جو آپ لوگ کہہ رہے ہیں غلط ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلٰى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (الخ)

یستنبطونہٗ استنباط سے بنا ہے استنباط اصل میں کنوئیں کی تہہ سے پانی نکالنے کو کہتے ہیں۔ کنواں کھودنے میں جو پانی پہلی مرتبہ نکلتا ہے اس کو ماء مستنبط کہتے ہیں مگر یہاں مراد یہ ہے کہ کسی بات کی تہہ تک پہنچ کر اس کی صحیح حقیقت معلوم کرنا (قرطبی) اولی الامر کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت حسن، قتادہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ کے نزدیک علماء اور فقہاء مراد ہیں۔ حضرت سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امراء اور حکام مراد ہیں۔ ابوبکر جصاص ان دونوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں اس لیے کہ الی الامر کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے البتہ اس پر بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد فقہاء نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ الی الامر اپنے لفظی معنی کے اعتبار سے وہ لوگ ہیں جن کا حکم چلتا ہو اور ظاہر ہے کہ فقہاء کا یہ کام نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ حکم چلنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جبر و تشدد سے۔ وہ تو صرف اہل حکومت ہی کر سکتے ہیں اور دوسری صورت اعتقاد اور اعتماد کی وجہ سے حکم ماننے کی ہے۔ وہ حضرات فقہاء کو ہی حاصل ہے۔ جس کا مشاہدہ عام مسلمانوں کے حالات سے ہر دور میں ہوتا رہا ہے کہ دین کے معاملات میں عام مسلمان اپنے اختیار سے علماء ہی کے حکم کو واجب العمل قرار دیتے ہیں اور از روئے شرع ان پہ اس کے احکام کی اطاعت واجب بھی ہے لہٰذا اس وجہ سے ان پر اولی الامر کا اطلاق صحیح ہے (احکام القرآن للجصاص)

اس آیت کریمہ سے چھ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہر سُنی سنائی بات بغیر تحقیق کے بیان نہیں کرنا چاہیئے چنانچہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کَفیٰ بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ ۔ کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ سُنی سنائی بات بغیر تحقیق کے بیان کر دے ۔ اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا مَنْ حَدَّثَ بِحَدِیْثٍ وَھُوَ یَرٰی اَنَّہٗ کَذِبٌ فَھُوَ اَحَدُ الْکَاذِبَیْنَ ۔ یعنی جو آدمی کوئی ایسی بات بیان کرے جس کے بارے میں وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹی ہے تو دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا وہ بھی ہے اور دوسری بات اس آیت کی تحقیق اور تشریح سے یہ معلوم ہوئی کہ جن مسائل جدیدہ میں کوئی نص نہ ہو ان کے احکام اجتہاد و قیاس کے اصول پر قرآن اور حدیث سے نکال لیے ۔ کیونکہ اس آیت میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ مسائل جدیدہ کے حل میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں تو ان کی جانب رجوع کرو ۔ اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو علمار اور فقہار کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ احکام کو مستنبط کرنے کی صلاحیت تامہ رکھتے ہیں اس بیان سے چند امور مستفاد ہوتے ہیں ایک یہ کہ فقہا اور علمار کی جانب عدم نص کی صورت رجوع کیا جائے گا ۔ دوسرے یہ کہ احکام اللہ کی دو قسمیں ہیں ۔ بعض وہ ہیں جو منصوص اور صریح ہیں اور بعض وہ جو غیر صریح اور مبہم ہیں جن کو آیات کی گہرائیوں میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت کر رکھا ہے ۔ تیسرے یہ کہ علمار کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے معانی کو اجتہاد اور قیاس کے ذریعے استنباط کریں اور چوتھے یہ کہ عوام کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مسائل میں علمار کی تقلید کریں (احکام القرآن للجصاص)

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دلائل کے ذریعہ احکام کے استنباط کے مکلّف تھے۔ اس پہلی آیت میں دو آدمیوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور دوسرے اُولی الامر کی طرف۔ اس کے بعد فرمایا ہے لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ اور حکم عام ہے جس میں مذکورہ فریقین میں سے کسی کی تخصیص نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی ذات بھی استنباط احکام کی مکلّف تھی۔ (احکام القرآن للجصاص)

فوائد مہمہ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن سے امن اور خوف کے بارے میں تم خود بخود خبریں نہ اڑاؤ بلکہ جو اہلِ علم اور ذی رائے ہیں انکی طرف رجوع کرو۔ پھر وہ غور و فکر کر کے جو بات بتلائیں اس پر عمل کرو۔ اور ظاہر ہے کہ مسائل و حوادث سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ آیت وَاِذَا جَاۗءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ میں دشمن کا کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا امن اور خوف عام ہے جس طرح ان کا تعلق دشمن سے ہے اسی طرح مسائل حوادث سے بھی ہے کیونکہ جب کوئی جدید مسئلہ عامی کے سامنے آتا ہے جس کی حلت اور حرمت کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے تو وہ فکر میں پڑ جاتا ہے کہ کونسا پہلو اختیار کرے۔ دونوں صورتوں میں نفع و نقصان کا احتمال رہتا ہے تو اس کا بہترین حل شریعت نے یہ نکالا ہے کہ تم اہل استنباط کی طرف رجوع کرو وہ جو بات بتلائیں اس پر عمل کرو۔ (احکام القرآن للجصاص ملخص)

اور استنباط سے جو حکم فقہاء نکالیں گے اس کے بارے میں

قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی قطعی طور پر حق ہے بلکہ اس حکم کے خطا ہونے کا احتمال بھی باقی رہتا ہے۔ ہاں اس کے صحیح ہونے کا ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے جو عمل کے لیے کافی ہے۔ (احکام القرآن للجصاص و تفسیر کبیر)

اور چوتھا یہ معلوم ہوا کہ حکام کو شہادت کی تحقیق بھی کرنا چاہیئے کہ گواہی دینے والا سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ۔ کیونکہ حق اور ناحق کا دارو مدار ہی سچی شہادت پر ہے۔ (یہ تفسیر معارف القرآن مؤلفہ مفتی محمدؒ سے قدرے تبدیلی کے ساتھ منقول ہے) اس سے پہلے تو سورۃ النساء کی آیت نمبر ۸۳ کی تشریح لکھی گئی ہے اور اب سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۴ کی تشریح عرض کرنا ہے۔

شانِ نزول

اس آیت کا شانِ نزول ترمذی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس سے اس طرح منقول ہے کہ قبیلہ بنو سلیم کا ایک آدمی صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ملا جب کہ یہ حضرات جہاد کے لیے جا رہے تھے۔ یہ آدمی اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ اس نے حضرات صحابہؓ کو سلام کیا جو عملاً اس چیز کا اظہار تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ صحابہ کرامؓ نے سمجھا کہ اس وقت اس نے محض اپنی جان و مال بچانے کے لیے یہ فریب کیا ہے کہ مسلمانوں کی طرح سلام کر کے ہم سے بچ نکلے۔ چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریوں کو مالِ غنیمت قرار دے کر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو شخص آپ کو اسلامی طرز پر سلام کرے تو بغیر تحقیق کے یہ نہ سمجھو کہ اس نے فریب کی وجہ سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا ہے اور اسکے مال کو مال غنیمت سمجھ کر حاصل نہ کرو۔ (ابن کثیر)

حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک دوسری روایت ہے جس کو بخاری نے مختصراً اور بزار نے مفصلاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ مجاہدین کا بھیجا جن میں حضرت مقداد بن اسودؓ بھی تھے۔ جب وہ موقع پر پہنچے تو سب لوگ بھاگ گئے۔ صرف ایک شخص رہ گیا جس کے پاس بہت المال تھا۔ اس نے صحابہ کرامؓ کے سامنے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ مگر حضرت مقداد نے یہ سمجھ کر کہ دل سے نہیں کہا بلکہ محض جان و مال بچانے کے لیے کلمۂ اسلام پڑھ رہا ہے اس کو قتل کر دیا۔ حاضرین میں سے ایک صحابی نے کہا کہ آپ نے بُرا کیا ہے کہ ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی شہادت دی تھی۔ میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس واقعہ کا ضرور ذکر کرونگا جب یہ لوگ مدینہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا۔ آپؐ نے حضرت مقدادؓ کو بلاکر سخت تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ بروز قیامت تمہارا کیا جواب ہوگا جب کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تمہارے مقابلے میں دعویدار ہوگا۔

اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ مذکورہ آیت

کے بارے میں ان دو واقعات کے علاوہ دوسرے واقعات بھی منقول ہیں لیکن محققین اہل تفسیر نے فرمایا کہ ان روایات میں تعارض نہیں ہو سکتا کہ یہ چند واقعات مجموعی حیثیت سے نزول کا سبب ہوئے ہیں۔ آیت کے الفاظ میں اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ کا ارشاد ہے اس میں لفظ سلام سے اگر اصطلاحی سلام مراد لیا جائے تب تو پہلا واقعہ اس کے ساتھ زیادہ چسپاں ہے۔ اور اگر سلام کے لفظی معنی سلامت، اور طاعت کے لئے لیے جائیں تو یہ سب واقعات اس میں برابر ہیں اسی لیے اکثر حضرات نے سلام کا ترجمہ اس جگہ طاعت کا کیا ہے۔ اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں پہلی یہ ہے کہ مسلمان سمجھنے کے لیے علامات کافی ہیں باطن کی تفتیش کرنا جائز نہیں ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل قبلہ کو کافر بھی نہیں کہنا چاہیئے۔ یعنی اس آیت کریمہ سے یہ اہم مسئلہ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بتلاتا ہو خواہ وہ کلمہ پڑھ کر یا کسی اور اسلامی شعار کا اظہار کر کے مثلاً اذان، نماز وغیرہ میں شرکت کرے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کو مسلمان سمجھیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کریں۔ اس کا انتظار نہ کریں کہ وہ دل سے مسلمان ہوا ہے یا کسی مصلحت سے اسلام کا اظہار کیا ہے۔ نیز اس معاملہ میں اس کے اعمال پر بھی دارو مدار نہ ہو گا۔ فرض کر لو کہ وہ نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا اور ہر قسم کے گناہوں میں ملوث ہے۔ پھر بھی اس کو اسلام سے خارج کہنے کا یا اس کے ساتھ کافروں کا معاملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں اسی لیے امام اعظمؒ نے فرمایا لَا نُكَفِّرُ اَهْلَ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ

یعنی ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔ بعض روایات حدیث میں بھی اس قسم کے الفاظ مذکور ہیں کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو۔ خواہ وہ کتنا ہی گناہ گار بدعمل ہو۔

مگر یہاں ایک بات خاص طور پر سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہے کہ قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کو کافر کہنا یا سمجھنا جائز نہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب تک اس سے کسی ایسے قول و فعل کا صدور نہ ہو جو کفر کی یقینی علامت ہے اس وقت تک اس کے اقرار اسلام کو صحیح قرار دے کر اس کو مسلمان کہا جائے گا اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ اس کی قلبی کیفیات اخلاص یا نفاق سے بحث کرنے کا کسی کو حق نہ ہو گا۔ لیکن جو شخص اظہار اسلام اور اقرار ایمان کے ساتھ ساتھ کلمات کفر بھی بکتا ہے یا کسی بت کو سجدہ کرتا ہے یا اسلام کے کسی ایسے کلمہ کا انکار کرتا ہے جس کا اسلامی حکم ہونا قطعی اور بدیہی ہے یا کافروں کے کسی مذہبی شعار کو اختیار کرتا ہے جیسے گلے میں زنار وغیرہ ڈالنا۔ وہ بلاشبہ اپنے اعمال کفریہ کے سبب کافر قرار دیا جائے گا۔ آیت مذکورہ میں لفظ تبینوا سے اس کی طرف اشارہ موجود ہے ورنہ یہود و نصاریٰ تو سب ہی اپنے آپ کو مومن مسلمان کہتے ہیں۔ اور مسیلمہ کذاب جس کو باجماع صحابہ کافر قرار دے کر قتل کیا گیا وہ تو صرف کلمہ اسلام کا اقرار نہیں بلکہ اسلامی شعائر نماز، آذان وغیرہ کا بھی پابند تھا۔ اپنی آذان میں اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہ

بھی کہلواتا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آپ کو بھی نبی اور رسول صاحب وحی کہتا تھا جو نصوص قرآن و سنت کا کھلا ہوا انکار تھا اسی پر اس کو مرتد قرار دیا گیا اور اس کے خلاف باجماع صحابہ جہاد کیا گیا۔ خلاصہ مسئلہ کا یہ ہو گیا کہ ہر کلمہ گو اہل قبلہ کو مسلمان سمجھو اور اس کے باطن اور قلب میں کیا ہے اس کی تفتیش انسان کا کام نہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرو۔ البتہ اظہار ایمان کے ساتھ خلاف ایمان اس سے کوئی بات سرزد ہو تو اسے مرتد سمجھو بشرطیکہ اس کا خلاف ایمان ہونا قطعی اور یقینی ہو اور اس میں کوئی دوسرے احتمال یا تاویل کی راہ نہ ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لفظ کلمہ گو یا اہل قبلہ۔ یہ اصطلاحی الفاظ ہیں جن کا مصداق صرف وہ شخص ہے جو مدعی اسلام ہونے کے بعد کسی کافرانہ قول و فعل کا مرتکب نہ ہو۔ اور تیسرا اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان کوئی کام بے تحقیق محض گمان پر نہ کریں۔ ارشاد ہے إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا یعنی جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام تحقیق کے ساتھ کیا کرو۔ محض خیال اور گمان پر کام کرنے سے بسا اوقات غلطی ہو جاتی ہے۔ اس میں سفر کی قید بھی اسی وجہ سے ذکر کی گئی کہ یہ واقعات سفر میں ہی پیش آئے یا اس وجہ سے کہ شبہات عموماً سفر میں پیش آتے ہیں۔ اپنے شہر میں ایک دوسرے کے حالات سے عموماً واقفیت ہوتی ہے ورنہ اصل حکم عام ہے۔ سفر میں یا حضر میں بغیر تحقیق کے کسی عمل پر اقدام جائز نہیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سوچ سمجھ کر کام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے (بحر محیط) خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ حکام یا عوام نے جو بھی کام کرنا ہو یا فیصلہ کرنا ہو اسے چاہیئے پوری تحقیق کے بعد قدم اٹھائیں بغیر تحقیق کام نہ کریں۔ اس کی مزید تشریح سورۃ الحجرات والی آیت کریمہ میں آرہی ہے۔ اس آیت کی تشریح معارف القرآن تالیف مفتی شفیع رحؒ سے قدرے ترمیم کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ اس سے پہلے تو سورۃ النساء کی آیت نمبر ۸۳ اور ۹۴ کی تشریح اور تفسیر عرض کی گئی ہے اور اب اس کے بعد سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۶ کی تشریح عرض کرنا ہے۔

شانِ نزول

اس آیت کے نزول کا واقعہ ابن کثیر نے بحوالہ مُسنَد احمدیہ نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار بن ابی ضرار جن کی صاحبزادی حضرت میمونہؓ بنت حارث امہات المؤمنین میں سے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا میں نے اسلام کو قبول کیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کیا۔ اور عرض کیا کہ اب میں اپنی قوم میں جا کر ان کو بھی اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی دعوت دونگا۔ جو لوگ میری بات مان لیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے میں ان

کی زکوٰۃ جمع کر لوں گا۔ اور آپ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ تک اپنا کوئی قاصد میرے پاس بھیج دیں، تاکہ جو رقم زکوٰۃ کی میرے پاس جمع ہو جائے اس کو سپرد کر دوں۔ پھر جب حارث نے حسب وعدہ ایمان لانے والوں کی زکوٰۃ جمع کر لی اور وہ مہینہ اور تاریخ جو قاصد بھیجنے کے لیے طے ہوئی تھی گزر گئی اور آپ کا کوئی قاصد نہ پہنچا تو حارث کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کسی بات پر ناراض ہیں ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ وعدے کے مطابق اپنا آدمی نہ بھیجتے۔ حارث نے اس خطرہ کا ذکر اسلام قبول کرنے والے سرداروں سے کیا اور ارادہ کیا کہ یہ سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائیں

ادھر واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقررہ تاریخ پر ولید بن عُقبہ کو اپنا قاصد بنا کر زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیج دیا تھا مگر ولید بن عقبہ کو راستے میں یہ خیال آیا کہ اس قبیلہ کے لوگوں سے میری دشمنی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ اس خوف کے سبب وہ راستہ ہی سے واپس ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر یہ کہا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور میرے قتل کا ارادہ کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا۔ اور حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں ایک دستہ مجاہدین کا روانہ کیا۔ ادھر یہ دستہ مجاہدین کا روانہ ہوا۔ ادھر سے حارث مع اپنے ساتھیوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے نکلے۔ مدینہ کے قریب دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ حارث نے ان لوگوں سے کہا آپ کن لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم

تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ حارث نے سبب پوچھا تو اس کو واقعہ ولید بن عقبہ کے بھیجنے کا اور ان کی واپسی کا بتلایا گیا اور یہ کہ ولید بن عقبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بیان دیا ہے کہ بنی المصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور میرے قتل کا منصوبہ بنایا۔ حارث نے یہ سن کر کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے ولید بن عقبہ کو دیکھا تک نہیں اور نہ وہ میرے پاس آئے۔ اس کے بعد حارث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حارث نے کہا ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو پیغامِ حق دے کر بھیجا ہے نہ وہ میرے پاس آئے نہ میں نے ان کو دیکھا۔ پھر جب وقت مقررہ پر آپ کا قاصد نہ پہنچا تو مجھے خطرہ ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی قصور ہوا جس پر حضور ناراض ہوئے اس لیے میں حاضر خدمت ہوا۔ حارث فرماتے ہیں کہ اس پر سورۃ الحجرات کی آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

بعض روایات میں ہے کہ ولید بن عقبہ حسب الحکم بنی المصطلق پہنچے۔ اس قبیلہ کے لوگوں کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ اس تاریخ پر حضورؐ کا قاصد آئے گا۔ یہ تعظیماً بستی سے باہر نکلے کہ ان کا استقبال کریں۔ ولید بن عقبہ کو یہ شبہ ہو گیا کہ یہ شاید پرانی دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرنے آئے ہیں وہیں سے واپس ہو گئے اور جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گمان کے مطابق یہ عرض کر دیا کہ وہ لوگ زکوٰۃ

دینے کے لیے تیار نہیں بلکہ وہ میرے قتل کے درپے ہوئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ خوب تحقیق کر لیں اس کے بعد کوئی اقدام کریں۔ خالد بن ولید نے بستی سے باہر رات کو پہنچ کر قیام کیا۔ اور تحقیق حال کے لیے چند آدمی بطور جاسوس کے خفیہ بھیج دیئے۔ ان لوگوں نے آکر خبر دی کہ یہ سب لوگ اسلام و ایمان پر قائم ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ کے پابند ہیں۔ اور بھی کوئی بات خلاف اسلام نہیں پائی گئی۔ خالد بن ولید نے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا واقعہ بتلایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (یہ ابن کثیر کی متعدد روایات کا خلاصہ ہے) اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شریر فاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شکایت کرے ان پر کوئی الزام لگائے تو اس کی خبر یا شہادت پر بغیر مکمل تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں۔

آیت سے متعلقہ احکام و مسائل

امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر قبول کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ہونا ثابت نہ ہو جائے کیونکہ اس آیت میں ایک قرأت فَتَثَبَّتُوْا کی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو بلکہ ثابت قدم رہو جب تک کہ دوسرے ذرائع سے اس کا صدق ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ اور جب فاسق کی خبر قبول کرنا جائز نہ ہوا تو شہادت قبول کرنا بدرجۂ اولیٰ ناجائز

ہوگا کیونکہ ہر شہادت ایک خبر ہوتی ہے جو حلف اور قسم کے ساتھ مؤکد کی جاتی ہے اس لیے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً قبول نہیں ہے البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کرلیا جاتا ہے۔ وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آیت قرآن میں اس حکم کی ایک خاص علت منصوص ہے یعنی ان تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ تو جن معاملات میں یہ علت موجود نہیں وہ آیت کے حکم میں داخل نہیں یا مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً یہ کہ کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے۔ اس کی مزید تفصیل کتب فقہ معین الاحکام وغیرہ میں ہے (یہاں تک اس آیت کی تفسیر معارف القرآن تالیف مفتی محمد شفیع سے منقول ہے)

بغیر تحقیق فیصلہ کرنیوالے قضاۃ کی اخروی سزا کا بیان

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ؕ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۶)	اور مت عمل کر اس چیز پر جس کا تجھے علم نہیں۔ بے شک کان آنکھ اور دل ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥

جس دن ان پر ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔

(سورۃ النور آیت ۲۴)

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ٥ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے تو وہ روک لیے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آ پہنچیں گے تو ان پر ان کے کان، آنکھیں اور ان کی کھالیں گواہی دیں گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ

اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی وہ کہیں گے کہ ہمیں اللہ نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی ہے

تُرْجَعُوْنَ ○

اور اسی نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ○

(سورۂ حم سجدہ آیت ۱۹ تا ۲۴)

اور تم اپنے کانوں اور آنکھوں اور چمڑوں کی اپنے اوپر گواہی دینے سے پردہ نہ کرتے تھے لیکن تم نے یہ گمان کیا تھا جو کچھ تم کرتے ہو اس میں سے بہت سی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نہیں جانتا اور تمہارے اسی خیال نے جو تم نے اپنے رب کے حق میں کیا تھا برباد کیا، پھر تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔ پس اگر وہ صبر کریں تو بھی ان کا ٹھکانا آگ ہی ہے اور اگر وہ معافی چاہیں گے تو انہیں معافی نہیں دی جائے گی۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں سات آیات نقل کی گئی ہیں ۔ پہلی آیت سورۃ بنی اسرائیل کی ہے دوسری سورۃ النور کی ہے اور باقی پانچ آیتیں سورۃ حٰمٓ سجدہ کی ہیں ۔ سورۃ بنی اسرائیل والی آیت میں دو چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز یہ ہے کہ سوائے تحقیق کے کسی چیز پر عمل مت کرو ۔ یہ حکم عام ہے ۔ عوام گواہ اور حکّام سب اس میں شامل ہیں ۔ حکام کے لیے اس میں ہدایت یہ ہے کہ بلاتحقیق کسی شہادت پر عمل مت کرو ۔ شہداء اور گواہوں کے لیے اس میں ہدایت یہ ہے کہ سوائے تحقیق اور علم کے کسی چیز کی گواہی نہ دو ۔ اور دوسری چیز اس میں یہ بیان فرمائی ہے کہ کانوں سے آنکھوں سے اور دل سے بھی سوال کیا جائے گا کیونکہ یہ تینوں چیزیں اور نعمتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لیے عطا فرمائی ہیں کہ انسان ان ذرائع سے علم صحیح حاصل کرے اور غلط کا امتیاز کرے ۔

اس کے بعد سورۃ النور کی آیت ہے اس میں دو چیزوں کا بیان ہے ۔ پہلی چیز اس سے پہلے سورۃ بنی اسرائیل والی آیت میں جو لفظ مسئول آیا ہے اس کی تشریح ہے ۔ یعنی اس سوال سے مراد شہادت ہے یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسان کے کان سے آنکھ سے اور دل سے بھی گواہی لیں گے کہ تم سے کیا کیا کام لیا گیا ۔ مثلاً کان سے سوال ہو گا کہ تجھ سے کیا کیا باتیں سنی گئی تھیں ۔ آنکھ سے سوال ہو گا کہ تجھ سے کیا کیا چیزیں دیکھی گئی تھیں ۔ اور دل سے سوال ہو گا کہ تجھ سے کیسے کیسے منصوبے سوچے گئے تھے ۔ اس آیت میں دوسری چیز یہ بیان فرمائی

کہ یہ سوال قیامت کے دن زبان سے ہاتھوں سے اور پاؤں سے بھی ہوگا اور وہ گواہی دیں گے۔ اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ کان جو سنتا ہے آنکھ جو دیکھتی ہے اور دل جو سوچتا ہے۔ ہاتھوں سے پاؤں سے اور زبان سے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد سورۃ حٰمٓ سجدہ کی آیتیں ہیں۔ ان میں پہلی دو آیتوں کی تشریح ہے اور آخر میں فرمایا ہے کہ بلا تحقیق عمل کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ مقدمے کی سماعت کے وقت حکام کو شہادت کی تحقیق کرنا چاہیئے۔

طریقہ تحقیق شہادت

بہر حال ان آیات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کی تحقیق ہونا چاہیئے اور فقہاء نے اس کے دو طریقے لکھے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ قاضی نے گواہ کی ظاہری حالت کو بھی دیکھنا ہوگا کہ اس کے اندر شریعت کی مقرر کی ہوئی شرطیں موجود ہیں یا نہیں۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قاضی اپنی طرف سے اپنا ایک اعتمادی اس علاقہ کے اپنے ایک اعتمادی آدمی کے پاس خفیہ طور پر بھیجے جہاں وہ گواہ رہتا ہے اور اپنی طرف سے اس قاصد کو اس کے نام کی ایک چٹھی لکھ کر دے اور اس قاصد کو قاضی ہدایت کرے کہ یہ چٹھی انتہائی رازداری کے ساتھ فلاں تک پہنچانا ہے اور اس چٹھی میں مرسل الیہ کو یہ لکھے کہ فلاں مقدمے میں فلاں گواہ ہے۔ تم اس کی پوری کیفیت۔ اہلیت، شہادت وغیرہ

لکھ کر انتہائی رازداری سے اور خفیہ طور پر میرے پاس پہنچا دو۔ اور یہ مرسل علیہ صاحب عدل اور بااثر ہونا چاہیئے جو محلے کے لوگوں کے حالات اور اخلاق بھی جانتا ہو مگر یہ تزکیۃ الشہود اسی وقت ضروری ہے جب فریق مخالف طعن کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ یعنی گواہ فریقین کی رضا کے ہونے چاہیئں۔ اور اگر فریق مخالف طعن نہ کرے تو پھر تزکیۂ شہود ضروری نہیں ہے اور فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مُزکّی کے لیے اہلیت اور تعداد شہادت ضروری نہیں ہے اور تزکیہ علانیہ کے لیے اہلیت اور تعداد شہادت ضروری ہے۔ اور اس باب میں اور بھی آیات اور احادیث موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت تجسّس جائز ہے مثلاً حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو فرمایا یا بُنَيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ الخ۔ اے میرے بیٹو جاؤ یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم جبارین کے پاس بارہ جاسوس بھیجے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ھُدھُد سے اس کی غیر حاضری کی وجہ پوچھی تو ہُدہُد نے کہا کہ میں یمن چلا گیا تھا وہاں میں نے ایک قوم کو پایا جو مشرک ہے۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تحقیق حال کے لیے اسی وقت اسے خط لکھ کر دیا اور فرمایا ابھی پتہ چل جاتا ہے کہ تو نے سچ کہا ہے یا جھوٹ۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر بن سفیان کو مکہ والوں کے پاس جاسوس بنا کر بھیجا تھا تاکہ یہ معلوم کر سکیں کہ مکہ والے ہماری مزاحمت تو نہیں کریں گے اسی طرح

غزوۂ احزاب کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان کو مشرکین کی فوجوں میں بھیجا تھا تاکہ ان کی پوزیشن اور عزائم معلوم کر سکیں۔ یہ بڑے مفصل واقعات ہیں ہم نے اشارات دے دیئے ہیں۔ خاوند اپنی بیوی کا تجسس کر سکتا ہے۔ ماں اور باپ اپنی اولاد کا تجسس کر سکتے ہیں۔ حکام اپنی رعایا میں جاسوس مقرر کر سکتے ہیں غرضیکہ ہر ذمہ دار آدمی اپنے ماتحتوں میں جاسوس مقرر کر سکتا ہے

رفع اشتباہ اور تطبیق آیات

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ	اے ایمان والو بدگمانیوں
اٰمَنُوا اجْتَنِبُوا	سے بہت بچو بے شک
کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ز	بعض گمان گناہ ہیں اور
اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ	ٹٹول بھی نہ کیا کرو اور نہ
اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا	کوئی کسی کی غیبت کرے
وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ	کیا تم میں سے کوئی پسند
بَعْضًا ط اَیُحِبُّ	کرتا ہے کہ اپنے مردہ
اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ	بھائی کا گوشت کھائے
لَحْمَ اَخِیْهِ	سو تم اس کو ناپسند
مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْهُ ط	کرتے ہو۔ اللہ سے ڈرو
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ	اللہ توبہ قبول کرنے والا
تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝	مہربان ہے۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں سے منع فرمایا ہے بدگمانی سے، جاسوسی سے اور غیبت کرنے سے۔ اب یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بدگمانی، جاسوسی اور غیبت منع ہے اور اس سے پہلی آیات میں تحقیق اور تزکیۂ شہود کا حکم گزرا ہے اور اس صورت میں بدگمانی بھی ہوگی، تجسّس بھی ہوگا اور غیبت بھی ہوگی۔ اب دونوں میں فرق کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے وہ عیوب جو ذاتی نوعیت کے ہوں جن کا کسی دوسرے پر اثر نہ پڑے تو ان کی جاسوسی اور غیبت جائز نہیں ہے اور اس آیت کا بھی مصداق ہے اور انسان کے وہ عیوب جن سے معاشرہ کے باقی افراد بھی متأثر ہوتے ہوں مثلاً چوری وغیرہ اور قاضی کے سامنے انہیں بیان کرنے سے ان کا ازالہ ہو سکتا ہو تو ان کا تجسّس اور غیبت جائز ہے اور اس سے پہلے تحقیق شہادت کے سلسلہ میں جو آیات گزری ہیں۔ ان کا مصداق بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

یہاں تک تو جھوٹی شہادت دینے والے کی اخروی سزا کا بیان گزرا ہے اور اس کی دنیاوی سزا متعین نہیں ہے۔ حاکم وقت کی صوابدید پر موقوف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دور میں اسے سو درّوں کی سزا دیتے تھے اور اس کا منہ کالا کرتے تھے۔ اور قاضی شریح شہر میں اس کی تشہیر کراتے اور اگر کسی قوم کا ہوتا تو اس کی قوم میں اس کی تشہیر کراتے تھے۔ اگر قاضی اس کی شہادت پر کوئی فیصلہ کر

چکا ہو تو فیصلہ کالعدم نہیں ہوگا اور تاوان اس جھوٹی شہادت دینے والے پر ڈالا جائے گا۔ بہر حال اس کی دنیاوی سزا بھی ضرور ہوگی تاکہ لوگ جھوٹی شہادتوں سے باز رہیں اور اس طرح کسی کی حق تلفی نہ کریں (ہدایہ)

جھوٹی شہادت کی اخروی اور دنیاوی سزا

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ	پھر بتوں کی ناپاکی سے
مِنَ الْاَوْثَانِ	بچو اور جھوٹی بات سے
وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ	بھی بچو۔ خاص اللہ کے
الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ	ہو کر رہو۔ اس کے
لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ	ساتھ کسی کو شریک نہ
بِهٖ ؕ وَمَنْ	کرو اور جو اللہ کے ساتھ
يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا	کسی کو شریک کرتا ہے
خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ	تو گویا وہ آسمان سے
فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ	گر پڑا۔ پھر اسے پرندے
اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ	اچک لیتے ہیں یا اسے
فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝	ہوا اڑا کر کسی اور جگہ
(سورۃ الحج آیت ۳۰-۳۱)	پھینک دیتی ہے۔
عَنْ خُرَيْمِ ابْنِ	خریم بن فاتک نے فرمایا
فَاتِكٍ قَالَ صَلّٰى	کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	علیہ وسلم نے صبح کی نماز

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ	پڑھی۔ جب لوٹے تو
الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ	سیدھے کھڑے ہو گئے
قَامَ قَائِمًا فَقَالَ	پھر تین مرتبہ فرمایا
عُدِلَتْ شَهَادَةُ	کہ جھوٹی گواہی اللہ کے
الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ	ساتھ شرک کرنے کے
بِاللّٰهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ	برابر کر دی گئی ہے۔
ثُمَّ قَرَا فَاجْتَنِبُوْا	پھر آپ نے یہ آیت
الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ	پڑھی کہ بت پرستی سے
وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ	بچو اور جھوٹی شہادت
الزُّوْرِ حُنَفَآءَ	سے بچو۔ خاص ایک اللہ
لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ	کے ہو کر رہو۔ اس
بِهٖ۔	کے ساتھ کسی کو شریک
(رواہ ابوداؤد)	نہ بناؤ۔

تشریح

یہاں اس بحث میں ایک آدھی آیت ہے اور ایک پوری آیت ہے اور ایک حدیث ہے۔ آدھی آیت میں دو حکم ہیں ایک بت پرستی سے اجتناب اور دوسرا جھوٹی شہادت سے پرہیز۔ دوسری آیت میں دو چیزوں کا بیان ہے۔ ایک شرک سے اجتناب اور دوسرا عقیدہ شرکیہ کا نقصان کہ مشرک کی حیثیت ایسی ہے جیسے کوئی شخص آسمان سے گر گیا ہو اور پھر اس کو پرندے اچک لیں یا اسے ہوا

کسی گڑھے میں ڈال دے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسے شخص کی ہلاکت یقینی ہے اسی طرح مشرک کی ہلاکت یقینی ہے۔ اور حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہی آیات تلاوت فرمائیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جھوٹی گواہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر کس طرح ہے تو محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ جس طرح مشرک اللہ کے بارے میں جھوٹ کہتا ہے کہ اللہ تعالے کا شریک ہے اور پھر بندگی جو اللہ تعالیٰ کا خاص حق ہے وہ ان جھوٹے خداؤں کو دے دیتا ہے۔ اسی طرح جھوٹی شہادت دینے والا جھوٹی شہادت دے کر ایک بندے کا حق دوسرے کو دلاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو چسپاں کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح مشرک کی ہلاکت یقینی ہے اسی طرح جھوٹی شہادت دینے والے کی ہلاکت یقینی ہے۔

شہادت زنا میں چار مرد ہونے چاہیئں

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ	اور تمہاری عورتوں میں سے
الْفَاحِشَةَ مِنْ	جو کوئی بدکاری کرے
نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا	ان پر اپنوں میں سے
عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً	چار مرد گواہ لاؤ۔ پھر
مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا	اگر وہ گواہی دے دیں

فَامْسِكُوْهُنَّ فِى الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝
(سورۃ النساء آیت ۱۵)

تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے۔

وَالزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝
(سورۃ النور آیت ۲-۱۳)

بدکار عورت اور بدکار مرد سو دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو درّے مارو اور تمہیں اللہ کے معاملہ میں ان پر ذرا رحم نہ آنا چاہیئے۔ اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیئے۔ یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ پھر جب وہ گواہ نہ لائے تو وہ اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں تین آیات نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ النسار کی ہے اور دوسری دو آیتیں سورۂ النور کی ہیں۔ سورۃ النسار والی آیت میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ اگر عورتیں بے حیائی (زنا) کا ارتکاب کریں تو اس کے ثبوت کے لیے چار گواہ لاؤ۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اگر وہ چار گواہ گواہی دے دیں تو پھر ان کو عمر بھر قید کر دو۔ یا اللہ تعالیٰ خود ہی ان کے لیے کوئی سبیل نکالے گا۔

اس کے بعد سورۃ النوّر کی دو آیتیں ہیں۔ پہلی آیت میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز سورۃ النسار کے آخری جملہ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا کی تشریح ہے کیونکہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی سبیل نکالے گا۔ اور سورۃ النور کے پہلے جملے میں یہ سبیل متعین کر دی گئی ہے کہ زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں کو سو سو درّے مارنا ہے اور دوسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ ایمان والوں کو اس سزا میں نرمی نہیں برتنی چاہیئے۔ اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ اس سزا کے وقت ایمان والوں کی ایک جماعت ہو۔ یعنی یہ سزا برعام ہونی چاہیئے

اس کے بعد سورۃ النور کی آیت نمبر ۱۲ ہے اس کی تفصیل بڑی لمبی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقین نے جب تہمت لگائی تھی تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں ایک تو ان کی بات بیان فرمائی اور دوسرا یہ فرمایا کہ انکے پاس چار گواہ نہیں ہیں اس لیے بھی وہ جھوٹے

ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ باب زنا میں چار گواہ ہونے چاہیئں۔ مگر یہ آیات مجمل ہیں ان کی پوری تفصیل یہاں مذکور نہیں ہے کیونکہ یہاں یہ ذکر نہیں ہے کہ زانیہ اور زانی عاقل ہوں یا غیر عاقل۔ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، مجبور ہو یا غیر مجبور، بالغ ہو یا غیر بالغ۔ اسی طرح یہ ذکر بھی نہیں ہے کہ گواہ اگر گواہی نہ دیں تو پھر کیا حکم ہے۔ اور اگر گواہی دیں تو اس کی کیفیت کیا ہو۔ اور اگر گواہ نہ ہوں مگر وہ زانیہ اور زانی خود اعتراف زنا کریں تو پھر کیا حکم ہے۔ ان تمام صورتوں میں یہ آیات مجمل ہیں۔ ان کی پوری تفصیل خلاصہ تفسیر القرآن جلد خامس میں بیان ہو چکی ہے۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے جو چاہے وہاں دیکھ لے۔

یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم یا سو سو درّے تو اس لیے رکھی گئی ہے کہ زنا سے معاشرہ میں بے رحمی اور حق تلفی کا باب کھلتا ہے اور ایسے عناصر کی سزا رکھ کر اس کا سدّ باب کیا ہے اور چار گواہ اس لیے رکھے گئے ہیں تاکہ اس ثبوت کو یقینی بنایا جا سکے۔ اور اس سلسلہ میں ایک کو شبہ ہو سکتا ہے، اور دو اور تین کو بھی ہو سکتا ہے لیکن جب چار نے دیکھ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ فعل یقینی صادر ہوا ہوگا اور ان گواہوں کے لیے بھی شرطیں ہیں جو عنقریب عرض کی جائیں گی۔ چار گواہ مرد ہونے چاہیئں۔ قرآن کے ان صیغوں سے ایسے ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں یہاں جو صیغے استعمال کئے ہیں وہ مذکر کے ہیں۔ ایک مُسْلَمُو اور دوسرا اشْهِدُوا یہ دونوں صیغے مذکر کے ہیں۔ اور چار گواہ مرد ہونے کی شرط قرآن مجید کے ان تین صیغوں سے معلوم ہوتی ہے۔ پہلا صیغہ اَرْبَعَۃً ہے یہ اسم عدد ہے اور اسم عدد کا اصول یہ ہے کہ

اگر تمیز مؤنث ہو تو اسم عدد مذکر آتا ہے اور اگر تمیز مذکر ہو تو اسم عدد مؤنث آتا ہے۔ اور یہاں جب اسم عدد اربعہ مؤنث ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تمیز رجال ہوگی جو مقدر ہے۔ اور اسی طرح مِنْكُمْ بھی جمع مذکر حاضر کی ضمیر اور اِنْ شَهِدُوْا بھی جمع مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ پس ان صیغوں سے معلوم ہوتا ہے کہ باب زنا میں گواہ چار مذکر ہی ہونے چاہئیں۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے صحابہ رضی سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے اس باب میں عورتوں کی شہادت قبول کی ہو۔

نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ گواہی کے سلسلہ میں اصل چونکہ مرد ہے اور عورت کو تو متبادل کے طور پر مرد کی جگہ رکھا گیا ہے اس لحاظ سے عورت کی شہادت میں کچھ شبہ سا پڑ جاتا ہے۔ اور حدود کا معاملہ ایسا ہے کہ یہ شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اس لیے عورت کی گواہی اس بات میں قبول نہیں کی جاتی اور اسی لیے بقیہ حدود و قصاص میں بھی عورت کی گواہی قبول نہیں مثلاً تہمت زنا اور شراب نوشی کی سزا ثابت کرنے کے لیے عورت کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔

بقیہ معاملات میں گواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ	اور اپنے مردوں میں سے
مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ	دو گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر

لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۤءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ

(سورۃ بقرۃ آیت ۲۸۲)

دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ ان لوگوں میں سے جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو تاکہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے۔

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ

(سورۃ الطلاق آیت ۲)

اور دو معتبر آدمی اپنے میں سے گواہ کر لو اور اللہ کے لیے گواہی پوری دو۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں دو آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ بقرہ کی ہے اور دوسری آیت سورۃ الطلاق کی ہے۔ سورہ بقرہ والی آیت میں چار چیزیں ہیں۔ پہلی چیز یہ ہے کہ گواہ دو مرد ہونے چاہئیں۔ یہ حکم مدعی کو بھی ہو سکتا ہے اور حکام کو بھی ہو سکتا ہے۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں اور تیسری چیز یہ ہے کہ گواہ فریقین کی رضامندی کے ہونے چاہئیں۔ اور چوتھی چیز دو عورتیں گواہ رکھنے کی علت بیان فرمائی ہے کہ اگر ایک ان میں سے گواہی دیتے وقت بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے۔

اس کے بعد سورۃ طلاق کی آیت ہے اس میں دو حکم ہیں ایک یہ ہے کہ دو گواہ عادل کر لیا کرو۔ یہ حکم سورۃ بقرہ والی آیت میں بھی بیان ہو گیا ہے وہاں ترضون کا ذکر ہے۔ اور یہاں ذَوِی عَدۡلٍ کا ذکر ہے دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔

رفع اشتباہ

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بحث میں پہلی آیت تو ادھار کی بحث میں آئی ہے اور دوسری آیت طلاق کی بحث میں آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو معاملات میں تو گواہ دو اور عادل ہونے چاہیئں۔ ان دو کے علاوہ باقی معاملات میں تو کہیں ذکر نہیں کہ گواہ ہونے چاہیئں یا نہیں ہونے چاہیئں اور پھر وہ عادل ہوں یا غیر عادل اس کا کہیں ذکر نہیں ہے لیکن فقہاء حضرات ان دونوں آیتوں کو عام قرار دیتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ باب الزنا کی تفصیل تو پہلے آ چکی ہے کہ اس میں چار گواہ مرد عادل ہونے چاہیئں اور اس کے علاوہ تمام معاملات میں انہیں دو آیتوں سے استدلال کیا جاتا ہے کہ گواہ دو ہونے چاہیئں اور دونوں عادل ہونے چاہیئں۔ وہ دونوں مرد ہوں یا ایک مرد ہو اور دو عورتیں ہوں۔ البتہ حدِ قذف اور میں صرف دو مرد ہی گواہ ہو سکتے ہیں۔ عورتیں گواہ نہیں ہو سکتیں اس

کی تفصیل پہلے آچکی ہے مثلاً نکاح، طلاق، وکالت، وصیت، نسب وغیرہ ان تمام معاملات میں دو مرد گواہ ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں البتہ وہ معاملات جہاں صرف عورتوں کی رسائی ہوسکتی ہے مردوں کی رسائی نہیں ہوسکتی مثلاً ولادت کی خبر، بکارت اور عورتوں کے بقیہ عیوب۔ ان معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ اور اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ تمام مفسرین کے نزدیک یہ مانا ہوا اصول ہے۔ کہ العبر لعموم الالفاظ لا الخصوص السبب کہ اعتبار عام الفاظ کا ہوتا ہے۔ خاص سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔ یعنی قوانین اور قواعد کلیہ سب کے لیے ہوتے ہیں کسی ایک فرد کے لیے نہیں بنائے جاتے۔ اسی لیے ان قوانین کے الفاظ بھی عام قسم کے ہوتے ہیں۔ اگر ان قوانین اور قواعد کی کوئی دفعہ کسی ایک فرد پر کسی واقعہ میں لاگو کی جائے تو اس کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ یہ قانون اسی کے لیے خاص کر دیا گیا ہے۔ کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص جس پر یہ قانون لاگو کیا گیا ہے وہ بھی اسکا ایک فرد اور مصداق ہے۔ ہاں اگر کسی کو ان قواعد کلیہ اور قوانین سے مستثنیٰ کرنا ہو اور انہیں خاص کرنا مقصود ہو تو قواعد میں ان کی استثنیٰ کر دی جاتی ہے۔

اسی طرح یہاں قرآن مجید میں ہے کہ اس کے بیان کردہ اصول سب کے لیے ہیں کسی ایک فرد یا قوم کے لیے نہیں ہیں۔ ہاں جہاں کہیں بعض کو مخصوص کرنا تھا کر دیا ہے مگر چونکہ نزول قرآن کے وقت اس کے پہلے مصداق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے اور

جب آدمی آیات قرآنیہ کو پڑھتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن سارا انہی کے لیے اترا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ قرآن پوری نسلِ انسانی کی رشد و ہدایت کے لیے اتارا گیا ہے۔ اسی طرح یہ آیات ہیں بظاہر ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عادل دو گواہ صرف ادھار سدھار اور طلاق کے معاملہ میں ہونے چاہیئں حالانکہ یہ دونوں واقعات جزوی ہیں باقی قاعدہ کلیہ ہے کہ جہاں بھی حقوق ثابت کرنا ہو وہاں دو عادل گواہ مرد ہوں یا ایک مرد ہو اور دو عورتیں سوائے دو مستثنیات کے جن کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔ بہرحال یہ آیات مجمل ہیں کیونکہ فیصلہ کرنے کی پوری تفصیل یہاں مذکور نہیں ہے پوری تفصیل احادیث میں ہے۔

گواہ مدّعی پیش کرے اور مدّعا علیہ پر قسم ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ	ابن عباس سے روایت ہے
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى	کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو
قَالَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ	محض دعوے سے دے
بِدَعْوٰهُمْ لَادَّعٰى	دیا جائے تو لوگ لوگوں
نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ	کے خون اور مال کا مطالبہ
وَاَمْوَالَهُمْ وَلٰكِنَّ	کریں گے لیکن مدعا علیہ
الْيَمِيْنَ عَلَى	پر قسم ہے۔ اس کو مسلم
الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ رَوَاهُ	نے روایت کیا ہے اور

مُسْلِمٍ وَفِيْ شَرْحِهٖ	مسلم کی شرح نووی میں ہے
لِلنَّوَوِيِّ اَنَّهٗ قَالَ	اس نے کہا کہ بیہقی میں
وَجَاءَ فِيْ رِوَايَةِ	ایک روایت میں ہے
الْبَيْهَقِيِّ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ	جس کی سند حسن ہے
اَوْ صَحِيْحٍ زِيَادَةٌ	یا صحیح ہے۔ ابن عباس
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ	سے زیادہ الفاظ آئے ہیں
مَرْفُوْعًا لٰكِنَّ الْبَيِّنَةَ	جو مرفوع ہیں کہ گواہ پیش
عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ	کرنا مدعی پر ہے اور
عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ۔	منکر پر قسم ہے۔
عَنْ عَمْرِو بْنِ	عمرو بن شعیب نے
شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ	اپنے باپ سے اور
عَنْ جَدِّهٖ اِنَّ	انہوں نے اس کے دادا
النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ	سے روایت کی ہے کہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم
الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ	نے فرمایا کہ گواہ پیش کرنا
وَالْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعٰى	مدعی پر ہے اور مدعا علیہ
عَلَيْهِ (ترمذی)	پر قسم ہے۔

تشریح

یہاں اس باب میں دو احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی حدیث ابن عباسؓ سے مروی ہے اور دوسری حدیث عمرو بن شعیب

ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں قرآن مجید کی ان مذکورہ آیات کی تفسیر ہیں
کیونکہ یہاں سورۃ بقرہ کی آیت کے پہلے جملہ میں فرمایا ہے —
وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ۔ اپنے مردوں
میں سے دو گواہ طلب کرو۔ اگر اس امر کے مخاطب حکام ہیں تو اس
کا مقصد یہ ہے کہ قاضی گواہوں کے سوا صرف دعویٰ پر فیصلہ نہ کرے اور
اگر اس کے مخاطب مدعی ہیں تو پھر اس کا مقصد یہ ہے کہ قاضی کے سامنے
اپنے [illegible] نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس کی علت بیان فرمائی ہے کہ صرف دعویٰ پر فیصلہ کیوں
نہیں ہوگا تو فرمایا کہ اگر صرف دعویٰ پر فیصلہ دیدیا جائے تو لوگ تو
ایک دوسرے کا خون بھی مانگیں گے اور مال بھی مانگیں گے اس لیے
صرف دعویٰ پر فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ دعویٰ کے ساتھ ساتھ مدعی
پر لازم ہے کہ وہ اپنے دعویٰ پر گواہ بھی پیش کرے۔ اس کے بعد
اگر مدعا علیہ مان جائے تو اسے مدعی کی چیز دینی پڑے گی۔ اور اگر وہ
نہ مانے تو اسے قسم اٹھانی پڑے گی۔ یہ تو حضرت ابن عباس رضؓ والی
حدیث کا مقصد ہے اور اس کے بعد جو عمرو بن شعیبؒ والی حدیث
ہے اس کا بھی یہ ہی مقصد ہے۔

جھوٹی حلف کے انسداد کا طریقہ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو جب
شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ	تم میں سے کسی کو
اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ	موت آئے تو وصیّت
الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ	کے وقت تم سے دو
اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ	صاحب عدل ہونے چاہئیں
مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ	اور تمہارے سوا دو
مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ	اور ہوں اگر تم زمین
اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي	میں سفر کرو پھر تمہیں
الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ	موت کی مصیبت آ
مُصِيْبَةُ الْمَوْتِ	پہنچے ان دونوں کو نماز
تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ	کے بعد کھڑا کرو۔ وہ
بَعْدِ الصَّلٰوةِ	دونوں اللہ کی قسمیں کھائیں
فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ	اگر تمہیں کہیں شبہ ہو
اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا	کہ ہم قسم کے بدلے مال
نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا	نہیں لیتے اگر رشتہ دار
وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى	ہی کیوں نہ ہو۔ اور ہم
وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ	اللہ کی گواہی نہیں چھپاتے
اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ	ورنہ ہم بے شک گناہگار
الْاٰثِمِيْنَ ۝ فَاِنْ	ہوں گے پھر اگر اس

عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا
اسْتَحَقَّآ اِثْمًا
فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ
مَقَامَهُمَا مِنَ
الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ
عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ
فَيُقْسِمٰنِ
بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَا
اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا
وَمَا اعْتَدَيْنَا اِنَّا
اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ
يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ
عَلٰى وَجْهِهَا اَوْ
يَخَافُوْٓا اَنْ
تُرَدَّ اَيْمَانٌ بَعْدَ
اَيْمَانِهِمْ ط وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝
(سورۃ المائدہ ایت ۱۰۶ تا ۱۰۸)

بات کی اطلاع ہو جائے
کہ وہ دونوں گناہ کے
مرتکب ہوئے تو ان کی
جگہ اور دو کھڑے ہوں
ان میں سے جن کا حق
دبایا گیا ہے جو سب سے
زیادہ میت کے قریب
ہوں پھر اللہ کی قسم کھائیں
کہ ہماری گواہی ان کی
گواہی سے زیادہ سچّی ہے
اور ہم نے زیادتی نہیں
کی ورنہ ہم بیشک ظالموں
سے ہوں گے - یہ اس
امر کا قریب ذریعہ ہے
کہ وہ لوگ واقعہ کو ٹھیک
طور پر ظاہر کر دیں - یا
اس بات سے ڈر جائیں
کہ قسمیں اُن کی قسموں کے
بعد ردّ کی جائیں گی اور
اللہ سے ڈرتے رہو اور
سنو اور اللہ نافرمانوں کو

سیدھی راہ پر نہیں چلاتا۔

شانِ نزول

آیاتِ مذکورہ کے نزول کا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص بدیل نامی جو مسلمان تھا دو شخصوں تمیم و عدی کے ساتھ جو اس وقت نصرانی تھے بغرض تجارت ملک شام کی طرف گیا۔ شام پہنچ کر بُدَیل بیمار ہو گیا۔ اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اسباب میں رکھ دی اور اپنے دونوں رفیقوں کو اطلاع نہ کی۔ مرض جب زیادہ بڑھا تو اس نے دونوں نصرانی رفقاء کو وصیّت کی کہ کل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انہوں نے سب سامان لاکر وارثوں کے حوالے کر دیا مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع یا نقش تھے اس میں سے نکال لیا وارثوں کو فہرست اسباب میں سے دستیاب ہوئی۔ انہوں نے اوصیا سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کہ معالجہ وغیرہ میں خرچ ہوا ہو۔ ان دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا آخر معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا۔ چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے تو ان دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں سے کسی طرح کی خیانت نہیں کی۔ نہ کوئی چیز اس کی چھپائی۔ آخر قسم پر فیصلہ ان کے حق میں کر دیا گیا۔ کچھ مدّت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ جب سوال ہوا تو کہنے لگے کہ ہم نے میت سے خرید لیا تھا۔ چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اس لیے ہم نے پہلے اس کا ذکر

نہیں کیا۔ مبادا ہماری تکذیب کر دی جائے۔ میت کے وارثوں نے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا۔ اب پہلی صورت کے برعکس اوصیا خریداری کے مدعی اور وارث منکر تھے۔ شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت سے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا۔ اور یہ دونو نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں۔ چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا (ایک ہزار درہم پر) وہ وارثوں کو دلائی گئی۔

معارف ومسائل

مسئلہ ۱: میت جس شخص کو مال سپرد کر کے اس کے متعلق کسی کو دینے دلانے کے لیے کہہ جاوے وہ وصی ہے اور وصی ایک شخص بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی۔ مسئلہ ۲۔ وصی کا مسلمان اور عادل ہونا خواہ حالت سفر ہو یا حضر افضل ہے لازم نہیں۔ مسئلہ ۳ جسے مقدمے پر مجبور کیا جا سکے وہ مدعی ہے اور دوسرا مدعا علیہ ہے مسئلہ ۴ مدعی سے گواہ لیے جاتے ہیں۔ اگر موافق ضابطہ شرعی کے پیش کر دے مقدمہ وہ پاتا ہے اور اگر پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے اور مقدمہ وہ پاتا ہے البتہ اگر قسم سے انکار کر جائے تو پھر مدعی مقدمہ پاتا ہے۔ مسئلہ ۵ قسم کی تغلیظ زمان یا مکان کے ساتھ جیسا کہ آیت مذکورہ میں کی گئی ہے حاکم کی رائے پر ہے لازم نہیں ہے۔ اس آیت سے بھی لزوم ثابت نہیں ہوتی اور

دوسری آیات اور روایات سے اطلاق ثابت ہوتا ہے مسئلہ ۶: اگر مدعا علیہ کسی ایسے فعل کے متعلق قسم کھاوے تو الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ مجھ کو اس فعل کی اطلاع نہیں۔ مسئلہ ۷: اگر میراث کے مقدمہ میں وارث مدعا علیہ ہو تو جن کو شرعاً میراث پہنچتی ہے ان پر قسم آوے گی خواہ واحد ہو یا متعدد اور جو وارث نہیں ان پر قسم نہ ہوگی۔ (معارف القرآن مؤلفہ مفتی محمد شفیع ؒ)

پس ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ پر قسم آئے گی۔ اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ وہ جھوٹی قسم اٹھائے گا تو اس کے انسداد کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ یعنی نماز کے بعد ان کو کھڑا کر دو اور پھر وہ قسم اٹھائیں۔ اب ایسے موقعہ پر جھوٹ کا احتمال کم ہے کیونکہ نماز پڑھنے سے اوّلاً تو اس کے دل میں اللہ کی عظمت آئیگی جگہ بھی متبرک ہے اور تمام نمازیوں کے سامنے بھی ہوگا۔ اور اگر ساتھ ساتھ قرآن پر بھی حلف لیا جائے تو امید قوی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ اگر اس کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا تو وہ سچ کہہ دے گا۔ اور آج کل چونکہ فیصلے مسجدوں میں نہیں ہوتے۔ علیحدہ کچہریاں قائم کر دی گئی ہیں۔ اور لوگ جھوٹی قسموں کے ذریعہ ہزاروں حق تلفیاں کر رہے ہیں۔ کیونکہ لوگوں کو جھوٹی قسموں سے روکنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔

جھوٹی حلف اٹھانے کی اخروی سزا

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنِ صَبْرٍ وَ ھُوَ فِیْھَا فَاجِرٌ یَقْتَطِعُ بِھَا مَالَ امْرَأٍ مُسْلِمٍ لَقِیَ اللّٰہَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ ھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانٌ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی تَصْدِیْقَ ذَالِکَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۔ (الیٰ اٰخرۃ الاٰیۃ متفق علیہ)

ابن مسعود سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مستقلاً قسم اٹھائے اور وہ اس میں جھوٹا ہو تاکہ وہ لے اس کے ذریعہ مال مسلمان آدمی کا تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ اسے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق اتاری کہ بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور قسموں کے بدلے حقیر معاوضہ لیتے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ

آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں ہے اور ان سے اللہ کلام نہیں کرے گا

وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا
يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ
(سورۃ آلِ عمران ایت ۷۷)

اور قیامت کے دن ان
کی طرف نہ دیکھے گا اور
انہیں پاک بھی نہ کرے گا
اور ان کے لیئے دردناک
عذاب ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ
اِمْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهِ
فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ
لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ
عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ
لَهٗ رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ
شَيْئًا يَسِيْرًا يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ
وَاِنْ كَانَ قَضِيْبًا
مِنْ اَرَاكٍ ۔
(مسلم)

ابی امامہ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص
کسی مسلمان آدمی کا حق
اپنی قسم کے ذریعہ کاٹ
لے تو اللہ نے اس کے
لیے آگ واجب کی ہے
اور جنت اس پر حرام کی
ہے پس ایک شخص نے
کہا کہ اگرچہ تھوڑی چیز ہو
اے اللہ کے رسول۔ تو
آپ نے فرمایا اگرچہ پیلوں
کے درخت کی شاخ ہو۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ
اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

ام مسلمہ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ
وَأَنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ
إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ
أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ
بِحُجَّتِهِ مِنْ
بَعْضٍ فَأَقْضِي
لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا
أَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ
قَضَيْتُ لَهُ بِشَيْءٍ
مِنْ حَقِّ أَخِيهِ
فَلَا يَأْخُذَنَّهُ
فَإِنَّمَا أَقْطَعُ
لَهُ قِطْعَةً مِنَ
النَّارِ
(متفق علیہ)

علیہ وسلم نے فرمایا میں
ایک آدمی ہوں اور تم
میرے پاس جھگڑتے
ہوئے آتے ہو اور ہو
سکتا ہے کہ تم ایک زیادہ
چرب زبان ہو دوسرے
سے ساتھ اپنی حجت کے
تو فیصلہ کروں میں اس
کے موافق جو اس سے
سنوں۔ پس جو شخص کہ
فیصلہ کروں میں اس سے
اس کے بھائی کے حق
میں سے کچھ بھی تو اسے
وہ چیز نہیں لینا چاہیئے
یقیناً میں اس کے لیے
آگ کا ٹکڑا کاٹ رہا ہوں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ
قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ
إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ

حضرت عائشہ سے روایت
ہے کہ جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا اللہ تعالیٰ کو سب
سے زیادہ ناپسند آدمی سب

الْخَصَمُ ،	سب سے زیادہ جھگڑا
(متفق علیہ)	کرنے والا ہے۔
وَعَنْ عَلْقَمَةَ ابْنِ	علقمہ بن وائل نے اپنے
وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ	باپ سے روایت کی ہے
قَالَ جَاءَ رَجُلٌ	کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ
مِنْ حَضْرَمَوْتَ	وسلم کے پاس حضرموت
وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَه	سے ایک آدمی آیا اور
اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ	ایک کندہ سے آیا حضرمی
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ	نے کہا یا رسول اللہ اس
الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُوْلَ	شخص نے مجھ پر اور میری
اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا غَلَبَنِيْ	زمین پر قبضہ کر لیا ہے
عَلٰى اَرْضٍ لِيْ	اور کندی نے کہا کہ یہ
فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ	زمین میری ہے اور
اَرْضِيْ وَفِيْ يَدِيْ	میرے قبضہ میں ہے
لَيْسَ لَهٗ فِيْهَا حَقٌّ	اس میں اس کا کوئی حق
فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ	نہیں ہے تو نبی صلی اللہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ	علیہ وسلم نے حضرمی کو
اَلَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا	فرمایا، ہے تیرے پاس
قَالَ فَلَكَ يَمِيْنُهٗ	گواہ، اس نے کہا نہ کندی
قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	کو فرمایا کہ تجھ پر قسم ہے
اِنَّ الرَّجُلَ	تو حضرمی نے کہا یا رسول اللہ

فَاجِرٌ لَا يُبَالِي عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ اِلَّا ذَالِكَ فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِهٖ لِيَاْكُلَهٗ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ

(مسلم)

یہ فاجر آدمی ہے۔ یہ اس چیز کی پرواہ نہیں کرتا جس کی قسم اٹھانا ہو اور یہ کسی چیز کی قسم اٹھانے سے بچتا نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ تیرے لیے اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پس وہ شخص قسم کے لیے چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا اگرچہ اس کا مال کھانے کے لیے زیادتی سے قسم اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس کی طرف توجہ نہیں کرے گا۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰى

ابی ذر سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جو

مَا لَيْسَ لَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا وَ لْيَتَبَوَّا مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (مسلم)

شخص اس چیز کا دعوےٰ کرے جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اسے چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تلاش کرے۔

وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ فَقَوْمٌ تَسْبِقُ شَھَادَہٗ اَحَدِھِمْ یَمِیْنَہٗ وَ یَمِیْنَہٗ شَھَادَتَہٗ

ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام لوگوں سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو ان کو ملیں گے پھر جو ان کو ملیں گے۔ پھر جو قوم آئے گی ان میں سے ہر ایک کی شہادت اپنی قسم کی وجہ سے سبقت لے جائے گی اور اس کی قسم ہی شہادت ہو گی۔

تشریح

یہاں اس باب میں سات احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی حدیث ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ دوسری ابی امامہؓ سے، تیسری امّ سلمہؓ

سے، چوتھی عائشہ صدیقہ رضؓ سے، پانچویں علقمہ سے، چھٹی ابی ذر سے اور ساتویں ابن مسعود رضؓ سے منقول ہے۔ ان ساتوں حدیثوں میں جھوٹی قسم اٹھانے والوں کی اخروی سزا بیان ہوئی ہے۔

ابن مسعود رضؓ کی پہلی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹی قسم کے ذریعہ جو کسی کا مال ہتھیائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اس پر ناراض ہوگا اور آپؐ کی تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آیت اتاری ہے۔ اس آیت میں بد عہد اور جھوٹی قسمیں اٹھانے والوں کے لیے پانچ قسم کا نقصان بیان فرمایا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا یعنی بھلائی نصیب نہیں ہوگی۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے شفقت کا کلام نہیں فرمائیں گے۔ تیسرا نقصان یہ ہے کہ اسے نظر رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔ چوتھا نقصان یہ ہے کہ اس کو گناہوں کی گندگی سے پاک نہیں کریں گے۔ اور پانچواں نقصان یہ ہے کہ اس کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

دوسرے نمبر پہ ابی امامہ رضؓ والی حدیث ہے۔ اس میں آپ نے فرمایا کہ ایسے شخص کے لیے دوزخ واجب اور جنت حرام ہوگی۔

تیسرے نمبر پر ام سلمہ والی حدیث ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فریب سے حاصل کی ہوئی دولت کو آگ کا ٹکڑا فرمایا۔ چوتھے نمبر پہ حضرت عائشہ رضؓ والی حدیث ہے اس میں آپؐ نے فرمایا کہ ایسے آدمی سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ بغض ہوتا ہے۔ پانچویں نمبر پہ علقمہ والی حدیث ہے اس میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے ناراض ہوگا۔ چھٹے نمبر پہ ابی ذر کی حدیث ہے اس میں آپؐ نے فرمایا کہ جو دوسرے کا مال

ناجائز طور پر حاصل کرے وہ ہماری امت میں سے نہیں ہے، وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تلاش کرے۔

ساتویں نمبر پر حضرت ابن مسعودؓ کی دوسری حدیث ہے اس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگ آخری زمانہ میں بہت ہوں گے

مدعا علیہ زیادہ ہوں تو قرعہ اندازی سے ان میں سے ایک کو قسم دی جائے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ	ابی ہریرۃ سے روایت
اَنَّ النَّبِیَّ	ہے کہ جناب نبی کریم
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	صلی اللہ علیہ وسلم نے
عَرَضَ عَلٰی قَوْمٍ	ایک قوم پر قسم پیش کی تو
الْیَمِیْنَ فَاَسْرَعُوْا	انہوں نے قسم اٹھانے
فَاَمَرَ اَنْ	کے لیے جلدی کی تو آپؐ
یُّسْهَمَ بَیْنَهُمْ	نے حکم دیا کہ ان کے درمیان
فِی الْیَمِیْنِ	قسم کے لیے قرعہ ڈالا جائے
اَیُّهُمْ یَحْلِفُ	کہ کون ان میں سے قسم
(بخاری)	اُٹھائے۔

تشریح

شارحین حدیث نے اس حدیث کی دو صورتیں لکھی ہیں۔ ایک

صورت تو ظاہر ہے حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ مدعی ایک تھا اور مدعا علیہ زیادہ تھے۔ مدعی کے پاس گواہ نہ تھے اس صورت میں مدعا علیہ پر قسم آتی ہے اور وہ زیادہ تھے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ ان کے درمیان قُرعہ ڈالا جائے اور جس کے نام کا قرعہ نکلے وہ قسم اٹھائے اور دوسری صورت یہ لکھی ہے کہ مدعی دو تھے اور مدعا علیہ ایک تھا۔ اور ان مدعیان میں سے ہر ایک اپنے لیے دعویٰ کرتا تھا اور دوسرے کا منکر تھا۔ اور تیسرا مدعا علیہ ان دونوں میں سے کسی کو نہیں جانتا تھا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو مدعیان کے درمیان قرعہ اندازی کا حکم دیا۔ بہر حال دونوں صورتوں کا احتمال ہے اور دونوں کے لیے حکم یہی نظر آتا ہے کہ انہیں اس طرح قسم دی جائے۔

مدعی اور مدعا علیہ کے پاس گواہ نہ ہوں تو متنازعہ چیز قرعہ اندازی سے تقسیم ہو گی

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَجُلَيْنِ اِخْتَصَمَا اِلَيْهِ فِیْ مَوَارِيْثَ لَمْ تَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ اِلَّا دَعْوَاهُمَا فَقَالَ	ام سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ دو شخص آپ کے پاس وراثت کا جھگڑا لے کر آئے اور ان کے پاس گواہ نہیں تھے صرف دعویٰ تھا تو آپ نے فرمایا کہ

مَنْ قَضَيْتُ لَهٗ	میں جس کو اس کے بھائی
بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ	کا حق دے دوں تو اس
اَخِيْهِ فَاِنَّمَا	کے لیے آگ کا ٹکڑا کاٹوں
اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً	گا۔ تو ان میں سے ہر
مِنَ النَّارِ فَقَالَ	ایک نے کہا یا رسول اللہ
الرَّجُلَانِ كُلُّ اَحَدٍ	میرا یہ حق میرے ساتھی
مِنْهُمَا يَا رَسُوْلَ	کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا
اللهِ حَقِّيْ هٰذَا	نہ جاؤ اور اسے تقسیم کرو
لِصَاحِبِيْ فَقَالَ لَا	انصاف کرو پھر قرعہ ڈالو پھر
وَلٰكِنْ اِذْهَبَا	حلال کرے ہر ایک تم
فَاقْتَسِمَا وَ تَوَخَّيَا	میں سے اپنے ساتھی کو
الْحَقَّ ثُمَّ اسْتَهِمَا	اور ایک روایت میں ہے
ثُمَّ لِيُحَلِّلْ كُلُّ	آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہارے
وَاحِدٍ مِنْكُمَا صَاحِبَهٗ	درمیان اپنی رائے سے
وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّمَا	فیصلہ کر رہا ہوں۔ اس
اَقْضِيْ بَيْنَكُمَا بِرَأْيِيْ	سلسلہ میں مجھ پر کوئی وحی
فِيْمَا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ	نہیں اتاری گئی۔
فِيْهِ (ابوداؤد)	

تشریح

اس حدیث سے چار چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی چیز یہ ہے کہ مدّعی

اور مدعا علیہ کے پاس جب گواہ موجود نہ ہوں تو قاضی متنازعہ چیز ان کے مابین مساویانہ تقسیم کرے اور حصول کا انتخاب قرعہ اندازی سے کرے اور دوسری چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ قاضی اگر وہ چیز متنازعہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو دے گا تو وہ چیز اس کے لیے حلال نہیں ہو گی بلکہ وہ آگ کا ٹکڑا ہے اور تیسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم کے بعد ہر ایک ان میں سے کمی و بیشی ایک دوسرے کو معاف کر دیں اور چوتھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا اجتہاد تھا اس سلسلہ میں قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں ہے اور ظاہر بات ہے کہ ایسے مقدمہ میں اس سے زیادہ بہتر اور انصاف کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اگر مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے پاس گواہ ہوں تو فیصلہ صاحبِ قبضہ کے حق میں ہو گا

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَجُلَيْنِ تَدَاعَيَا دَابَّةً فَاَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الْبَيِّنَةَ اَنَّهَا دَابَّتُهٗ نَتَجَهَا قَضٰى بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ایک چارپائے کا دعویٰ کیا اور ہر ایک نے گواہ پیش کیے کہ چارپایہ اس کا ہے۔ اسی کے پاس پیدا ہوا ہے۔ تو رسول اللہ

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلَّذِیْ فِیْ یَدِہٖ۔ (شرح السنہ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں فیصلہ کیا جس کے قبضہ میں تھا۔

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک چیز پہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں اپنے استحقاق کا دعویٰ کریں اور گواہ بھی پیش کریں تو قبضہ والے کے گواہوں کو ترجیح ہوگی اور مقدمہ وہ پائے گا۔

مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے پاس گواہ ہوں تو چیز نصف نصف ہوگی

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیْ اِنَّ رَجُلَیْنِ ادَّعَیَا بَعِیْرًا عَلٰی عَہْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا شَاہِدَیْنِ فَقَسَمَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَہُمَا نِصْفَیْنِ (ابوداؤد)

ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کا دعویٰ کیا اور ہر ایک نے گواہ بھی پیش کئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا۔

طریقہ قسم کا بیان

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ حَلَّفَہٗ، اِحْلِفْ بِاللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ مَالَہٗ عِنْدَکَ شَیْءٌ یَعْنِیْ لِلْمُدَّعِیْ (ابوداؤد)

ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا جسے قسم دی تھی قسم اٹھاؤ۔ قسم اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس مدعی کا تیرے پاس کچھ نہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ (ترمذی)

ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔

تشریح

یہاں اس بحث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس میں آپؐ نے قسم کا طریقہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ کی ذات کی قسم اُٹھانا ہے اور لفظ اللہ

کے ساتھ آپ نے صفات کا ذکر بھی فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اللہ کے ساتھ صفات خداوندی بطور تاکید بڑھا سکتے ہیں جیسا کہ یہاں فرمایا ہے کہ اَلَّذِیْ لا الٰہ الا ھو۔ اور اسی طرح اور صفات مثلاً عالم الغیب والشہادۃ ہو الرحمان الرحیم۔

دوسری حدیث ابن عمر والی ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ غیر اللہ کی قسم اٹھانا شرک ہے اور آیات قرآنی اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قسم تین قسم کی ہے۔ لغو، غَمُوس اور مُنعَقدہ زمانہ ماضی میں کسی چیز کے بارے میں ہے یا نہیں کی قسم اٹھائے اور اسے یاد نہ ہو تو یہ لغو ہے اور زمانہ ماضی میں ہے یا نہیں کی قسم اٹھائے اور اسے یاد بھی ہو اور معاملہ برعکس ہو تو قسم غموس کہلاتی ہے۔ غموس کے معنی دریا میں غوطہ زنی کے ہیں۔ اور ایسا شخص قصداً اور جان بوجھ کر گناہ میں غوطہ لگاتا ہے اس لیے اسے غموس کہتے ہیں اور تیسری قسم منعقدہ ہے یہ زمانہ مستقبل کے بارے میں اٹھائی جاتی ہے کہ یہ کام کرنا ہے یا نہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہاں اس بحث میں قسم سے مراد غموس ہے اور حضرت ابن عباسؓ والی حدیث سے اس جملہ (مالہ عندك شئ) سے بھی یہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

عورت کی شہادت

فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا	پھر اگر دو مرد نہ ہوں
رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ	تو ایک مرد اور دو عورتیں

وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ	ان لوگوں میں سے جنہیں
تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ	تم گواہوں میں سے پسند
اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا	کرتے ہو تاکہ اگر ایک
فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا	ان میں سے بھول جائے
الْاُخْرٰى (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۲)	تو دوسری اسے یاد دلائے
اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي	کیا اس کے لیے وہ ہے
الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي	جو زیور میں پلتی ہے اور
الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ	وہ جھگڑے میں کھل کر
(سورۃ الزخرف آیت ۱۸)	بات نہیں کر سکتی۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں پہلے تو سورۃ بقرہ کا ایک جملہ ہے۔ اس کی باقی تشریح تو گزر گئی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ شہادت میں دو عورتوں کو ایک مرد کی جگہ رکھا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے تو سورۃ بقرہ کے اس جملہ میں اس کی ایک وجہ بیان فرمائی ہے کہ اگر ایک ان میں سے بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ اور سورۃ الزخرف کی آیت سے اس کی دوسری وجہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ عورت جھگڑوں میں کھل کر بات نہیں کر سکتی۔ اور ان آیات کی مزید تشریح مندرجہ ذیل احادیث میں ہے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ	ابی ہریرۃ سے روایت ہے
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ	کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - اَنَّهُ	نے فرمایا اے عورتوں کی

قَالَ - يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ
تَصَدَّقْنَ وَاَكْثِرْنَ
الْاِسْتِغْفَارَ فَاِنِّیْ
رَاَیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَهْلِ
النَّارِ - فَقَالَتِ
امْرَاَةٌ مِنْهُنَّ جَزْلَةٌ
وَمَا لَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
اَکْثَرَ اَهْلِ النَّارِ - قَالَ
تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ
وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ
مَا رَاَیْتُ مِنْ
نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَ
دِیْنٍ اَغْلَبَ لِذِیْ
لُبٍّ مِنْکُنَّ - قَالَتْ
یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا
نُقْصَانُ الْعَقْلِ
وَالدِّیْنِ - قَالَ
اَمَّا نُقْصَانُ
عَقْلِهَا فَشَهَادَةُ
امْرَاَتَیْنِ تَعْدِلُ
شَهَادَةَ رَجُلٍ

جماعت صدقہ کیا کرو
اور کثرت سے استغفار کیا
کرو - میں نے تم سے
اکثروں کو دوزخ میں دیکھا
ہے - تو ان میں سے
ایک بڑی ہوشیار عورت
نے کہا یا رسول اللہ ہم کیوں
زیادہ دوزخی ہیں - تو آپؐ
نے فرمایا تم بکثرت لعنت
بھیجتی ہو اور خاوند کی ناشکری
کرتی ہو - اور میں نے
عقل اور دین کا نقصان یہ
دیکھا ہے وہ عقلمند آدمی
کی عقل لے جاتی ہیں - اس
نے کہا یا رسول اللہ عقل
اور دین کا کیا نقصان ہے
تو فرمایا کہ عقل کا نقصان
یہ ہے کہ دو عورتوں کی
گواہی ایک مرد کی گواہی
کے برابر ہے -

فَهٰذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَتَمْكُثُ اللَّيَالِيَ لَا تُصَلِّيْ وَتُفْطِرُ فِيْ رَمَضَانَ فَهٰذَا نُقْصَانُ الدِّيْنِ۔

(ابن کثیر)

پس یہ تو عقل کا نقصان ہے اور ٹھہری رہتی ہے کئی راتیں نماز نہیں پڑھتی ماہِ رمضان میں افطار کرتی ہے یہ دین کا نقصان ہے

لِقَوْلِهٖ علیہ السلام شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ لَا يَسْتَطِيْعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ اِلَيْهِ۔ (ہدایہ) وَرَوٰى عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِيْ مُصَنَّفِهٖ عَنِ ابْنِ الشِّهَابِ الزُّهْرِيِّ قَالَ مَضَتِ السُّنَّةُ اَنْ تَجُوْزَ شَهَادَةُ النِّسَاءِ فِيْمَا لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ غَيْرُهُنَّ وَمِنْ وِلَادَتِ النِّسَاءِ وَعُيُوْبِهِنَّ۔

(حاشیہ ہدایہ)

بوجہ فرمان نبی علیہ السلام کے عورتوں کی شہادت اس چیز میں جائز ہے جسے مرد نہ دیکھ سکیں۔ اور عبدالرزاق نے اپنی تالیف میں ابن شہاب زہری (تابعی) سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک یہ ہی دستور چلا آرہا ہے کہ عورتوں کی گواہی وہاں جائز ہے جہاں ان کو غیر نہ دیکھ سکے مثلاً عورتوں کی ولادت اور عیوب وغیرہ۔

تشریح

یہاں ابوہریرہ والی حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے اس جملہ اَنْ تَضِلَّ کی تشریح بیان فرمائی ہے کہ یہ تَضِلَّ ان کے عقل میں کچھ فتور کی وجہ سے ہے اور بعد والی دو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں مردوں کی رسائی نہیں ہوتی مثلاً بکارت، ولادت وہاں ایک عورت کی گواہی بھی معتبر ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ایسے موقعہ پہ ایک مرد کی گواہی بھی بطریقہ اولیٰ معتبر ہے۔

کیونکہ جب حدیث میں آپ نے فرمادیا ہے کہ جہاں مردوں کی رسائی نہ ہو وہاں عورتوں کی گواہی معتبر ہے تو اس سے خود بخود معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی مرد بھی ایسے واقعات سے باخبر ہو تو وہاں اسکی گواہی بطریقہ اولیٰ قبول ہونی چاہیئے۔ اور حدیث میں النساء کا لفظ آیا ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ جنس ہے اور قلیل اور کثیر کو بھی شامل ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ ایسے مواقع میں اگر ایک عورت ہو تب بھی معتبر ہے۔

کیا عورت آدھا انسان ہے تب دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے

در اصل یہاں حیثیات کا سوال نہیں ہے بلکہ انصاف مہیا کرنے کا سوال ہے کہ کس گواہ کے ذریعہ قاضی کو حق و انصاف کی شہادت مل سکتی ہے اور کس سے نہیں مل سکتی۔ اس لیے خالقِ کائنات نے اس سلسلہ میں کچھ اصول رکھے ہوئے ہیں۔ ان اصولوں پر اگر مرد پورے اترنے والے ہوں تو ان کی گواہی قبول ہوتی ہے اور اگر وہ ان اصولوں پر کاربند نہ ہوں تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ اسی طرح عورتوں کے لیے بھی اصول ہیں۔ جن صورتوں میں عورتوں کی شہادت قبول کرنے کی اجازت دی ہے وہاں عورت ہی حق و انصاف کی شہادت دے سکتی ہے اور جن صورتوں میں عورت کی شہادت قبول کرنے کی اجازت نہیں دی وہاں دراصل عورتوں کی رسائی بھی ناممکن ہے جیسا کہ دنگا فساد کے مقدمات وغیرہ۔ اور اگر کہیں اس کی رسائی ہو بھی جائے تو وہ کھل کر بیان نہیں دے سکے گی جیسا کہ سورۃ زخرف کی آیت میں بیان ہو چکا ہے۔ وھو فی الخصام غیر مبین کہ وہ جھگڑوں میں کھل کر بول نہیں سکتی۔ اور بالفرض کوئی عورت اگر ایسی ہو کہ وہ کھل کر بول سکتی ہو تو وہ نوادرات میں سے ہے اور قواعد و کلیہ ہوتے ہیں جزئیات کی خاطر انہیں بدلا نہیں جا سکتا۔

نیز عورت کو اس میدانِ شہادت میں لے جانے سے اس کی عزت و آبرو بھی محفوظ نہیں رہے گی اور شریعت کا منشا یہ ہے کہ اس کی عزت

کو داغ نہ لگے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کے برابر قرار دے کر اس کی حیثیت کو گھٹا دیا گیا ہے یہ انکی غلط فہمی ہے۔ اصل مقصد قاضی کو حق وانصاف کی شہادت مہیا کرنا ہے۔ جہاں عورت ایسی شہادت مہیا کر سکتی ہے وہاں اس کی گواہی قبول ہے اور اس کی صورتیں بھی بتادی ہیں۔ اور جہاں وہ حق وانصاف کی شہادت مہیا نہیں کر سکتی وہاں اس کی گواہی قبول کرنے کی اجازت نہیں دی اور اس کی صورتیں بھی بتادی ہیں۔ نیز تربیت اولاد بھی عورت کی ذمہ داری رکھی گئی ہے۔ اگر کچہریوں کے چکر لگانے کی ذمہ داری بھی ان پر عائد کی جائے تو وہ اولاد کی تربیت صحیح نہیں کر سکے گی۔ اور عورتوں کے کچھ ذاتی مخصوص عوارضات بھی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے شریعت نے ان ایام میں انہیں نماز اور روزہ سے بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اسی طرح ان عوارضات کے پیش نظر شریعت نے عورت کو بعض مشکل مراحل میں شہادت کے فریضہ سے مستثنیٰ کیا ہے۔

گواہی دینے کیلئے مدّعی کا مطالبہ ہونا چاہیئے

وَلَا یَأْبَ الشُّهَدَاءُ	گواہوں کو جب طلب کیا جائے
إِذَا مَا دُعُوا وَلَا	تو وہ انکار نہ کریں اور گواہی
تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط وَمَنْ	مت چھپاؤ اور جو شخص
يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ	اسے چھپائے گا پس بیشک
قَلْبُهُ ط (سورہ بقرہ)	اس کا دل گناہ گار ہے۔

عَنْ زَيْدِ ابْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِیْ يَاْتِیْ بِشَهَادَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّسْاَلَهَا (مسلم)	زید بن خالد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - کیا میں تمہیں بہترین گواہ نہ بتاؤں جو مطالبہ سے پہلے گواہی دے۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں قرآن کے دو جملے ہیں اور ایک حدیث ہے پہلے جملہ میں یہ فرمایا ہے کہ گواہوں کو جب طلب کیا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ اور یہ طلب کس نے کرنا ہے ؟ تو ظاہر بات ہے کہ یہ طلب کرنا مدعی کا کام ہے کیونکہ گواہ نے اس کا حق ثابت کرنا ہے اور یہ گواہی اب اس پر فرض ہو جائے گی - ہاں اگر مدعی مطالبہ نہ کرے تو پھر گواہی دینا گواہ پر فرض نہیں ہے - اور دوسرے جملہ میں گواہی چھپانے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ جو گواہی چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہوگا - اور گواہی چھپانے کی دو صورتیں ہیں - ایک صورت یہ ہے کہ قاضی کے پاس گواہی دینے کے لیے جاتا نہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کہے کہ مجھے اس کا علم نہیں حالانکہ وہ جانتا ہو۔

حدیث میں اس گواہ کو سب سے بہتر فرمایا ہے جس کو واقعہ کا علم ہو اور مدعی کو پتہ نہ ہو کہ اس کو علم ہے اور یہ مدعی کو بلا کر کہہ دے کہ مجھے

اس واقعہ کا علم ہے میں یہ گواہی دُوں گا۔ یہاں دراصل مدعی کو گواہ تلاش کرنے پڑیں گے کہ کس کو اس واقعہ کا علم ہے اور کس کو نہیں ہے اور گواہوں میں سے بعض ایسے ہوں گے کہ انہیں واقعہ کا علم ہوگا مگر وہ گواہی دینے سے یا اس کے علم سے انکار کریں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ ان کو واقعہ کا علم نہیں ہوگا مگر وہ جھوٹی گواہی دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ ان کے پاس واقعہ کا علم ہوگا مگر مدعی کو ان کے بارے میں معلوم نہیں ہوگا۔ ایسا گواہ جو گواہی دے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بہتر فرمایا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے جو حق وانصاف سے گواہ ہوں گے یقیناً وہ بھی بہتری کے لائق تو ہیں اس لیے کہ انہوں نے بھی تو حق کی گواہی دے کر فریضہ ادا کیا ہے۔ مگر اس کا مقام ان سب سے اونچا ہے جس کے بارے میں مدعی کو علم نہ ہوا اور وہ خود بخود مدعی کو کہے کہ مجھے اس واقعہ کا علم ہے میں یہ گواہی دوں گا اور وہ گواہی دے دے۔ اور اس کی سب سے بہتری کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حق وانصاف کا سب سے اونچا نمونہ پیش کیا ہے۔

مندرجہ ذیل اشخاص کی شہادت قبول نہیں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ	عائشہؓ سے روایت ہے
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی	کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم نے فرمایا خیانت
لَا تَجُوْزُ شَھَادَۃُ	کرنے والے مرد اور

خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا مَجْلُوْدٍ حَدًّا وَلَا ذِيْ غِمْرٍ عَلٰى اَخِيْهِ وَلَا ظَنِيْنٍ فِيْ وِلَاءٍ وَلَا قَرَابَةٍ وَلَا الْقَانِعِ مَعَ اَهْلِ الْبَيْتِ۔ (ترمذی)

عورت کی گواہی قبول نہیں اور نہ اس کی جسے تہمت کی حد ماری گئی ہو اور نہ دشمن اپنے بھائی پر اور نہ اس کی کہ متہم ہو وِلاء میں اور قرابت میں اور نہ قناعت کرنے والے کی ایک گھر پہ

عَنْ عَمرِ ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا زَانٍ وَلَا زَانِيَةٍ وَلَا لِذِيْ غِمْرٍ عَلٰى اَخِيْهِ. وَرُدَّ شَهَادَةُ الْقَانِعِ لِاَهْلِ الْبَيْتِ (ابوداؤد)

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اس نے اس کے دادا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خائن مرد اور خائنہ عورت کی گواہی قبول نہیں اور نہ دشمن کی گواہی اپنے بھائی پہ۔ اور ایک گھر پہ قناعت کرنے والے کی گواہی ردّ کر دی گئی ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

ابو ہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ بَدَوِيٍّ عَلٰى صَاحِبِ قَرْيَةٍ۔ روایت کی ہے کہ جنگلی کی گواہی بستی والے کے خلاف قبول نہیں۔ (ابوداؤد)

تفسیر

اس باب میں مذکورہ احادیث سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں جو ترضون کا جملہ ہے اور سورۃ الطلاق کی آیت ۲ میں جو اَشْہِدُوْ ذَوَیْ عَدْلٍ کا جملہ آیا ہے اس کی تشریح ہے کیونکہ ان جملوں کا مقصد یہ ہے کہ گواہ دیانت دار ہونے چاہییں اور جن پر فریقین راضی ہوں۔ اور ظاہر بات ہے کہ ان احادیث میں جن گواہان کی شہادت ممنوع قرار دی گئی ہے ان پر اگر ایک فریق راضی ہو گا تو دوسرا نہیں ہو گا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو مجمل جملوں کی تشریح بیان فرما دی ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں آٹھ اشخاص کی گواہی قبول کرنے کو ناجائز فرمایا ہے۔ خیانت کرنے والا مرد[1]، خیانت کرنے والی عورت[2]، حد قذف کا سزا یافتہ[3]، دشمن[4]، ولاء[5] میں متہم یعنی جو غلام اپنی آزادی کی نسبت غیر آزاد کنندہ کی طرف کرے۔ قرابت[6] میں متہم یعنی اپنی نسبت غیر باپ کی طرف کرنے والا۔ ایسے چھ اشخاص تو بددیانت ہیں اس لیے ان کی شہادت قبول نہیں۔ ایک گھر پر قناعت[7] کرنے والے کی گواہی اس لیے قبول نہیں کہ اس میں طرف داری کا احتمال ہے۔ اور جنگلی[8] کی گواہی اس لیے قبول نہیں کہ وہ

عموماً آداب شہادت سے واقف نہیں ہوتے اور اگر کوئی جنگلی عادل ہو اور اصول شہادت کو جانتا ہو تو فقہا نے لکھا ہے کہ اس کی شہادت قبول کی جا سکتی ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ قاضی کے پاس صحیح شہادت پہنچنا چاہیئے۔ پس جس شخص کی بھی بد دیانتی ظاہر ہوگی اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی۔ اور انہیں احادیث کی روشنی میں فقہا نے لکھا ہے کہ مخنث جو افعال قبیحہ کا مرتکب ہو۔ رونے اور گانے کا پیشہ کرنے والی عورت اور مرد، شراب نوشی، پرندوں سے کھیلنے والا، حمام میں بغیر چادر داخل ہونے والا، سود خور، جوا کھیلنے والا، صحابہؓ اور تابعین کو گالی دینے والا، والدین کا نافرمان، قتل ناحق کرنے والا۔ ان لوگوں کی شہادت قبول نہیں کیونکہ یہ تمام گناہ کبائر ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔ اس کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے تو مخلوق کے حقوق کی رعایت کیسے کریں گے۔ اسی طرح باپ کی شہادت بیٹے کے حق میں اور بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں، ماں کے حق میں، دادا کے حق میں اور خاوند کی شہادت بیوی کے حق میں اور بیوی کی شہادت خاوند کے حق میں قبول نہیں اور نوکر اور ملازم کی شہادت اپنے مالک کے حق میں قبول نہیں کیونکہ یہاں طرفداری کا احتمال ہے اور منافع بھی مشترکہ ہے۔ ہاں اگر خفیہ ذرائع سے ان کی تصدیق ہو جائے تو پھر ان مذکورین کی شہادت قبول کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اصل مقصد یہاں ان مذکورین کی ذات کو ہدف بنانا نہیں بلکہ اصل مقصد قاضی تک حق و انصاف کی شہادت پہنچانا ہے۔ اگر خفیہ ذرائع انکی تصدیق کر دیں تو ان کی گواہی قبول کرنے میں حرج نہیں اور فی زمانہ یہی صورت بہتر ہے ورنہ متقی گواہ کا ملنا آج کل مشکل ہے۔ اگر شہادت کی مذکورہ

شرائط پر اصرار کیا جائے تو نظامِ عدالت بالکل معطل ہو جائے گا۔
کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ آیا ہے۔ دو گواہ طلب کر و اپنے مردوں میں سے۔ یہاں رجال سے مراد مسلمان ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ کافروں کی گواہی مسلمان کے خلاف جائز نہیں ہے کیونکہ شہادت کا مسئلہ دیانت پر مبنی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ متنازعہ چیز مدعی اور مدعا علیہ دونوں میں سے کسی کا حق ہے اور کافر مسلمان کا خیر خواہ نہیں ہوتا اس لیے اس کی شہادت ان دونوں میں سے کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف جائز نہیں ہے۔ شہادت کے بقیہ مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں وہاں دیکھنا چاہیئے۔

مدّعی مدّعا علیہ اور شہدائ کے بیانات اور قاضی کے فیصلہ کی تحریر ہونی چاہیئے

وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ	اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا
تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا	اس کی میعاد تک لکھنے
اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى	میں سستی نہ کرو۔ یہ لکھنا
اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ	اللہ کے نزدیک انصاف
اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ	کو زیادہ قائم رکھنے والا
وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ	ہے اور شہادت کا زیادہ
وَاَدْنٰٓى اَلَّا	دوست رکھنے والا ہے

تَرسْتَا بُوا ۔	اور زیادہ قریب ہے اس
(سورۃ البقرہ آیت ۲۸۲)	بات کے کہ تم کسی شبہ
	میں نہ پڑو۔

تفسیر

اس آیت میں ایک حکم ہے اور تین اس کے فائدے بیان فرمائے ہیں۔ حکم یہ ہے کہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے قلمبند کرنا چاہیئے اور اس کے انعقاد کی تاریخ ابتدا اور انتہا بھی لکھنا چاہیئے۔ یہ حکم دیانات کے تمام شعبوں کو شامل ہے اور عدالتی نظام کو بھی شامل ہے کہ مدّعی جب قاضی کے سامنے کسی کے خلاف دعوٰی دائر کرے تو یہ درخواست بھی تحریری طور پر ہونی چاہیئے جس میں مدعی کا نام، ولدیت، قوم، گاؤں، ضلع اور تحصیل تحریر ہو اور اسی طرح مدعا علیہ کے کوائف درج ہونے چاہیئں اور نیز متنازعہ چیز کی تفصیل بھی ساتھ ہونا ضروری ہے اور اس میں قاضی سے استدعا ہونا چاہیئے کہ آپ ہمارے درمیان اس معاملہ میں فیصلہ کریں۔ اور اب قاضی کا کام ہے کہ اس میں مدعی اور مدعا علیہ کو عدالت میں طلب کرے اور مدعی سے گواہ مانگے۔ اور گواہوں کے بیانات لکھے۔ کیونکہ شہادت دعوٰی کے مطابق ہوگی تب اسے قبول کیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں قبول کیا جاسکتا۔ اس کے لیے بہترین دعوٰی اور شہداء کے بیانات کی تحریر ہے۔ اور یہ مطابقت شہادت اور دعوٰی کے درمیان بھی ضروری ہے۔ اور دونوں گواہوں کے بیانات میں بھی ضروری ہے۔

تضاد کی صورت میں شہادت قبول نہیں کی جاسکتی لہٰذا تحریر ضروری ہے تاکہ دعویٰ اور شہادت میں مطابقت ہو اور قاضی کے فیصلہ کی بھی تحریر ہونی چاہیئے۔ اور اس تحریر کا پہلا فائدہ یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ انصاف والی چیز ہے اور دوسرا فائدہ یہ بیان فرمایا کہ اس سے گواہی زیادہ درست ہوگی اور تیسرا فائدہ یہ بیان فرمایا ہے کہ اس سے کسی قسم کا شک وشبہ بھی نہیں ہوگا۔ باقی گواہوں کے بیانات کی متضاد صورتوں کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

کاتب اور گواہ کو تحفظ فراہم کیا جائے

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ	اور چاہیئے کہ تمہارے
كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا	درمیان لکھنے والا انصاف
يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ	سے لکھے اور لکھنے والا
يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ	لکھنے سے انکار نہ کرے
اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ج	جیسا کہ اس کو اللہ نے
وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ	سکھایا ہے اسے چاہیئے
وَلَا شَهِيْدٌ ط وَاِنْ	کہ لکھ دے اور لکھنے والے
تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ	کو اور گواہ بننے والے
فُسُوْقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا	کو تکلیف نہ دی جائے
اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ	اور اگر تم نے تکلیف دی
اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ	تو تمہیں گناہ ہوگا اور

شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ — اللہ سے ڈرو۔ اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے

(سورۃ بقرہ آیت ۲۸۲)

تفسیر

اس سے پہلے یہ مضمون آچکا ہے کہ مدعی، مدعا علیہ اور گواہان کے بیانات قلمبند ہونے چاہئیں اور جج کا فیصلہ بھی لکھنا چاہیئے۔ اور اب یہاں ان جملوں میں نو چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ محرّر اور کاتب کوئی غیر جانبدار ہو۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں میں سے کسی ایک فریق کا آدمی نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کاتب کا لفظ فرمایا ہے۔ اور یہ نکرہ ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ کاتب مدعی کا آدمی ہو یا مدعا علیہ کا آدمی ہو بلکہ فرمایا کاتبٌ کوئی ایک لکھنے والا ہو۔ پس اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ کاتب کوئی غیر جانبدار ہونا چاہیئے کیونکہ وہ اگر جانب دار ہوگا تو ہوسکتا ہے کہ تحریر میں وہ کمی بیشی کر جائے۔ تو انصاف مہیّا کرنے کے لیے جو محنت کی گئی ہے وہ سب ضائع اور برباد ہو جائے گی

بقول شاعر: ہم دُعا لکھتے رہے اور وہ دغا پڑھتے رہے
ایک ہی نقطے نے محرم سے مجرم کر دیا

دوسری چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے مَنۡ کَتَمَ عِلۡمًا یَعۡلَمُهٗ اُلۡجِمَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ بِلِجَامٍ مِّنۡ نَّارٍ (ابن کثیر) جو شخص کسی علم کو چھپائے جسے وہ جانتا ہو تو قیامت کے دن اسکو لگام

ڈال دی جائے گی اور اس کی یہ سزا اس لیے ہو گی کہ اس کو اللہ تعالے نے علم کی یہ نعمت پھیلانے کے لیے دی تھی چھپانے کے لیے نہیں دی تھی اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ کاتب اور گواہ کو تکلیف نہ دی جائے اور اللہ تعالیٰ نے یہاں صیغہ مضارع مجہول کا ذکر فرمایا ہے اور تکلیف کا ذکر نہیں فرمایا کہ کون سی تکلیف نہ دی جائے۔

پس معلوم ہوا کہ عموم مقصد ہے کہ کسی بھی فریق کی طرف سے کاتب اور گواہ کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔ فریق عام ہے خواہ مدعی ہو یا مدعا علیہ ہو کسی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ کاتب یا گواہ پر کسی قسم کا دباؤ ڈالیں کہ اس طرح لکھنا ہے اور اس طرح نہیں لکھنا۔ یا اس طرح گواہی دینا ہے اور اس طرح نہیں دینا۔ نیز کاتب اور گواہ اگر معذور ہوں یا ان کے پاس وقت نہ ہو تو انہیں مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اور اسی طرح اگر کاتب اپنے وقت کی اجرت مانگے یا گواہ اپنی آمد و رفت کا خرچ مانگے یہ انکا حق ہے وہ یہ مانگ سکتے ہیں اور اگر کاتب کو سوائے اجرت کے اور گواہ کو سوائے آمد و رفت کے خرچ کے مجبور کیا جائے تو یہ ناجائز ہے۔ یہ تمام صورتیں وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ میں شامل ہیں۔

چوتھی چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی ایسا کریگا تو یہ اس کے لیے گناہ ہے اور پانچویں چیز کاتب اور گواہان کو جو لوگ تکلیف دیتے ہیں انہیں خدا خوفی کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ کاتب اور گواہان کو تکلیف دیتے ہیں خدا ان کے خلاف پوری طاقت کے ساتھ حرکت میں آتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے اور چھٹی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ پاکیزہ تعلیم دے رہے ہیں۔ کہ کاتب اور گواہان پر دباؤ ڈال

کہ عدل و انصاف کی راہ بند نہ کرنا اور ساتویں چیز یہ بیان فرمائی کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ خدا کو ہمارے جرائم کا علم نہیں ہے بلکہ وہ تو ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس سے تو کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔ خواہ وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔ تو پھر تمہارے جرائم اس سے چھپے ہوئے کیسے رہ سکتے ہیں۔ لہٰذا اس سے ڈرو اور عدل و انصاف کی راہ بند نہ کرو۔ اب یہ کاتب کی اجرت دینا اور گواہ کو خرچ دینا مدعی کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ نہ دے تو اس سے لے کر دینا حکومت کی ذمہ داری ہے اور اسی طرح اگر ان پر کوئی دباؤ ڈالے تو انہیں تحفظ فراہم کرنا بھی حکومت کا فریضہ ہے۔

مدعی اور مدعا علیہ عدالت میں قاضی کے سامنے بیٹھیں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْخَصْمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَاكِمِ۔

(رواہ احمد و ابو داؤد)

عبداللہ ابن زبیر نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم کے سامنے بیٹھیں۔

تشریح

اس حدیث سے تین باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ قاضی

مدعی اور مدعا علیہ میں سے کسی کے ساتھ عدالت میں امتیازی سلوک نہیں کر سکتا خواہ وہ قوم برادری یا خاندان یا عہدے کے لحاظ سے کتنا ہی بڑا یا بااثر کیوں نہ ہو یا قاضی کا رشتہ دار یا دشمن کیوں نہ ہو یا اسی طرح مدعی اور مدعا علیہ میں سے دونوں یا کوئی ایک غیر مسلم کیوں نہ ہو۔

دوسری چیز یہ معلوم ہوئی کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں بیٹھیں۔ ان دونوں کو یا ان کسی ایک کو کھڑا نہیں کرنا بلکہ بٹھانا ہے کیونکہ یہ مجرم نہیں ہیں بلکہ دونوں حق وانصاف طلب کرنے آئے ہیں جب تک کسی ایک کا جرم ثابت نہیں ہو جاتا کسی کو کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وہ دونوں حاکم کے سامنے بیٹھیں۔ حاکم کے ایک طرف یا پہلو میں نہ بیٹھیں اور یہ تینوں اصول اس لیے رکھے ہیں کہ ان کا اعزاز بھی ہو جائے اور قاضی کی غیر جانبداری بھی برقرار رہے۔

اچھی سفارش کا اجر اور بُری کا گناہ اور عدلیہ بے اثر ہو گی

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً	جو کوئی اچھی بات میں سفارش
حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ	کرے اسے بھی اس میں
نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ	سے ایک حصّہ ملے گا اور
يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً	جو کوئی بُری بات میں
يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ	سفارش کرے اس میں
مِّنْهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ	سے ایک بوجھ اس پر بھی

عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ۝ ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔
(سورۃ النساء آیت ۸۵)

تفسیر

اس آیت میں شفاعت یعنی سفارش کو اچھی اور بری دو قسموں میں تقسیم فرما کر اس کی حقیقت کو بھی واضح کر دیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ نہ ہر سفارش بری ہے اور نہ ہر سفارش اچھی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ اچھی سفارش کرنے والے کو ثواب کا حصہ ملے گا اور بری سفارش کرنے والے کو عذاب کا۔ آیت میں اچھی سفارش کے ساتھ نَصِیْبٌ کا لفظ آیا ہے اور بری سفارش کے ساتھ کِفْلٌ کا۔ اور لغت میں دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ یعنی کسی چیز کا ایک حصہ۔ لیکن عرف عام میں لفظ نَصِیْبٌ اچھے حصہ کے لیے بولا جاتا ہے اور لفظ کِفْلٌ اکثر برے حصہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں اچھے حصہ کے لیے بھی لفظ کِفْل استعمال ہوا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ ارشاد ہے۔ شفاعت کے لفظی معنی ملنے یا ملانے کے ہیں اسی وجہ سے لفظ شفعہ عربی زبان میں جوڑے کے معنی میں آتا ہے اور اس کے بالمقابل لفظ وتر یعنی طاق استعمال کیا جاتا ہے اس لیے شفاعت کے لفظی معنی یہ ہوئے کہ کسی کمزور طالب حق کے ساتھ اپنی قوت ملا کر اس کو قوی کر دیا جائے۔ یا بے کس اکیلے شخص کے ساتھ خود مل کر اس کو جوڑا بنا دیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جائز شفاعت و سفارش کے لیے ایک تو یہ

شرط یہ ہے کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا مطالبہ حق اور جائز ہو۔ اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو بوجہ کمزوری خود بڑے لوگوں تک نہ پہنچا سکتا ہو آپ پہنچا دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلاف حق سفارش کرنا یا دوسروں کو اس کے قبول پر مجبور کرنا شفاعت سیّئہ یعنی بُری سفارش ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سفارش میں اپنے تعلق یا وجاہت سے طریقہ دباؤ اور کا استعمال کیا جائے تو وہ بھی ظلم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں اس لیے وہ بھی شفاعت سیّئہ میں داخل ہے۔ اب خلاصہ مضمون آیت مذکورہ کا یہ ہو گا کہ جو شخص کسی شخص کے جائز حق اور جائز کام کے لیے جائز طریقہ پر سفارش کرے تو اس کو ثواب کا حصہ ملے گا اور اسی طرح جو کسی ناجائز کام کے لیے یا ناجائز طریقہ پر سفارش کرے تو اس کو عذاب کا حصہ ملے گا۔ حصہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص سے سفارش کی گئی ہے وہ جب اس مظلوم یا محروم کا کام کر دے تو جس طرح اس کام کرنے والے افسر کو ثواب ملے گا اسی طرح سفارش کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا۔ اسی طرح کسی ناجائز کام کی سفارش کرنے والا بھی گناہ گار ہو گا۔ اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ سفارش کرنے والے کا ثواب یا عذاب اس پر موقوف نہیں کہ اس کی سفارش مؤثر اور کامیاب بھی ہو بلکہ اس کو بہر حال اپنا حصہ ملے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ (رواہ البزار عن ابن مسعود و الطبرانی عنہ و عن سہل ابن سعد الہ مظہری) یعنی جو شخص کسی نیکی پر کسی کو آمادہ کر دے اس کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسا اس نیک عمل کرنے والے کو۔ اسی طرح ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ابوہریرۃ رض سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ

أَعَانَ عَلَىٰ قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ لَقِيَ اللّٰهَ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ اٰيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ (مظہری)

یعنی جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں ایک کلمہ سے بھی مدد کی تو وہ قیامت میں حق تعالیٰ کی پیشی میں اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی پیشانی پر یہ لکھا ہوا ہوگا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم و مایوس ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح نیکی پر کسی کو آمادہ کرنا نیک عمل اور برابر کا ثواب ملتا ہے اسی طرح بدی اور گناہ پر کسی کو آمادہ کرنا یا سہارا دینا بھی برابر کا گناہ ہے۔ آخر میں ارشاد فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝ لفظ مُقِیت کے معنی لغت کے اعتبار سے قادر و مقتدر کے بھی ہیں۔ اور حاضر و نگران کے بھی۔ اور روزی تقسیم کرنے والے کے بھی۔ اور اس جملہ میں تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ پہلے معنی کے اعتبار سے تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ عمل کرنے والے اور سفارش کرنے والے کی جزا یا سزا اس کے لیے دشوار نہیں اور دوسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران و حاضر ہے۔ اس کو سب معلوم ہے کہ کون کس نیت سے سفارش کر رہا ہے۔ محض لوجہ اللہ کسی بھائی کی امداد کرنا مقصود ہے یا کوئی اپنی غرض بطور رشوت کے اس سے حاصل کرنا ہے اور تیسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ رزق و روزی کی تقسیم کا تو اللہ تعالیٰ خود کفیل ہے جتنا کسی کے لیے لکھ دیا ہے وہ اس کو مل کر رہے گا۔ کسی کی سفارش کرنے سے وہ مجبور نہیں ہو جائے گا۔ بلکہ جس کو جتنی چاہے روزی عطا فرمائے گا البتہ سفارش کرنے والے کو مفت میں ثواب مل جاتا ہے کہ وہ ایک کمزور کی اعانت کرتا ہے۔

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کَانَ اللّٰہُ فِی عَوْنِ عَبْدِہٖ مَادَامَ فِی عَوْنِ اَخِیْہِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندہ کی امداد میں لگا رہتا ہے جب تک وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی امداد میں لگا رہے۔ اسی بنا پر صحیح بخاری کی ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِشْفَعُوْا فَلْتُؤْجَرُوْا وَیَقْضِی اللّٰہُ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّہٖ مَا شَاءَ۔ یعنی تم سفارش کیا کرو تمہیں ثواب ملے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے ذریعہ جو فیصلہ فرمائیں اس پر راضی رہو۔ اس حدیث میں جہاں سفارش کا موجب ثواب ہونا بیان فرمایا ہے وہاں یہ بھی بتلا دیا کہ سفارش کی حد بھی یہ ہے کہ کمزور آدمی جو خود اپنی بات کسی بڑے تک پہنچانے اور اپنی حاجت صحیح طور پر بیان کرنے پر قادر نہ ہو تم اس کی بات وہاں تک پہنچا دو۔ آگے وہ سفارش مانے یا نہ مانے۔ اور اس شخص کا مطلوبہ کام پورا ہو یا نہ ہو اس میں آپ کا کوئی دخل نہ ہونا چاہیئے اور اس کے خلاف ہونے کی صورت میں آپ پر کوئی ناگواری نہ ہونا چاہیئے۔ حدیث کے آخری جملہ میں وَیَقْضِی اللّٰہُ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّہٖ مَاشَاءَ کا یہی مطلب ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ سفارش کا ثواب یا عذاب اس پر موقوف نہیں کہ وہ سفارش کامیاب ہو بلکہ اس ثواب وعذاب کا تعلق مطلق سفارش کر دینے سے ہے۔ آپ نے شفاعت حسنہ کر دی تو ثواب کے مستحق ہو گئے اور شفاعت سیئہ کر دی تو عذاب کے مستوجب بن گئے۔ خواہ آپ کی سفارش پر عمل ہو یا نہ ہو۔ تفسیر بحر محیط اور بیان القرآن وغیرہ میں مَنْ یَّشْفَعْ میں لفظ مِنْھَا سببیہ قرار دے کر اس کی طرف اشارہ بتلایا ہے اور تفسیر مظہری میں

امام تفسیر مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ سفارش کرنے والے کو سفارش کا ثواب ملے گا۔ اگرچہ اس کی سفارش قبول نہ کی گئی ہو۔ اور یہ بات صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کسی دوسرے انسان کے پاس جو سفارش کی جائے اسکا بھی یہی اصول ہونا چاہیئے کہ سفارش کرنے آدمی فارغ ہو جائے اس کے قبول کرنے پر مجبور نہ کرے۔ جیساکہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ کی آزاد کردہ کنیز سے یہ سفارش فرمائی کہ اس نے جو اپنے شوہر مغیث سے طلاق حاصل کرلی ہے اور وہ اسکی محبت میں پریشان پھرتے ہیں دوبارہ انہی سے نکاح کرلے۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کا حکم ہے تو سر آنکھوں پہ اور اگر سفارش ہے تو میری طبیعت اس پر بالکل آمادہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکم نہیں سفارش ہے۔ بریرہؓ جانتی تھی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف اصول ناگواری نہ ہوگی۔ اس لیے صاف عرض کردیا کہ پھر میں یہ سفارش قبول نہیں کرتی۔ آپ نے خوش دلی کے ساتھ ان کو ان کے حال پر رہنے دیا۔ یہ تھی حقیقت سفارش کی جو شرعاً باعث اجر وثواب تھی۔ آج کل لوگوں نے جو اس کا حلیہ بگاڑا ہے۔ وہ درحقیقت سفارش نہیں ہوتی بلکہ تعلقات یا وجاہت کا اثر اور دباؤ ڈالنا ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگر سفارش نہ مانی جائے تو ناراض ہوتے ہیں بلکہ دشمنی پہ آمادہ ہو جاتے ہیں حالانکہ کسی ایسے شخص پہ ایسا دباؤ ڈالنا کہ وہ ضمیر اور مرضی کے خلاف کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اکراہ و اجبار میں داخل اور سخت گناہ ہے اور ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی کے مال یا کسی کے حق پر زبردستی قبضہ کرے وہ شخص شرعاً اور قانوناً آزاد خود مختار تھا۔ آپ نے اس کو مجبور کر کے اسکی آزادی

سلب کرلی۔ اس کی مثال تو ایسی ہوگی کہ کسی محتاج کی حاجت پوری کرنے کے لیے کسی دوسرے کا مال چرا کر اسے دے دیا جائے۔

سفارشات پر کچھ معاوضہ لینا رشوت ہے

جس سفارش پر کوئی معاوضہ لیا جائے وہ رشوت ہے۔ حدیث میں اس کو سحت اور حرام فرمایا ہے اس میں ہر طرح کی رشوت داخل ہے خواہ مال ہو یا یہ کہ اس کا کام کرنے کے عوض اپنا کوئی کام اس سے لیا جائے۔ تفسیر کشاف وغیرہ میں ہے کہ شفاعت حسنہ وہ ہے جسکا منشا کسی مسلمان کے حق کو پورا کرنا ہو یا اس کو کوئی جائز نفع پہنچانا یا مضرت اور نقصان سے بچانا ہو اور یہ سفارش کا کام بھی کسی دنیوی جوڑ توڑ کے لیے نہ ہو بلکہ محض اللہ کے لیے کمزور کی رعایت مقصود ہو اور اس سفارش پر کوئی رشوت مالی یا جانی نہ لی جائے اور یہ سفارش کسی ناجائز کام میں نہ ہو نیز یہ سفارش کسی ایسے ثابت شدہ جرم کی معافی کے لیے نہ بھی ہو جس کی سزا قرآن میں متعین ومقرر ہے۔ تفسیر بحر محیط ومظہری وغیرہ میں ہے کہ کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی شفاعت حسنہ میں داخل ہے اور دعا کرنے والے کو بھی اجر ملے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے۔ وَ لَكَ بِمِثْلٍ یعنی اللہ تعالیٰ تیری بھی حاجت پوری فرمائیں۔

(معارف القرآن تالیف مفتی محمد شفیع)

حدود میں سفارش کرنا اور قبول کرنا جائز نہیں

عَنْ عَائِشَةَ اِنَّ قُرَيْشًا اَهَمَّهُمْ شَاْنُ الْمَرْاَةِ الْمَخْزُوْمِيَّةِ الَّتِيْ سَرَقَتْ فَقَالُوْا مَنْ يُكَلِّمُ فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ اِلَّا اُسَامَةُ ابْنِ زَيْدٍ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ اُسَامَةُ فَقَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ قریش (صحابہؓ) کو ایک مخزومی عورت کی وجہ سے فکر لاحق ہوئی جس نے چوری کی تھی۔ تو انہوں نے کہا کون بات کر سکتا ہے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کہا کہ اسامہ بن زید کے سوا یہ جرأت کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں پس اسامہ نے آپ سے بات کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک حد میں اللہ کی حدوں میں سے سفارش کرتے ہو۔

قَالَ اِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَاِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَاَيْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَيْهَا ـ

(متفق علیہ)

پھر آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کو اسی چیز نے ہلاک کیا کہ جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا تھا تو اُس کو چھوڑ لیتے تھے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے اللہ کی قسم اگر فاطمہ محمدؐ کی بیٹی چوری کرے تو اس کا ہاتھ بھی کاٹوں گا ـ

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَتْ كَانَتْ اِمْرَاَةٌ مَخْزُوْمِيَّةٌ تَسْتَعِيْرُ الْمَتَاعَ وَتَجْحَدُهُ فَاَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَطْعِ يَدِهَا فَاَتٰى اَهْلُهَا اُسَامَةَ فَكَلَّمُوْهُ فَكَلَّمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ

اور مسلم کی روایت میں ہے عائشہ رضؓ نے کہا کہ ایک عورت تھی مخزومی جو لوگوں سے سامان مانگ کر لیتی پھر انکار کر دیتی تھی ـ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو اسکے رشتہ داروں نے آکر اسامہ سے سفارش

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا شَيْءٌ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِ مَا تَقَدَّمَ۔

کی بات کی تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں بات کی۔ پھر مسلم نے پہلے کی طرح حدیث نقل کی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ وَمَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ وَمَنْ قَالَ فِي مُؤْمِنٍ مَا لَيْسَ فِيْهِ

عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جس کی سفارش اللہ کی حدوں میں سے کسی حد کے سامنے حائل ہو تو اس نے اللہ سے ضد کی اور جس نے دیدہ و دانستہ کسی باطل میں جھگڑا کیا تو وہ ہمیشہ اللہ کے غصہ میں رہے گا جب تک کہ اس سے نکلے نہ اور جس نے کسی مؤمن کے بارے میں وہ بات کہی

اَسْكَنَهُ اللّٰهُ	جو اس میں نہیں ہے تو
فِیْ رَدْغَةِ الْخَبَالِ	اللہ تعالیٰ اسے پیپ اور
حَتّٰی یَخْرُجَ	خون کے کیچڑ میں ٹھہرائیں
مِمَّا قَالَ ۔	گے جب تک کہ اس سے
(احمد و ابو داؤد)	نکلے نہ جو بات اس نے کہی ہے

تشریح

یہاں اس بحث میں تین روایات ہیں پہلی تو بخاری اور مسلم کی اتفاقی ہے اور دوسری صرف مسلم کی روایت ہے ۔ ان دونوں حدیثوں کی ناقلہ حضرت عائشہ رضؓ ہیں ۔ اور تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے۔ پہلی دونوں حدیثوں کا مقصد یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مخزومی خاندان کی ایک عورت نے چوری کی اور اس عورت کی یہ عادت بھی تھی کہ لوگوں سے سامان مانگ کر لیتی تھی ، پھر منکر ہو جاتی تھی ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو اس کی برادری کے لوگوں نے اس کی یہ شرعی سزا معاف کرانے کے لیے اسامہ بن زید کو سفارشی بنایا اور اس نے اس عورت کی آپ کے دربار میں سفارش کی ۔ تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سفارش نہ مانی اور اس ناجائز سفارش کرنے پر حضرت اسامہ رضؓ کو ڈانٹا اور فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد میں سفارش کرتے ہو اور پھر اس کے بعد کھڑے ہو کر ایک خطبہ عام دیا اور فرمایا کہ پہلی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ ان میں سے اگر کوئی شریف یا قوم کا بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسکو معاف

کر دیتے تھے اور اگر کوئی کمزور چوری کرتا تھا تو ان پر حد نافذ کرتے تھے اور فرمایا کہ اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹوں گا۔

پس خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرعی حد میں سفارش قبول نہیں فرمائی اور ان سفارش کرنے والوں کو ڈانٹا تو معلوم ہوا کہ شرعی حدود میں سفارش کرنا اور قبول کرنا ناجائز ہے۔

تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے اس میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ جس کی سفارش اللہ کی حدود میں سے کسی حد میں حائل ہو جائے یعنی حاکم وقت اس کی سفارش کی وجہ سے حد معاف کر دے تو اس میں سفارش کرنے والے نے اللہ کی مخالفت کی ہے۔ شریعت میں چار جرائم کی سزا کو حدود اللہ کہتے ہیں۔ زنا، تہمت زنا، چوری اور شراب نوشی اس کے ماسوا سزاؤں کو تعزیرات کہتے ہیں۔ حدود اللہ مقرر ہیں ان کی تفصیلات کچھ تو خلاصہ تفسیر جلد خامس میں بیان ہو چکی ہیں اور کچھ جلد سادس میں بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ عوام حدود اللہ کا قضیہ حاکم وقت کے پاس جانے سے پہلے پہلے معاف کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ قضیہ حاکم وقت کے پاس جانے کے بعد حکومت اس کو معاف نہیں کر سکتی اور اس سزا میں تبدیلی بھی نہیں کر سکتی اور پھر اس میں سفارش کرنا کرانا اور قبول کرنا بھی ناجائز ہے اور تعزیرات حاکم وقت کی صوابدید پر موقوف ہیں حاکم وقت انہیں معاف بھی کر سکتا ہے اور جو مناسب سمجھے وہ سزا بھی دے سکتا ہے۔ دوسری چیز اس حدیث میں یہ بیان فرمائی کہ جو شخص جان بوجھ کر ناجائز کام میں جھگڑا کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں ہاں اگر توبہ کرے تو معاف کر دیتا ہے تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ جو آدمی کسی مومن پر تہمت زنا لگائے تو اس کو

اللہ تعالیٰ خون اور پیپ کے کیچڑ میں ٹھہرائیں گے۔ ہاں اگر توبہ کرے تو اس کو بھی معافی ہو جاتی ہے۔

تقرر وکیل اسکے فرائض اور اسکا حق الخدمت

وَ قَالَ مُوسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ۔ ○	اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میری قوم میں میرا جانشین رہ اور اصلاح کرتے رہو اور مفسدوں کی راہ پر مت چل۔
(سورۃ الاعراف آیت ۱۴۲)	
فَاِنْ کَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ	پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے وقوف ہے یا کمزور ہے یا وہ بتلا نہیں سکتا تو اس کا کارکن ٹھیک طور پر لکھوا دے۔
(سورۃ البقرہ آیت ۲۸۲)	
وَلَا تَاْکُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ یَّکْبَرُوْا وَمَنْ کَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ وَمَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ	اور انصاف سے تجاوز کر کے یتیموں کا مال نہ کھاؤ اور ان کے بڑے ہونے کے ڈر سے اُن کا مال جلدی نہ کھاؤ اور جسے ضرورت نہ

بِالْمَعْرُوْفِ ط (سورۃ النساء آیت ۶) ہو وہ تو یتیم کے مال سے بچے اور جو حاجت مند ہو تو مناسب مقدار کھا لے۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں تین آیات نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ الاعراف کی ہے اور دوسری سورۃ البقرہ کی آیت کا ایک جملہ ہے اور تیسری سورۃ النساء کی آیت کے تین جملے ہیں۔ سورۃ الاعراف کی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک عملی نمونہ بیان فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنایا اور انہیں دو چیزوں کی ہدایت فرمائی۔ ایک یہ ہے کہ قوم کی اصلاح کرنا اور دوسری چیز یہ ہے کہ فسادیوں کے راستہ پر نہ چلنا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا خلیفہ مقرر کیا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور مرضی سے ہی تو مقرر کیا ہوگا کیونکہ پیغمبر اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔

پس معلوم ہوا کہ جو کام انسان خود نہ کر سکے تو وہ دوسرے سے کرا سکتا ہے اور یہ انسان کی حوائج ضروریہ میں سے ہے کیونکہ کبھی انسان معذور ہوتا ہے اور اعذار اور عوارض بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ اگر وکالت کا سلسلہ نہ ہو تو نظام ٹھپ ہو جائے گا۔ اس لیے شریعت نے ان عوارضات کے پیش نظر وکالت اور نمائندگی کی اجازت دی ہے اور اب وکیل کی ذمہ داریاں کیا ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑے مختصر دو جملوں میں ان کو بیان فرمایا ہے۔ ایک یہ ہے کہ متقدور بھر مفوضہ امور

کی اصلاح کرنا اور اس سے آگے ان کی اصلاح ہونا یا نہ ہونا یہ اسکی ذمہ داری نہیں ہے اور دوسرے جملے میں فرمایا ہے کہ فسادیوں کے راستے کی اتباع نہ کرنا۔ یعنی مفوضہ امور کو خود خراب نہ کرنا یعنی ایسا نہ ہو کہ وکیل مؤکّل کی مرضی کے خلاف فریق مخالف سے مل جائے

اس کے بعد سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۲ کا ایک جملہ ہے اس میں یہ فرمایا ہے کہ ادھار کا معاملہ آدمی خود نہ لکھ سکے تو اس کا ولی لکھے۔ اور مفسّرین نے لکھا ہے کہ ولی عام ہے خواہ اس کا وارث ہو یا غیر وارث ہو۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ وکالت اور نمائندگی جائز ہے اور اس کے بعد سورۃ النساء کے جملوں میں یتیموں کے اولیاء کو تین ہدایات فرمائی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ یتیم کا مال اسراف سے اور ان کے بڑے ہونے کے ڈر سے جلدی جلدی نہ کھاؤ۔ دوسری ہدایت یہ ہے کہ غنی اولیاء کو یتیم کا مال بالکل ہی نہیں کھانا چاہیئے۔ اور تیسری ہدایت یہ ہے کہ تنگ دست اولیاء یتیم کے مال کو بقدر حاجت کھا سکتے ہیں۔ اور یہ اولیاء بھی عام ہیں خواہ اس یتیم کے اپنے حقیقی وارث ہوں یا حکومت کے مقرر کردہ ہوں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء یتیم بقدر حاجت یتیم کے مال میں سے کھا سکتے ہیں تو عام معاملات میں وکلاء بھی بقدر حاجت حق خدمت لے سکتے ہیں کیونکہ جس طرح وکیل بامر مجبوری پکڑا جا رہا ہے اسی طرح اس وکیل کی ضروریات بھی مؤکل نے بامر مجبوری بقدر حاجت اسے ادا کرنا ہے اور یہ اس وکیل کا حق خدمت ہے۔

اب ذیل میں وکالت کی تائید میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونے پیش کئے جائیں گے کہ آپ کی بھی عادت مبارکہ یہی تھی کہ جب کبھی مدینہ سے باہر جانا ہوتا تو کسی شخص کو اپنا خلیفہ بنا کر جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ کو

اپنا جانشین بنایا تھا اور ایک دفعہ حضرت عبداللہؓ بن ام کلثوم کو اور کبھی کسی اور صحابی کو مقرر کرتے تھے۔ اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا جانور خریدنے کے لیے وکیل بنایا تھا۔ اور حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ نکاح کے سلسلہ میں عمر بن ام سلمہ کو وکیل بنایا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ وکالت جائز ہے اور وکالت کے بقیہ مسائل کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔

میاں بیوی کا اختلاف رفع کرنے کا طریقہ

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۔

(سورۃ النساء آیت ۳۵)

اور اگر تمہیں کہیں میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ اگر یہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں میں موافقت کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔

تفسیر

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں میاں بیوی کے درمیان اگر نزاع او

جھگڑا پیدا ہو جائے تو اُسے رفع کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ وہ یہ کہ اربابِ حکومت یا فریقین کے اولیاء یا مسلمانوں کی کوئی مقتدر جماعت یہ کام کرے کہ ان کے آپس میں مصالحت کرانے کے لیے دو حَکَم مقرر کریں۔ ایک مرد کے خاندان سے دوسرا عورت کے خاندان سے۔ اور ان دونوں جگہ لفظ حَکَم تعبیر کر کے قرآن کریم نے ان دونوں شخصوں کے ضروری اوصاف کو بھی متعین کر دیا کہ ان دونوں میں جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہو۔ اور یہ صلاحیت ظاہر ہے کہ اس شخص میں ہو سکتی ہے جو ذی علم بھی ہو اور دیانت دار بھی ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک حَکَم مرد کے خاندان کا ہو اور ایک عورت کے خاندان کا مقرر کر کے دونوں میاں بیوی کے پاس بھیجے جائیں۔ اب وہاں جا کر یہ دونوں کیا کام کریں اور ان کے اختیارات کیا ہیں۔ قرآن کریم نے ان کو متعین نہیں فرمایا۔ البتہ آخر میں ایک جملہ ارشاد فرمایا :- اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیۡنَہُمَا یعنی اگر یہ دونوں حَکَم اصلاحِ حال اور باہمی مصالحت کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے کام میں امداد فرماویں گے اور میاں بیوی میں اتفاق پیدا کر دیں گے۔ اس جملہ سے دو باتیں مفہوم ہوئی ہیں۔ اول تو یہ کہ مصالحت کرانے والے دونوں حَکَم اگر نیک نیت ہوں اور دل سے چاہیں کہ ان کی باہم صلح ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی غیبی امداد ہو گی۔ کہ یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے اور ان کے ذریعہ دونوں میاں بیوی کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اتفاق اور محبت پیدا فرمادیں گے۔ اس کے نتیجہ سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جہاں باہمی مصالحت نہیں ہو پاتی تو دونوں حَکَمین میں سے کسی جانب اخلاص کے ساتھ صلح جوئی

میں کمی ہوتی ہے دوسری بات اس جملہ سے یہ بھی سمجھی جاتی ہے کہ ان دونوں حکمین کے بھیجنے کا مقصد میاں بیوی میں صلح کرانا ہے اس سے زیادہ کوئی کام حکمین کے بھیجنے کے مقصد میں شامل نہیں ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ فریقین رضامند ہوکر انہیں دو حکموں کو اپنا وکیل مختار یا ثالث بنا دیں۔ اور یہ تسلیم کرلیں کہ دونوں مل کر جو فیصلہ بھی ہمارے حق میں دوگے ہمیں منظور ہوگا ۔ اس صورت میں یہ دونوں حکم کلی طور پر ان کے معاملہ کے فیصلہ میں مختار ہوجائیں گے۔ دونوں طلاق پر متفق ہوجائیں تو طلاق ہوجائے گی۔ دونوں مل کر خلعہ وغیرہ کی کوئی صورت طے کر دیں تو وہی فریقین مرد کی جانب سے دیئے ہوئے اختیار کی بنا پر۔ عورت کو طلاق دے دیں تو فریقین کو ماننا پڑیگا سلف میں حسن بصریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی یہی تحقیق ہے (روح المعانی وغیرہ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا ۔ اس میں بھی اس کی شہادت موجود ہے کہ ان دونوں حکموں کو از خود کوئی اختیار نہیں ہے بجز صلح کرانے کے ۔ جب تک فریقین اُن کو کلی اختیار نہ دیدیں ۔ یہ واقعہ سنن بیہقی میں بروایت عبیدہ سلمان اسی طرح مذکور ہے ۔ ایک مرد اور ایک عورت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اوران دونوں کے ساتھ بہت سی جماعتیں تھیں ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم دیا کہ ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک عورت کے خاندان سے مقرر کریں جب یہ حکم تجویز کر دیئے گئے تو ان دونوں سے خطاب فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ تمہاری ذمہ داری کیا ہے اور تمہیں کیا کرنا ہے ۔ سن لو اگر تم دونوں ان میاں بیوی کو یکجا رکھنے اور باہم مصالحت کرا دینے پر متفق ہو جاؤ ۔ تو ایسا ہی کر لو ۔ اور اگر تم یہ سمجھو کہ ان میں مصالحت نہیں ہو سکتی یا قائم نہیں رہ سکتی ۔ اور تم دونوں

کا اس پر اتفاق ہو جائے کہ ان میں جدائی ہی مصلحت ہے تو ایسا ہی کر لو۔ یہ سن کر عورت بولی کہ مجھے یہ منظور ہے یہ دونوں حَکَم قانونِ الٰہی کے موافق جو فیصلہ کر دیں خواہ میری مرضی کے مطابق ہو یا خلاف ہو مجھے منظور ہے۔ لیکن مرد نے کہا کہ جدائی اور طلاق تو میں کسی حال میں گوارا نہ کرونگا۔ البتہ حَکَم کو یہ اختیار دیتا ہوں کہ مجھ پر مال تاوان جو چاہیں ڈال کر اس کو راضی کر دیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نہیں تمہیں بھی ان حَکَمَین کو ایسا ہی اختیار دینا چاہیئے جیسا عورت نے دیا ہے۔ اس واقعہ سے بعض ائمہ مجتہدین نے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ ان حَکَمَین کا با اختیار ہونا ضروری ہے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فریقین سے کہہ کر ان کو با اختیار بنوایا اور امام اعظم، ابو حنیفہ رح اور حضرت حسن بصری رح نے یہ قرار دیا کہ اگر ان حکمین کا با اختیار ہونا امر شرعی اور ضروری ہوتا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد اور فریقین سے رضامندی حاصل کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ فریقین کو راضی کرنے کی کوشش خود اس کی دلیل ہے کہ اصل سے یہ حکمین با اختیار نہیں ہوتے۔ ہاں میاں بیوی ان کو با اختیار بنا دیں تو با اختیار ہو جاتے ہیں۔

دوسرے نزاعات میں بھی

حَکَم کے ذریعہ مصالحت کرائی جائے

قرآن کریم کی اس تعلیم سے لوگوں کے باہمی جھگڑوں اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کے متعلق ایک نئے باب کا نہایت مفید اضافہ ہوا جس کے ذریعہ عدالت و حکومت تک پہنچنے سے پہلے ہی بہت سے مقدمات

اور جھگڑوں کا فیصلہ برادریوں کی پنچایت میں ہو سکتا ہے۔ حضرات فقہاء نے فرمایا ہے کہ باہم صلح کرانے کے لیے دو حکموں کے بھیجنے کی یہ تجویز صرف میاں بیوی کے جھگڑوں میں محدود نہیں۔ بلکہ دوسرے نزاعات میں بھی اس سے کام لیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ جھگڑنے والے آپس میں عزیز رشتہ دار ہوں۔ کیونکہ عدالتی فیصلوں سے وقتی جھگڑا تو ختم ہو جاتا ہے مگر وہ فیصلے دلوں میں کدورت و عداوت کے جراثیم چھوڑ جاتے ہیں جو بعد میں نہایت ناگوار شکلوں میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے قاضیوں کے لیے یہ فرمان جاری فرما دیا تھا کہ رُدُّوا القُضَاةَ بَيْنَ ذَوِي الأَرْحَامِ حَتّٰى يَصْطَلِحُوا فَإِنَّ فَصْلَ القَضَاءِ يُوْرِثُ الضَّغَائِنَ رشتہ داروں کے مقدمات کو انہیں میں واپس کرو تاکہ وہ خود برادری کی امداد سے آپس میں صلح کی صورت نکال لیں کیونکہ قاضی کا فیصلہ دلوں میں کینہ و عداوت پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ فقہاء حنفیہ میں سے قاضی قدس علاؤالدین طرابلسی نے اپنی کتاب معین الاحکام میں اور ابن شحنہ نے لسان الحکام میں اس فرمان فاروقی کو ایسے پنچایتی فیصلوں کی بنیاد بنایا ہے جس کے ذریعہ فریقین کی رضامندی سے صلح کی کوئی صورت نکالی جائے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اگرچہ فاروقی فرمان میں یہ حکم رشتہ داروں کے باہمی جھگڑوں سے متعلق ہے مگر اس کی جو علت و حکمت اسی فرمان میں مذکور ہے کہ عدالتی فیصلے دلوں میں کدورت پیدا کر دیا کرتے ہیں۔ یہ حکمت رشتہ دار اور غیر رشتہ دار میں عام ہے۔ کیونکہ باہمی کدورت اور عداوت سے سب ہی مسلمانوں کو بچانا ہے اس لیے حکام اور قضاۃ کے لیے مناسب یہ ہے کہ مقدمات

کی سماعت سے پہلے اس کی کوشش کرلیں کہ کسی صورت سے ان کے آپس میں رضامندی کے ساتھ مصالحت ہو جائے۔ غرض اس آیت میں انسان کی خانگی اور عائلی زندگی کا ایک جامع اور مکمل نظام ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر اس پر پورا عمل ہو جائے تو دنیا کے اکثر جھگڑے اور جنگ وجدال مٹ جائیں۔ مرد اور عورتیں سب مطمئن ہو کر اپنی خانگی زندگی کو ایک جنت کی زندگی محسوس کرنے لگیں اور خانگی جھگڑوں سے جو قبائلی اور جماعتی اور ملکی جھگڑے اور جنگیں کھڑی ہو جاتی ہیں ان سب سے امن ہو جائے۔ آخر میں پھر اس عجیب و غریب قرآنی نظام محکم پر ایک اجمالی نظر ڈالیے جو اس نے گھریلو جھگڑوں کے ختم کرنے کے لیے دنیا کو دیا ہے۔

(۱) گھر کا جھگڑا گھر ہی میں تدریجی تدبیروں کے ساتھ چکا دیا جائے۔

(۲) یہ صورت ممکن نہ رہے تو حکام یا برادری کے لوگ دو حکموں کے ذریعہ ان میں مصالحت کرا دیں تاکہ گھر میں نہیں تو خاندان ہی کے اندر محدود رہ کر جھگڑا ختم ہو سکے۔

(۳) یہ بھی جب ممکن نہ رہے تو آخر میں معاملہ عدالت تک پہنچے۔ وہ دونوں کے حالات و معاملات کی تحقیق کر کے عادلانہ فیصلہ کرے۔ آخر میں اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا فرما کر دونوں حکموں کو بھی متنبہ فرما دیا کہ تم کوئی بے انصافی یا کج روی کرو گے تو تمہیں بھی ایک علیم و خبیر سے سابقہ پڑتا ہے اس کو سامنے رکھو۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع)

عنداللہ مؤمن کی شان اور عظمت

اصلی مقصد قانون قصاص بیان کرنا ہے لیکن جب تک مؤمن کی شان اور عظمت واضح نہیں ہو گی قانون قصاص کی عادلانہ حیثیت واضح نہیں ہو سکتی۔ اس لیے پہلے مؤمن کی شان اور عظمت بیان ہو گی اور پھر قانون قصاص بیان کیا جائے گا۔ واللہ الموفق والمعین۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ
اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً	اللہ پاک نے کلمہ پاک کی
طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ	ایک مثال بیان کی ہے
طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا	گویا وہ ایک پاک درخت
ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي	ہے کہ جس کی جڑ مضبوط
السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْ	ہے اور اس کی شاخ آسمان
اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ	میں ہے وہ اپنے ربّ
بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ	کے حکم سے ہر وقت اپنا
وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ	پھل لاتا ہے اور اللہ
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ	لوگوں کے واسطے اپنی
يَتَذَكَّرُوْنَ ۝	مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ
	وہ نصیحت حاصل کریں۔

سورۃ ابراہیم آیت ۲۴، ۲۵)

تفسیر

مسند احمد میں بروایت مجاہدؒ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ

ایک روز ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کوئی صاحب آپ کے پاس کھجور کے درخت کا گودہ لایا۔ اس وقت آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے ایک سوال کیا کہ درختوں میں ایسا درخت بھی ہے جو مردِ مؤمن کی مثال ہے اور بخاری کی روایت میں اس جگہ یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس درخت کے پتے کسی موسم میں جھڑتے نہیں) بتلاؤ وہ درخت کونسا ہے؟ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں وہ کھجور کا درخت ہے مگر مجلس میں ابوبکرؓ عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ موجود تھے۔ اُن کو خاموش دیکھ کر مجھے بولنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ پھر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ مؤمن کی مثال اس درخت سے دینے کی ایک وجہ یہ ہے کہ کلمہ طیّبہ میں ایمان اس کی جڑ ہے۔ جو بہت مستحکم اور مضبوط ہے۔ دنیا کے حوادث اس کو ہلا نہیں سکتے۔ مؤمنین کاملین صحابہ و تابعین بلکہ ہر زمانے کے مسلمانوں کی ایسی مثالیں کچھ کم نہیں کہ ایمان کے مقابلہ میں نہ جان کی پروا کی نہ مال کی اور نہ کسی دوسری چیز کا۔

دوسری وجہ ان کی طہارت و نظافت ہے کہ دنیا کی گندگیوں سے متاثر نہیں ہوتے۔ جیسے بڑے درخت پر سطحِ زمین کی گندگی کا کوئی اثر نہیں ہوتا یہ دو وصف تو اَصْلُهَا ثَابِتٌ کی مثال ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح کھجور کے درخت کی شاخیں بلند آسمان کی طرف ہوتی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں پاکیزہ کلمات۔ مطلب یہ ہے کہ مومن جو اللہ تعالیٰ کا ذکر، تسبیح تہلیل، قراءۃ قرآن وغیرہ کرتا ہے۔ یہ صبح شام اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتے رہتے ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ جس طرح کھجور کا پھل ہر وقت ہر حال اور ہر موسم میں

لیل و نہار کھایا جاتا ہے۔ مؤمن کے اعمال صالح بھی ہر وقت ہر موسم اور ہر حال میں صبح و شام جاری ہیں اور جس طرح کھجور کے درخت کی ہر چیز کار آمد ہے۔ مومن کا ہر قول و فعل اور حرکت و سکون اور اس سے پیدا ہونے والے آثار پوری دُنیا کے لیے نافع و مفید ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ مومن کامل اور تعلیمات خدا اور رسول کا پابند ہو۔ مذکورہ تقریر سے معلوم ہوا کہ تُؤْتِیْ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍ میں اُکُل سے مراد پھل اور کھانے کے لائق چیزیں اور حین سے مراد ہر وقت ہر حال ہے۔ اکثر مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے (معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا	بے شک جو لوگ اہل
مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ	کتاب میں سے منکر ہوئے
وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ	اور مشرکین وہ دوزخ کی
جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ	آگ میں ہوں گے۔ اس
اُولٰٓئِکَ هُمْ شَرُّ	میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی
الْبَرِیَّةِ ۝ اِنَّ	لوگ بدترین مخلوقات ہیں
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	بے شک جو لوگ ایمان
الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ هُمْ	لائے اور نیک کام کئے
خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۝	یہی لوگ بہترین مخلوقات
(سورۃ البینہ آیت ۶-۷)	ہیں۔

تفسیر

اس سے پہلے سورۃ ابراہیم کی آیت ۲۴-۲۵ میں مومن کو شجرہ طیبہ

(کھجور کا درخت) کے ساتھ جو تشبیہ دی گئی ہے اس کا بیان ہے اور اب سورۃ بیّنہ کی آیت ۶ میں کفار کو ساری مخلوقات سے برا اور آیت ۷ میں ایماندار کو ساری مخلوقات سے بہتر فرمایا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کافر شر والے کام کرتا ہے اس لیے وہ ساری مخلوقات سے بُرا ہے اور ایمان دار خیر والے کام کرتا ہے اس لیے وہ ساری مخلوقات سے بہتر ہے۔ اس کی مزید تفصیلات آنے والی احادیث میں ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ عَمْرِو ابْنِ الْاَحْوَصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَيُّ يَوْمٍ هٰذَا۔ قَالُوْا يَوْمُ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ قَالَ فَاِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ عَلٰى نَفْسِهٖ اَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ عَلٰى وَلَدِهٖ	عمر ابن احوص نے فرمایا کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ یہ کونسا دن ہے انہوں نے کہا بڑے حج کا آپ نے فرمایا تمہارا خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں آپس میں آپس میں اس طرح محترم ہیں جیسا کہ تمہارے اس دن کا احترام تمہارے اس شہر میں۔ خبردار کوئی اپنی جان پر زیادتی نہ کرے خبردار کوئی اپنے بچے پر اور کوئی

وَ لَا مَوْلُوْدٌ عَلٰی	بچہ اپنے باپ پر زیادتی
وَالِدِہٖ اَلَا وَاِنَّ	نہ کرے۔ خبردار شیطان
الشَّیْطَانَ قَدْ اَیِسَ	ہمیشہ اس بات سے ناامید
اَنْ یُّعْبَدَ فِیْ بَلَدِکُمْ	ہو چکا ہے کہ تمہارے اس
ھٰذَا اَبَدًا لٰکِنْ سَتَکُوْنُ	شہر میں اس کی بندگی کی
لَہٗ طَاعَۃٌ فِیْمَا	جائے لیکن اس صورت میں
تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ	اس کی اطاعت ہوگی کہ تم
اَعْمَالِکُمْ فَسَیَرْضٰی بِہٖ	اعمال کو حقیر جانو گے تو وہ
(ابن ماجہ ، ترمذی)	اس پر راضی ہو جائے گا۔

تشریح

اس سے پہلے سورۃ ابراہیم کی آیت ۲۴ اور ۲۵ میں ایک مومن کو کلمہ طیبہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی تھی جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے اور سورۃ بیّنہ میں کفار کو سب سے برا اور ایمان دار کو سب سے بہتر فرمایا ہے۔ اور اب اس حدیث میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کی جان، مال اور عزت ایسی ہی محترم ہے جیسا مکہ مکرمہ، ماہ ذوالحجہ اور ذوالحجہ کی دسویں تاریخ۔ یعنی جس طرح ان تین چیزوں کو تم سارے محترم اور واجب التعظیم سمجھتے ہو اسی طرح آپس میں ایک دوسرے کا خون مال اور عزت کو بھی محترم اور واجب التعظیم سمجھو۔ اور اس کے بعد احترام کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ اَلَا لَا یَجْنِیْ جَانٍ عَلٰی نَفْسِہٖ

یعنی کوئی بھی شخص اپنی جان پہ زیادتی نہ کرے۔ محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ لَا یَجْنِیْ صیغہ خبر ہے لیکن نھی کے معنی میں ہے اس لیے ترجمہ بھی نھی والا کیا گیا ہے اور نیز محدثین نے بھی لکھا ہے کہ اس سے مراد دوسرے کو قتل کرنا ہے اور اس وقت اپنی جان پہ زیادتی اس طرح ہو گی کہ قاتل اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا گویا کہ قاتل نے بظاہر تو مقتول پہ زیادتی کی ہے لیکن درحقیقت اس نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے اس لیے آقائے نامدار نے فرمایا کہ کوئی اپنی جان پہ زیادتی نہ کرے اور یا اس جملہ سے مراد خودکشی بھی ہو سکتی ہے۔ بہر حال ہر مومن کی جان بحیثیت مومن ہونے کے محترم ہے۔

دوسری احترام کی صورت یہ بیان فرمائی کہ اپنے بچے پر کوئی زیادتی نہ کرے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ جیسا کہ دورِ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی اولاد کو یا قتل کر دیتے تھے یا بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تاکہ یہ بڑے ہو کر ہم سے خرچ نہ مانگیں اس سے منع فرمایا ہے اور یا اس سے مراد اولاد کو دین سے دور رکھنا ہے۔ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد پر زیادتی اور جنایت فرمایا ہے کیونکہ وہ اولاد جب دین سے دور ہو گی تو لازماً بے دین ہو گی، دوزخ کے راستے پر چلے گی۔ تو ان پہ زیادتی بھی درحقیقت باپ کی طرف سے ہو جائے گی۔

اور تیسری احترام کی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ بیٹا باپ پر زیادتی نہ کرے اور اس احترام میں اگرچہ صرف باپ کا ہی ذکر ہے لیکن درحقیقت ماں بھی اس احترام میں شامل ہے کیونکہ ماں تو باپ کی نسبت زیادہ محترم ہے اور جب باپ کے احترام کا حکم ہے اور اس پہ زیادتی اور جنایت کرنے سے

منع فرمایا ہے تو ماں بھی یقیناً اس احترام میں شامل ہو گی۔ پس خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ ہر مومن بحیثیت مومن ہونے کے محترم ہے۔ خواہ وہ ماں ہو باپ ہو بیٹا ہو یا بیٹی یا کوئی بھی مومن ہو۔ اور حدیث کے آخر میں فرمایا کہ اس شہر مکہ میں اب شیطان کی عبادت تو نہیں کی جائے گی لیکن تم لوگ بقیہ بد اعمالیاں کرا کے یعنی اب تا قیامت مکہ میں شرک نہیں ہوگا لیکن بقیہ بداعمالیاں قتل وغارت، سفاکی، خون ریزی اور آبرو ریزی، چوری وغیرہ کے جرائم ہوں گے اور شیطان اتنے پر بھی خوش ہو گا۔ بہر حال ان آیات اور احادیث سے ایک مومن کی شان اور عظمت واضح ہو جاتی ہے۔ مکہ مکرمہ، ماہ ذوالحجہ اور ذوالحجہ کی تعظیم بیت اللہ کی وجہ سے ہے اور مومن کے ایمان کی وجہ سے ہے۔ ع

کعبہ بنیاد خلیل آزر است　　دل گزرگاہ جلیل اکبر است

یعنی بیت اللہ جو کہ مرکز انوار ہے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا بنایا ہوا ہے اور مومن کا دل بھی مرکز انوار الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی گزرگاہ ہے اور ایک دوسرے شعر میں ہے ع

من نہ گنجم در زمین و آسمان　　لیک گنجم در دلِ مومناں

یہ شعر دراصل حدیث قدسی کا ترجمہ ہے۔ فرمان خداوندی ہے کہ میں زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا، میرے سمانے کا مقام صرف مومن کا دل ہے پس خلاصہ اور لبّ لباب یہ نکلا کہ ہر مومن کا اکرام اور احترام مکہ مکرمہ ماہ ذوالحجہ اور یوم النحر کی طرح ہے اور ان کا اکرام و احترام اور عظمت بیت اللہ کی وجہ سے ہے اور مومن کا احترام نور ایمان کی وجہ سے ہے اور وجہ تشبیہ انوار الٰہی ہے یعنی بیت اللہ بھی مرکز انوار الٰہی ہے اور ہر مومن کا دل بھی مرکز انوار الٰہی

ہے اور مزید تفصیل آنے والی آیات اور احادیث میں ملاحظہ کی جائیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ وَ يَقُولُ۔ مَا أَطْيَبَكِ وَأَطْيَبَ رِيحَكِ مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى حُرْمَةً مِّنْكِ مَالِهِ وَ دَمِهِ وَ أَنْ يُظَنَّ بِهِ إِلَّا خَيْرًا	ابن عمر نے کہا کہ میں نے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا اور (بیت اللہ کو خطاب کرتے ہوئے) (فرما رہے تھے) تو کیا ہی پاکیزہ ہے اور تیری خوشبو کیا ہی پاکیزہ ہے تو کیا ہی عظمت والا ہے اور تیری حرمت بھی کیا ہی عظمت والی ہے اور قسم ہے اس ذات کی محمدؐ کی جان اس کے ہاتھ میں ہے کہ مومن کی جان، مال اور ذمہ کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے زیادہ عظیم ہے اور کہ مومن کے بارے میں اچھا گمان کرنا ہے۔
(ابن کثیر)	

تشریح

اس سے پہلی حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن

کی جان و مال اور آبرو کو مکہ مکرمہ، ذی الحجہ اور یوم النحر کے ساتھ صرف تشبیہ دی جس کے ضمن میں بیت اللہ سے بھی تشبیہ آ گئی۔ اور اس حدیث میں آپ نے وضاحت بیان فرما دی ہے کہ مومن کی جان و مال کا احترام بیت اللہ سے زیادہ ہے اور اس مزیّت اور افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ بیت اللہ کو تو انسان کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا ہے اور جس کی خاطر سب کچھ کیا جائے اس کی عظمت مسلّم ہے اور یہی حال ہے مومن کے مال اور آبرو کا۔

مومن کے ساتھ مذاق اڑانے کی ممانعت اور اس کی سزا

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ، (سورۃ الحجرات آیت ۱۱)	اے ایمان والو ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے۔ عجب نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے ٹھٹھا کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ	اور جب انہیں کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان

كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

(سورۃ بقرہ آیت ۱۳ تا ۱۵)

لائیں جس طرح بے وقوف لائے ہیں۔ خبردار وہی بے وقوف ہیں لیکن نہیں جانتے اور جب ایمانداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف ہنسی کرنے والے ہیں۔ اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے اور انہیں مہلت دیتا ہے کہ وہ اپنی گمراہی میں حیران ہیں۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں چار آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی سورۃ حجرات کی آیت کا ایک ٹکڑا ہے اس میں ایماندار مردوں اور عورتوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مذاق اور تمسخر اڑانے سے منع فرمایا ہے۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ شاید جس کے ساتھ مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ اس سے بہتر ہو اور یہ مانا ہوا اصول ہے کہ اپنے سے بہتر کے ساتھ مذاق اڑانا معیوب

ہے اور عقلی تقاضا بھی یہی ہے - اور اس کے بعد سورۃ بقرہ والی آیات ہیں یہ آیات اگرچہ منافقین کے بارے میں اتری ہیں کہ وہ مسلمانوں سے مذاق اڑاتے تھے اور ان کو بے وقوف کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو بے وقوف کہنے والے خود بے وقوف ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ ان کو مذاق کرنے کی سزا دے گا - اور تمام مفسرین کے نزدیک یہ مانا ہوا اصول ہے کہ جن آیات کا شان نزول خاص ہوتا ہے ان کا حکم عام ہوتا ہے پس خلاصہ یہ ہوا کہ ایماندار کے ساتھ کوئی بھی مذاق اڑائے یا اس کو بیوقوف کہے تو وہ ان آیات میں مذکورہ سزا کے مستحق ہیں - اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مذاق اڑانے والا مسخور کو گھٹیا سمجھتا ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے اسے بہتر فرمایا ہے -

مومن پر طعنہ زنی، عیب جوئی اور برے القاب کی ممانعت اور اسکی سزا

وَلَا تَلْمِزُوٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(سورۃ الحجرات آیت ۱)

اور ایک دوسرے کو طعنے نہ دو - اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو - فسق کے نام لینے ایمان لانے کے بعد بہت برے ہیں اور جو باز نہ آئیں سو وہی ظالم ہیں -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	اللہ کے نام سے شروع جو بہت بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔
وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۣ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۝ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ	پس پشت عیب جوئی کرنے والے طعنے دینے والے کے لیے ہلاکت جو مال جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اسکا مال اسے ہمیشہ رکھے گا ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں پھینکا جائے گا اور آپ کو کیا معلوم حطمہ کیا ہے وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچتی ہے۔ بے شک وہ ان پر چاروں طرف سے بند کر دی جائے گی لمبے لمبے ستونوں میں۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں ایک آیت سورۃ حجرات کی ہے اور دوسری

سورۃ ھمزہ کی ہے۔ سورہ حجرات والی آیت میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ پہلا یہ ہے کہ ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو۔ دوسرا یہ ہے کہ ایک دوسرے کا برا لقب نہ رکھو۔ تیسرا یہ ہے کہ ایسا کرنا بُرا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومن کو بہتر فرمایا ہے اور اس کے بُرے القاب رکھنے والا گویا کہ اللہ تعالےٰ کی رائے گرامی پر تنقید کر رہا ہے اور چوتھا یہ بیان فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کو توبہ کرنی چاہیئے ورنہ ان کا شمار ظالموں میں ہوگا۔ اس کے بعد سورۃ ھمزہ میں ایسے لوگوں کی اخروی سزا اور بربادی بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ مالدار طبقہ ایسا کرتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مال دار طبقہ غریب کو گھٹیا سمجھتا ہے اور اس پر طعنہ زنی کرتا ہے اور اس کے عیوب نکالتا ہے اگرچہ وہ غریب اس کا حقیقی بھائی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے زر پرستوں کے ساتھ قیامت کے دن جو سلوک کریں گے اسے بیان فرمایا ہے۔ اسے بیان کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ زر پرست طبقہ غریبوں پر طعنہ زنی اور انکی عیب جوئیوں سے باز آجائے۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ مومن کا بہت بڑا اونچا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر طعن و تشنیع اور ان کی عیب جوئی بھی برداشت کرتا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ	ابن عباس رضؓ سے مرفوع
مَرْفُوْعًا مَنْ سَتَرَ	روایت ہے کہ جس نے
عَوْرَةَ اَخِيْهِ سَتَرَ	اپنے بھائی کی پردہ پوشی کی
اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَوْمَ	تو اللہ تعالیٰ قیامت کے
الْقِيٰمَةِ وَمَنْ كَشَفَ	دن اس کی پردہ پوشی کریگا
عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ	اور جو اپنے مسلمان بھائی
كَشَفَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ	کا پردہ کھولے گا تو اللہ تعالےٰ

حَتّٰی یَفْضَحَہٗ	اس کا پردہ کھولے گا یہانتک
بِہَا فِیْ بَیْتِہٖ ۔	کہ اس کو اس کے گھر میں
(ابن ماجہ)	رُسوا کرے گا ۔
عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ	ابوہریرۃ سے مرفوع روایت
مَرْفُوْعًا مَنْ سَتَرَ	ہے کہ جو مسلمان کی پردہ پوشی
عَلٰی مُسْلِمٍ سَتَرَہٗ	کرے گا تو اللہ تعالےٰ
اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا	دنیا اور آخرت میں اسکی
وَالْاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ فِیْ	پردہ پوشی کریں گے اور
عَوْنِ الْعَبْدِ مَا	اللہ اپنے بندے کی مدد
کَانَ الْعَبْدُ فِیْ	میں ہوتا ہے جب تک
عَوْنِ اَخِیْہِ ۔	کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد
(ابوداؤد ومسلم)	میں ہوتا ہے ۔

تشریح

یہاں دو احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ دونوں سورۃ ھمزہ کی تشریح ہیں کیونکہ اس سورۃ میں فرمایا ہے کہ خرابی ہے واسطے عیب جوئی کرنے والے کے ۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں فرمایا ہے کہ خرابی سے مراد رسوائی ہے یعنی جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کریگا اور جو آدمی کی پردہ دری کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پردہ دری کرے گا ۔ پس جب اللہ پاک مومن کی طرف سے انتقام لے گا تو معلوم ہوا کہ عند اللہ مومن کا مقام بہت اونچا ہے ۔

مومن کی بدگمانی، تجسس اور غیبت کی ممانعت

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ہ	اے ایمان والو بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں اور ٹٹول بھی نہ کیا کرو۔ اور نہ کوئی کسی کی غیبت کیا کرے کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم اس کو تو ناپسند کرتے ہو اللہ سے ڈرو۔ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

(سورۃ حجرات آیت ۱۲)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کو تین چیزوں سے منع فرمایا ہے پہلی چیز بہت سے گمانوں سے بچنا اور پرہیز کرنا ہے کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اس آیت کے تحت حضرت مولانا اشرف علیؒ تھانوی نے لکھا ہے کہ گمان تین قسم کا ہے۔ واجب، مباح، حرام۔ واجب یہ ہے کہ انسان اللہ

کے ساتھ حسنِ ظن رکھے۔ اور فقہی غیر منصوص مسائل ہیں۔ اور مباح جیسے امور معاش ہیں اور جس شخص میں علانیہ علامات فسق پائے جاتے ہیں۔ حرام ہے جس آدمی کے ظاہری آثار نیک ہوں تو اس کو برا گمان کرنا۔ اور دوسری چیز عیب ٹٹولنا ہے اس کی تفصیل شہادت کے ذیل میں گزر چکی ہے اور تیسری چیز مومن کی غیبت سے ممانعت ہے۔ کسی کے پیچھے اس کی ایسی برائی بیان کرنا کہ اس کے سامنے کی جائے تو اس کو رنج ہو اسے غیبت کہتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَةُ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ قَالَ ذِکْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَکْرَہُ قِیْلَ اَفَرَئَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ۔ قَالَ اِنْ کَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْهِ	ابی ہریرۃ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول اچھا جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی ایسی بات بیان کرنا جسے وہ ناپسند کرے آپ سے عرض کیا گیا کہ اگر وہ بات میرے بھائی کی ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو؟ تو آپ نے فرمایا اگر وہ بات اس میں ہو جو تم

مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ

(رواہ مسلم)

کہتے ہو تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ بات اس میں نہ ہو جو تم کہتے ہو تو پھر تم نے اس پر بہتان باندھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ صَلَّيَا صَلٰوۃَ الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ وَكَانَا صَائِمَيْنِ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوۃَ قَالَ اَعِيْدُوْا وُضُوْءَكُمَا وَصَلٰوتَكُمَا وَامْضِيَا فِيْ صَوْمِكُمَا وَاقْضِيَاهُ يَوْمًا اٰخَرَ قَالَا لِمَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِغْتَبْتُمْ فُلَانًا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ دو آدمیوں نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی اور وہ دونوں روزے دار تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی تو انہیں فرمایا کہ تم وضو کو اور نماز کو لوٹا لو۔ اور روزہ جاری رکھو اور دوسرے دن اس کی قضا کر لینا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ کیوں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے فلاں کی غیبت نہیں کی۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَّجَابِرٍ قَالَا۔ قَالَ

حضرت ابوسعید اور حضرت جابر سے روایت

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
اَلْغِيْبَةُ اَشَدُّ
مِنَ الزِّنَا۔ قَالُوْا
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَكَيْفَ الْغِيْبَةُ اَشَدُّ
مِنَ الزِّنَا۔ قَالَ
اِنَّ الرَّجُلَ لَيَزْنِيْ
فَيَتُوْبُ۔ فَيَتُوْبُ
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَفِيْ
رِوَايَةٍ فَيَتُوْبُ
فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لَهٗ
وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ
لَا يُغْفَرُ لَهٗ حَتّٰى
يَغْفِرَهَا لَهٗ صَاحِبُهٗ
وَفِيْ رِوَايَةِ اَنَسٍ
قَالَ صَاحِبُ الزِّنَا
يَتُوْبُ وَصَاحِبُ الْغِيْبَةِ
لَيْسَ لَهٗ تَوْبَةٌ رِوَا
الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ
فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ
غیبت زنا سے سخت ہے
انہوں نے کہا یا رسول اللہ
کیسے سخت ہے غیبت
زنا سے ۔ تو آپؐ نے
فرمایا کہ جب آدمی زنا کرتا
ہے تو پھر توبہ کرتا ہے
تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ
قبول فرماتے ہیں ۔ اور
ایک روایت میں کہ وہ
توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ
اسے بخش دیتے ہیں اور
غیبت کرنیوالے کی بخشش
نہیں ہوتی جب تک کہ
جس کی غیبت کی ہے وہ
اسے معاف نہ کرے ۔
اور انس کی روایت میں
ہے کہ صاحب زنا توبہ
کرتا ہے اور صاحب
غیبت توبہ نہیں کرتا ۔

تشریح

یہاں تین احادیث نقل کی گئی ہیں - پہلی ابوہریرہؓ سے مروی ہے اور دوسری ابن عباسؓ سے منقول ہے اور تیسری ابی سعید اور جابرؓ سے ہے - ابوہریرہؓ والی حدیث میں تو آپؐ نے غیبت کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ آدمی کا دوسرے کی ایسی بات اوروں کے سامنے نقل کرنا جس کا نقل کرنا اور بیان کرنا وہ پسند نہ کرے یہ غیبت ہے - اور اگر اس میں وہ بات نہ ہو آدمی ویسے ہی اپنی طرف سے وہ بات بنا کر اس کی نسبت کہہ دے تو وہ بہتان ہے - حضرت ابن عباس والی حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور فرمان منقول ہے کہ آپؐ نے دو آدمیوں کو وضو اور نماز لوٹانے کا حکم دیا اور روزے کی قضا کا فرمایا انہوں نے وجہ دریافت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے فلاں آدمی کی غیبت کی ہے اس لیے وضو اور نماز تو لوٹانا ہے اور روزے کو وقتی طور پر تو شام تک پورا کر لو مگر پھر اس کی بھی قضا کرنا ہے - پس اس سے معلوم ہوا کہ غیبت سے انسان کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں -

اس کے بعد حضرت ابی سعید اور حضرت جابر والی حدیث ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کرنے سے انسان کا ایمان بھی ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ غیبت کا گناہ زنا سے بھی زیادہ سخت ہے اور اس کی ایک وجہ ایک اور حدیث سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ زنا کی حالت میں انسان کا ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے اور جب غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے تو معلوم ہوا کہ اس سے بھی یقیناً آدمی کا ایمان

ضائع ہو جاتا ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیبت سے اور زنا سے انسان کی نیکیاں اور ایمان کس طرح ضائع ہو جاتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کا فعل انسان کسی کے سامنے نہیں کرتا کیونکہ اس کا حیا مانع ہوتا ہے اور خدا تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اس سے تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور جب انسان اس کے سامنے یہ فعل کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ یا تو وہ خدا کو حاضر و ناظر نہیں مانتا اور یا اس کے دل میں اس کے لیے ایک انسان کے برابر بھی حیا نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے اور ایمان اعمال کی بنیاد ہے اور جب ایمان ہی نہ رہا تو نیکیاں خود ضائع ہو جائیں گی۔

اور حضورؐ نے فرمایا کہ غیبت کا بھی یہی حال ہے کیونکہ اللہ تعالے نے تو مومن کی توقیر و حرمت بیت اللہ کے برابر قرار دی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ فرمائی ہے اور یہ غیبت کے ذریعہ مومن کی توہین کرتا ہے اس کے دل میں اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی کوئی وقعت نہیں ہے اس کا بھی یقیناً ایمان بھی ضائع ہوگا اور نیکیاں بھی ضائع ہونگی۔ اور غیبت کے اشد من الزنا ہونے کی دوسری وجہ اس حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ زانی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور غیبت کرنے والا اگر توبہ بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں فرمائیں گے جب تک کہ جسکی غیبت کی ہے وہ اسے معاف نہ کرے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ	حضرت انس سے روایت
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ	ہے کہ جناب رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اِنَّ مِنْ كَفَّارَةِ	کہ غیبت کے کفّاروں میں
الْغِيْبَةِ اَنْ تَسْتَغْفِرَ	سے یہ ہے کہ آدمی نے
لِمَنِ اغْتَبْتَهٗ يَقُوْلُ	جس کی غیبت کی ہے
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ	اس کے لیے معافی مانگے
(رواه البيهقى فى	اور یوں کہے اے اللہ
الدعوات الكبير وقال	ہمیں معاف کر اور اسے
فى هذا الاسنا (ضعف)	بھی معاف کر۔

تشریح

اس حدیث میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کا کفّارہ بیان فرمایا ہے کہ انسان نے جس کی غیبت کی ہے اگر اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو پھر اللہ تعالیٰ اس غیبت کرنے والے کا گناہ معاف کر دیتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کا جو ایمان اور نیکیاں ضائع ہوئی تھیں وہ تو مومن کی توہین کی وجہ سے ضائع ہوئی تھیں۔ اور اب جب وہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے گا تو یقیناً اس کے دل میں اس مومن کا احترام آجائے گا۔ اس لیے اس کی توبہ بھی قبول ہو جائے گی اور پھر امید ہے کہ اللہ اس کی دولت ایمانی اور نیکیوں کو بحال فرما دیں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں کفّارہ کا ذکر فرمایا ہے اور کفّارہ کا یہی مقصد ہے واللہ اعلم۔ پس خلاصہ اور لبِّ لباب یہ نکلا کہ ہر مومن اللہ کے نزدیک بہتر اور محترم ہے۔ تمام ایمان والوں کو چاہیئے کہ ایک دوسرے کا احترام

کریں اور ایک دوسرے کی توہین اور تذلیل سے بچیں۔

کسی مومن پر لعنت بھیجنے والا خود ملعون ہو جاتا ہے

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَ بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیْ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن طعنہ دینے والا لعنت بھیجنے والا بے حیا اور بیہودہ گو نہیں ہوتا۔

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لَا یَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یَکُوْنَ لَعَّانًا (ترمذی)

اور ابن عمر سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن لعنت بھیجنے والا نہیں ہوتا۔ اور ایک روایت ہے کہ مومن کے لیے مناسب نہیں ہے لعنت بھیجنے والا ہو۔

عَنْ سَمُرَۃَ ابْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ

اور سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ

عَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ وَلَا بِغَضَبِ اللّٰهِ وَلَا بِجَهَنَّمَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ وَلَا بِالنَّارِ۔

(ترمذی، ابوداؤد)

اور سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مت بھیجو کسی پر اللہ کی لعنت، اللہ کا غضب اور جہنمی اور ایک روایت میں ہے دوزخی۔

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ علیہ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا لَعَنَ شَيْئًا صَعِدَتْ اللَّعْنَةُ اِلَى السَّمَاءِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ دُوْنَهَا ثُمَّ تَهْبِطُ اِلَى الْاَرْضِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُهَا دُوْنَهَا ثُمَّ تَاْخُذُ يَمِيْنًا

ابی درداء سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا فرمایا کہ آدمی جب کسی چیز پر لعنت بھیجتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے پھر آسمان کے دروازے اس کے سامنے بند کر دیئے جاتے ہیں تو پھر وہ زمین کی طرف اتار دی جاتی ہے پھر اس کے دروازے بھی اس کے سامنے بند

وَّ شِمَالًا فَاِذَا لَمْ تَجِدْ مَسَاغًا رُجِعَتْ اِلَى الَّذِىْ لَعِنَ اِنْ كَانَ لِذَالِكَ اَهْلًا وَاِلَّا رُجِعَتْ اِلٰى قَائِلِهَا ۔

(ابى داؤد)

کر دیئے جاتے ہیں پھر وہ دائیں اور بائیں جانب اختیار کرتی ہے جب نہ پائے کوئی راستہ تو اس شخص کی طرف لوٹائی جاتی ہے جس پر وہ بھیجی گئی ہے اگر وہ اس کا اہل ہوا ورنہ قائل کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا نَازَعَتْهُ الرِّيْحُ رِدَاءَهٗ فَلَعَنَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْعَنْهَا فَاِنَّهَا مَامُوْرَةٌ وَاِنَّهٗ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهٗ بِاَهْلٍ رُجِعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ ۔

(ترمذی)

ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک آدمی کی چادر ہوا نے کھول دی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ بھیجو کیونکہ یہ تو مامور من اللہ ہے اور اگر آدمی کسی پر لعنت بھیجے اور وہ اسکا اہل نہ ہو تو وہ لعنت اسی پر لوٹائی جاتی ہے۔

تشریح

یہاں اس بحث میں پانچ احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابن مسعودؓ سے مروی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس آدمی میں چار خصلتیں پائی جائیں وہ مومن نہیں ہوتا وہ چار خصلتیں یہ ہیں کسی پر طعنہ زنی کرنا، لعنت کرنا، بدکاری کرنا، بے ہودہ بکنا۔ اور دوسری حدیث ابن عمرؓ والی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ مومن کی شایان شان نہیں کہ کسی دوسرے مومن پر لعنت بھیجے۔ تیسری حدیث سمرہ بن جندب والی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی کو مت کہو کہ تجھ پہ اللہ کی لعنت ہو۔ تجھ پہ اللہ کا غضب نازل ہو یا اللہ کرے کہ تو جہنمی دوزخی ہو جائے اور چوتھی حدیث ابی درداء والی ہے اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کے ممنوع ہونے کی وجہ بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی پر لعنت بھیجتا ہے تو وہ پہلے آسمان کی طرف جاتی ہے تو آسمان کے دروازے اس کے سامنے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر زمین کی طرف بھیج دی جاتی ہے تو اس کے دروازے بھی اس کے سامنے بند کر دیئے جاتے ہیں پھر جنوبی اور شمالی جانب اختیار کرتی ہے مگر اس کو کہیں بھی راستہ نہیں ملتا تو پھر اس شخص کی طرف لوٹائی جاتی ہے اگر وہ اس کا اہل ہو تو اس لعنت کا اثر اس پہ پڑتا ہے۔ اگر وہ اس کا اہل نہ ہو تو پھر لعنت کا اثر لعنت بھیجنے والے پہ پڑتا ہے اور پانچویں حدیث ابن عباس والی ہے اس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ ہوا پر بھی لعنت مت بھیجو کیونکہ وہ تو مامور من اللہ ہے اس پر تو

لعنت کا اثر نہیں پڑے گا تو پھر جو اس پر لعنت کرے گا اس پر اس کا اثر پڑے گا۔

تحقیق لفظِ لعنت

لفظ لعنت کے معنی بعید من الرحمت کے ہیں یعنی اگر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں پر لعنت فرمائی ہے، تو اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے اور یہ بُعد عام ہے خواہ دُنیا میں ہو یا آخرت میں ہو۔ اور اگر اس لفظ لعنت کی نسبت کسی انسان کی طرف کی جائے مثلاً زید عمر سے کہے کہ تجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ تو یہ بد دعا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ عمر تجھے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کرے۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جس پر لعنت بھیجتا ہے اگر اس کا کفر یقینی ہے تو پھر ٹھیک ہے ایسے لوگوں پر لعنت بھیج سکتا ہے جیسا کہ جہاد کے موقعہ پر کافروں کے خلاف بد دُعا کی جاتی ہے قرآن مجید میں بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دعائیہ کلمات موجود ہیں اور اسی طرح احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بعض کفار کے بارے میں بد دُعائیہ الفاظ موجود ہیں۔ ان سب کا تعلق اسی قبیلہ سے ہے اور جس کا کفر یقینی نہ ہو یا وہ کافر تو ہو مگر اس کے ایمان لانے کی امید ہو پھر بھی اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں۔ اور اس طرح کسی مومن پر بھی لعنت بھیجنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ بد دُعا ہے اور ایک مومن کے لیے بحیثیت مومن ہونے کے یہ مناسب نہیں کہ وہ دوسرے مومن کے لیے بد دُعا کرے۔ اگر کوئی بد دُعا کرے گا تو مومن پر اس کا اثر نہیں پڑے گا کیونکہ مومن اس کا

اہل نہیں ہے اس کا اہل تو کافر ہے۔ جس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔ اور اب اس لعنت کا اثر اس بھیجنے والے پر ہی پڑے گا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے مومن کو کلمہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور اسے خیر البریہ فرمایا ہے اور ایک مومن جب دوسرے مومن پر لعنت بھیجتا ہے یا اس پر بد دعا کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس مومن کو ان لوگوں میں شمار کرتا ہے، جو شر البریہ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رائے کو غلط قرار دیتا ہے اس لیے اس لعنت کا اثر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی پر پڑیگا اور یہ اللہ کی رحمت سے دنیا اور آخرت میں دور ہو جائے گا۔ اور اس حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ لفظ لعنت پہلے آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے وہاں کے دروازے بند ہوتے ہیں تو پھر زمین کی طرف لوٹایا جاتا ہے اس کے دروازے بھی بند ہوتے ہیں تو پھر جنوبی اور شمالی جانب جاتا ہے جب اسے کوئی راستہ نہیں ملتا تو پھر جس پر لعنت بھیجی گئی اس پر اسے لوٹا دیا جاتا ہے اگر اس کا اہل ہو ورنہ لعنت بھیجنے والے پر اس کا اثر پڑتا ہے۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کے منہ سے جو الفاظ نکلتے ہیں اگرچہ نظر نہیں آتے مگر ان کا بھی وجود ہے جو فضا میں موجود ہے جیسا کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی خبروں سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور دوسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اتنا بڑا منحوس ہے کہ اس کو ہر طرف سے دھتکار دیا جاتا ہے اور کسی صورت میں اس کی پذیرائی نہیں ہوتی یہاں تک کہ جس کے منہ سے یہ گندا لفظ نکلا ہے وہی اس کا ٹھکانا اور جگہ بنایا جاتا ہے۔ پس خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ مومن کا مقام اللہ کے نزدیک بہت اونچا ہے کسی دوسرے مومن کو یہ نہیں چاہیئے کہ اس پر ایسا گندا لفظ بولے۔ اعاذنا اللہ عن هذا۔

کسی مومن کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِاَخِيْهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا۔ (متفق علیہ)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اپنے بھائی (مسلم) کو کافر کہے تو ان دونوں میں سے ایک اسکا مستحق ہوتا ہے

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْمِيْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوْقِ وَلَا يَرْمِيْهِ بِالْكُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ اِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهٗ كَذٰلِكَ (بخاری)

ابی ذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی دوسرے کو فسق یا کفر کی تہمت لگاتا ہے تو وہ اسی کے سر عائد کیا جاتا ہے اگر وہ متّہم اسکا اہل نہ ہو

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ اَوْ قَالَ

اور انہیں سے روایت ہے کہ جو آدمی کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر بلائے اور وہ ایسا نہ ہو تو وہ

عَدُوُّ اللّٰهِ وَ لَيْسَ كَذَالِكَ اِلاَّ حَارَ عَلَيْهِ
لفظ اسی پر عائد کیا جاتا ہے۔

(متفق علیہ)

تشریح

یہاں اس باب میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابن عمرؓ سے مروی ہے اور دوسری دو ابی ذر سے منقول ہیں۔ تینوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ ایک مومن اگر دوسرے مومن کو کافر، فاسق یا اللہ کا دشمن کہہ دیتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک ضرور اس کا مستحق ہو جائے گا۔ کیونکہ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ اس کی طرف ان الفاظ کی نسبت کیوں کرتا ہے اگر فی الواقعہ اس میں کافروں والے عقائد پائے جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے یا اس میں کافروں اور [illegible] وں والے کام پائے جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو متقی اور پرہیزگار سمجھتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں اسکی طرف کفر اور فسق کی نسبت صحیح ہے۔ اور اگر وہ ان مذکورہ بالا عقائد اور خصائل کا حامل نہیں ہے تو پھر اس کو کافر یا فاسق کہنے والا خود کافر یا فاسق ہو جائے گا کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ اس کے عقائد اور اعمال کو کفر یا فسق قرار دیتا ہے۔

بہرحال خلاصہ اور لبّ لباب یہ نکلا کہ کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ دوسرے مومن کی طرف کفر یا فسق کی نسبت کرے ورنہ خود اس کا اپنا ایمان اور نیکیاں ضائع ہو جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کو کلمہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور جس کو خیر البریہ فرمایا ہے یہ اس کو کلمہ خبیث سے تشبیہ

دیتا ہے اور اسے شر البریّہ میں داخل کرتا ہے۔

مومن کے ساتھ حسد و عداوت رکھنے سے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں

عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعَرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ۔

(احمد ترمذی)

حضرت زبیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اندر بھی پہلی امتوں کی بیماری سرایت کر چکی ہے جو حسد اور بغض ہے۔ یہ مونڈنے والی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ وہ سر کے بال مونڈتی ہے لیکن وہ دین کو مونڈتی ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ

(ابوداؤد)

ابی ہریرۃ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ۔ یقیناً حسد نیکیاں کھاتا ہے جس طرح آگ لکڑیاں کھاتی ہے

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ یَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثِ لَیَالٍ یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ هٰذَا وَیُعْرِضُ هٰذَا وَخَیْرُهُمَا الَّذِیْ یَبْدَءُ بِالسَّلَامِ

(متفق علیہ)

ابی ایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے لیے حلال نہیں ہے کہ تین رات سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑ دے دونوں آپس میں ملیں تو اس کا رُخ ادھر ہو اور اس کا ادھر ہو۔ ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام سے ابتدار کرے

عَنْ اَبِیْ خِرَاشٍ السُّلَمِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ هَجَرَ اَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ کَسَفْكِ دَمِهٖ -

(ابو داؤد)

ابی خُراشؓ سلمی سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس نے اپنے بھائی سے ایک سال تک بائیکاٹ کیا وہ اس کے خون بہانے والی کے مانند ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

ابی ہریرۃ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا اِلَّا رَجُلٌ كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اُنْظُرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا ۔

(مسلم)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کو جنّت کے دروازے کھول دئیے جاتے ہیں اور ہر ایسے بندے کی بخشش کی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو سوائے اس کے کہ اس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ ہو حکم دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ وہ آپس میں صلح نہ کریں۔

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّلٰوةِ قَالَ قُلْنَا

ابی درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں روزے سے صدقہ سے اور نماز سے بھی زیادہ فضیلت والی چیز نہ بتاؤں انہوں نے کہا ہم نے کہا

بَلٰی قَالَ اِصْلَاحُ	آپ نے فرمایا جدائی والوں
ذَاتَ الْبَیْنِ وَ فَسَادُ	کی اصلاح کرنا اور جدائی
ذَاتَ الْبَیْنِ ھِیَ الْحَالِقَۃُ	والوں کا فساد مونڈنے
(ابوداؤد و ترمذی)	والا ہے۔

تشریح

یہاں اس باب میں چھ احادیث نقل کی گئی ہیں ۔ پہلی حضرت زبیر والی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خدشے کا اظہار فرمایا ہے کہ پہلی امتوں کی طرح میری امت میں بھی حسد و بغض کی بیماری پیدا ہو جائے گی اور دوسرا اس کا نقصان بیان فرمایا ہے کہ یہ بیماری دین کو مونڈ دیتی ہے اور اس کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت ابو ہریرہ والی حدیث ہے ۔ یہ حضرت زبیر والی حدیث کی تشریح ہے کیونکہ اس میں جو تحلق الدین آیا ہے یہ مجمل ہے اس کا معنی ہے کہ وہ دین مونڈ دیتی ہے ۔ اور ابو ہریرہ والی حدیث میں وضاحت آگئی ہے کہ اس سے نیکیاں اس طرح ختم ہو جاتی ہیں جسطرح آگ لکڑیوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے اور تیسرے نمبر پر ابی ایوب انصاری والی حدیث ہے یہ بھی اس اجمال سابق کی تشریح ہے ۔ اس میں مزید وضاحت آگئی ہے کہ سابقہ احادیث میں جس حسد و بغض سے نیکیوں کے ضیاع کا ذکر ہے اس سے مراد تین دن سے زیادہ کا حسد و بغض ہے ۔ اور اس حدیث سے جو تین دن تک حسد و بغض رکھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں دوسرے کے بارے میں جو نفرت پیدا ہوتی ہے یہ ایک اضطراری کیفیت ہوتی ہے اس کا فوری اخراج انسان کے

بس میں نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ اس کے اخراج کی کوشش کرے تو تین دن تک اس کا اخراج ہو سکتا ہے۔ اور اس حدیث کے آخر میں اس کے اخراج کا طریقہ بھی بتایا ہے کہ ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو السلام علیکم سے ابتدا کر دے اس سے ان کی قلبی کدورت ختم ہو جائے گی اور چوتھے نمبر پہ ابی خراش سلمی والی حدیث ہے اس میں جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مرض کی سنگینی کو بیان فرمایا ہے کہ اگر ایک سال تک کوئی دوسرے مسلمان بھائی سے عداوت اور بغض و حسد رکھے تو وہ اس کے قتل سے کم نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر یہ دونوں مومن اس باہمی عداوت کو تین دن تک ختم نہیں کریں گے تو یہ عداوت بڑھتی جائے گی اور قتل مقاتلہ تک نوبت آجائے گی اور برادریوں میں خون ریزی کا باب کھل جائے گا اور یہ دنیاوی نقصان ہو گا۔

پانچویں نمبر پہ حضرت ابوہریرہ سے مروی دوسری حدیث ہے اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حسد و عداوت کا اخروی نقصان بیان فرمایا ہے کہ اگر اس حالت میں انسان مر جائے تو اس کی بخشش نہیں ہوتی کیونکہ آپ کا فرمان ہے کہ ہر ہفتہ میں پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دئیے جاتے ہیں اور ہر آدمی کی بخشش کی جاتی ہے سوائے مشرک اور کینہ پرور کے۔

چھٹے نمبر پہ حضرت ابی درداء والی حدیث ہے اس میں جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو مسلمان بھائیوں کے درمیان صلح کرانے والے کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے کہ اس کی فضیلت روزہ، صدقہ اور نماز سے بھی زیادہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دو مومنوں کے درمیان صلح کرانا اللہ تعالےٰ کی

بندگی سے بھی زیادہ اہم ہے۔ خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ ایک مومن بحیثیت مومن ہونے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر ہے اس کے ساتھ عداوت نہیں رکھنا چاہیئے اور ان احادیث میں جس حسد و بغض سے منع فرمایا گیا ہے اس سے مراد ذاتی نوعیت کا حسد و بغض ہے۔ اگر مبغوض و محسود سے دینی بنا پر کوئی حسد و بغض رکھے تو اس کی اجازت ہے مگر اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

ہر مومن کے ساتھ محبّت رکھنے سے آدمی اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا یَاْکُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِیٌّ۔	ابی سعیدؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے نہ دوست بنا مگر مومن کو۔ اور نہ کھائے تیرا کھانا مگر نیک۔

(ترمذی، ابوداؤد)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ	ابی ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا

خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ (ترمذی، احمد، ابوداؤد)

ہے۔ تم میں سے ہر ایک کو دیکھنا چاہیئے کہ کس سے دوستی رکھتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ عَبْدَيْنِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاحِدٌ فِی الْمَشْرِقِ وَاٰخَرُ فِی الْمَغْرِبِ لَجَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتَ تُحِبُّهٗ فِیَّ۔ (مشکوٰۃ)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو بندے اللہ عزّ و جلّ کی وجہ سے آپس میں محبّت رکھیں۔ ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان دونوں کو آپس میں جمع کریں گے اور فرمائیں گے یہ ہے وہ جس کے ساتھ تو میری وجہ سے محبّت رکھتا تھا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ

ابوہریرہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہاں ہیں میرے

بِجَلَالِيْ اَلْيَوْمَ
أُظِلُّهُمْ فِيْ
ظِلِّيْ يَوْمَ لَا
ظِلَّ اِلَّا ظِلِّيْ۔
(مسلم)
وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اِنَّ رَجُلًا
زَارَ اَخًا لَهٗ فِيْ
قَرْيَةٍ اُخْرٰى
فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهٗ
عَلٰى مَدْرَجَتِهٖ مَلَكًا
قَالَ اَيْنَ تُرِيْدُ
قَالَ اُرِيْدُ اَخًا لِيْ
فِيْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ
قَالَ هَلْ لَكَ
عَلَيْهِ مِنْ نِعْمَةٍ
تَرُبُّهَا قَالَ لَا
غَيْرَ اَنِّيْ اَحْبَبْتُهٗ
فِي اللّٰهِ قَالَ
فَاِنِّيْ رَسُوْلُ

جلال کی وجہ سے آپس
میں محبّت کرنے والے
آج کے دن میں ان کو
اپنے سایہ میں جگہ دونگا
آج میرے سایہ کے
سوا کسی کا سایہ نہیں ہے
اور ان سے ہی نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کا فرمان
منقول ہے کہ ایک آدمی
کسی دوسری آبادی میں
اپنے بھائی کی زیارت کے
لیے گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے
اس کے راستہ میں ایک
فرشتہ مقرر کیا۔ اس نے
کہا۔ کہاں کا الادہ کیا ہے
اس نے کہا کہ اس
آبادی میں میرا بھائی ہے
اس کے پاس جانے کا
ارادہ رکھتا ہوں۔ اس نے
کہا کہ اس کا تجھ پر کوئی
احسان ہے جس کا لحاظ

اللهِ اِلَيْكَ بِاَنَّ اللهَ قَدْ اَحَبَّكَ كَمَا اَحْبَبْتَهٗ فِيْهِ

(مسلم)

رکھتا ہے۔ اس نے کہا نہ سوائے اسکے کہ میں اس سے اللہ کی وجہ سے محبت رکھتا ہوں اس نے کہا میں تو اللہ کی طرف تیرے پاس بھیجا گیا ہوں کہ اللہ تجھ سے محبّت رکھتا ہے جیسا تو اس سے محبت رکھتا ہے اس کی وجہ سے۔

عَنِ الْمِقْدَامِ ابْنِ مَعْدِيكَرِبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ الرَّجُلُ اَخَاهُ فَلْيُخْبِرْهُ اَنَّهٗ يُحِبُّهٗ

(ابوداؤد۔ ترمذی)

مقدام بن معدیکرب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا جب آدمی اپنے بھائی سے محبّت رکھے تو اسے بتا دے کہ وہ اس سے محبت رکھتا ہے

عَنْ مَعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللهُ تَعَالٰى وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ

معاذ بن جبل سے منقول ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میری محبت ان کے لیے واجب ہے جو آپس میں

لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ ۔

(رواہ مالک)

میری وجہ سے محبت رکھتے ہیں اور میری وجہ سے بیٹھتے ہیں ۔ میری وجہ سے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میری وجہ سے خرچ کرتے ہیں یہ مالک کی روایت ہے

وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيْ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِيْ جَلَالِيْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو میرے جلال کی وجہ سے آپس میں محبت کرتے ہیں ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے ۔ ان پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِيْلَ فَقَالَ اِنِّيْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهُ

ابی ہریرہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت رکھتے ہیں تو جبریلؑ کو بلا کر فرماتے ہیں کہ میں فلاں سے محبت رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو۔

قَالَ فَيُحِبُّهٗ جِبْرِيْلُ
ثُمَّ يُنَادِيْ
فِي السَّمَاءِ فَيَقُوْلُ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا
فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهٗ
اَهْلُ السَّمَآءِ ثُمَّ
ثُمَّ يُوْضَعُ
لَهُ الْقَبُوْلُ فِي
الْاَرْضِ وَاِذَا اَبْغَضَ
عَبْدًا دَعَا
جِبْرَئِيْلَ فَيَقُوْلُ
اِنِّيْ اُبْغِضُ
فُلَانًا فَاَبْغِضْهُ
قَالَ فَيُبْغِضُهٗ
جِبْرَئِيْلُ ثُمَّ
يُنَادِيْ فِيْ
اَهْلِ السَّمَاءِ
اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ
فُلَانًا فَاَبْغِضُوْهُ
قَالَ فَيُبْغِضُوْنَهٗ
ثُمَّ يُوْضَعُ لَهٗ

آپ نے فرمایا پھر جبریل اس
سے محبّت رکھتے ہیں، پھر
آسمان میں اعلان کرتے ہیں
کہ اللہ فلاں سے محبت کرتا
ہے تم بھی اس سے کرو تو
پھر آسمان والے اس سے
محبّت کرتے ہیں پھر زمین
میں اس کی مقبولیت رکھی
جاتی ہے اور جب اللہ کسی
بندے سے بغض رکھتا ہے
تو جبریل کو بلا کر فرماتے ہیں
کہ میں فلاں سے بغض رکھتا
ہوں تم بھی اس سے بغض
رکھو۔ آپ نے فرمایا پھر
جبریل اس سے بغض رکھتا
ہے پھر اہل آسمان میں اعلان
کرتا ہے کہ اللہ فلاں سے
بغض رکھتا ہے تم بھی اس
سے بغض رکھو۔ آپ نے
فرمایا پھر وہ اس سے بغض
رکھتے ہیں پھر اہل زمین کے

الْبَغْضَآءُ فِی الْاَرْضِ — دلوں میں اس کا بغض رکھا جاتا ہے۔ (مسلم)

تشریح

یہاں اس باب میں آٹھ احادیث جمع کی گئی ہیں۔ پہلی حدیث ابی سعید سے منقول ہے۔ اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ارشاد ہیں۔ ایک یہ ہے کہ دوستی صرف مومن سے لگانا چاہیئے اور دوسرا یہ ہے کہ اپنا کھانا صرف مومن کو کھلانا چاہیئے۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث ہے۔ یہ اس پہلی حدیث کی تشریح ہے کیونکہ پہلی حدیث میں آچکا ہے کہ صرف مومن سے دوستی رکھو اور تمہارا کھانا صرف مومن کھائے اور اس حدیث میں اس کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ چونکہ آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے تو اسے دیکھنا چاہیئے کہ کس سے دوستی رکھنا ہے۔ دوست کے عقائد اور اخلاق اچھے ہونگے تو یہ اچھا تأثر قبول کرے گا۔ اور اگر بُرے ہوں گے تو یہ بُرا تأثر قبول کریگا۔ اس لیے اسے سوچ سمجھ کر اپنا دوست بنانا چاہیئے۔ اور اگرچہ یہاں دوسرا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ اس مومن کی صحبت سے وہ اچھا تأثر قبول کرے لیکن ہر مومن ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی صحبت سے دوسرا اچھا تأثر لے۔ اس لیے عموم کا لحاظ رکھ کر جناب نبی علیہ السلام نے عام مومن کے ایمان کا تحفظ فرمایا ہے۔

اس کے بعد تیسرے نمبر پر حضرت ابوہریرہؓ سے ایک اور مروی حدیث ہے اس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ آپس میں دوستی رکھنے والے اور محبت

رکھنے والے ایک مشرق اور دوسرا مغرب میں کیوں نہ ہو اللہ تعالے انہیں قیامت میں ضرور جمع فرمائیں گے اور انہیں یاد کرائیں گے کہ میں نے تمہیں تمہاری باہم محبت کی وجہ سے جمع کیا ہے اور چوتھے نمبر پر جو حدیث ہے یہ بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں خصوصی اعزاز بخشیں گے اور انہیں اپنے سایہ میں جگہ دیں گے۔

پانچویں نمبر پر جو حدیث ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے۔ اور چھٹے نمبر پر جو حدیث ہے یہ حضرت مقدام بن معدیکرب سے منقول ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے اگر ایک مومن کے دل میں دوسرے کی محبّت ہو تو اسے بتا دینا چاہیئے کہ میں تم سے صرف اللہ کی وجہ سے محبت رکھتا ہوں۔ ساتویں نمبر پر جو حدیث ہے یہ حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ جو مومن اللہ کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھیں، بیٹھیں اٹھیں۔ ایک دوسرے کی زیارت کرتے رہیں اور ایک دوسرے پر خرچ کرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن انہیں ایک اور اعزاز بھی عطا فرمائیں گے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نور کے منبروں پر بٹھائیں گے۔ جنہیں دیکھکر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور شہداء بھی رشک کریں گے اور آٹھویں نمبر پر جو حدیث ہے یہ بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے اس میں جناب نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ صرف یہ نہیں کہ جو اللہ کی وجہ سے آپس میں محبّت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ صرف ان سے ہی محبت کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کے فرشتوں میں اور اپنے تمام نیک بندوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کر دیتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ اللہ کے نیک بندے اس کی قدر و منزلت کرتے ہیں اور اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے بندوں کا احترام واکرام نہیں کرتے ان سے عداوت رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان سے عداوت رکھتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کے دلوں سے اس کا اکرام واحترام نکل جاتا ہے پس خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ ایک مومن کا بحیثیت مومن ہونے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا اونچا مقام ہے جہاں تک ہو سکے اس کا اکرام واحترام اور عزت کرنی چاہیئے اور اسکی توہین وتذلیل سے بچنا چاہیئے۔ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کا اپنا مقام پیدا ہو جائے گا ورنہ اس کا اپنا مقام گھٹ جائیگا

مومن سے لڑنے والا کافر اور اسے گالی دینے والا فاسق ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ (متفق علیہ)

عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو بُرا کہنا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

عَنْ اَنَسٍ وَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

انس اور ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
قَالَ اَلْمُسْتَبَّانِ	آپس میں دو بُرا کہنے والے
مَا قَالَا فَعَلَى	جو بُرا کہیں تو اس کا گناہ
الْبَادِيْ مَالَمْ يَعْتَدِ	ابتدار کرنے والے پر ہے
الْمَظْلُوْمُ -	جب تک کہ مظلوم حد
(مسلم)	سے نہ بڑھے ۔

تشریح

یہاں اس بحث میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزوں کی بُرائی بیان فرمائی ہے۔ پہلی چیز یہ ہے سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ۔ پہلے لفظ سباب ہے اس کا معنی کسی کو بُرا کہنا اور گالی دینا ہے اور اسکے بعد فسُوق ہے جو فِسق سے بنا ہے اور فسق کا معنی قانون شکنی کرنا اور حد توڑنا ہے اور اب پوری حدیث کا معنی یہ ہوا کہ مسلمان کو گالی دینا یا اس کو برا کہنا فسق ہے یعنی مسلمان کو گالی دینے والا یا اس کو بُرا کہنے والا اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑتا ہے اور وہ قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن مسلمان پر دوسرے مومن مسلمان کا اکرام و احترام واجب کیا ہے جس کی تفصیلات پہلے ابواب میں آچکی ہیں۔ اسے برا کہنے والا اور گالی دینے والا اس کی توہین کر کے اللہ تعالیٰ کے اس قانون کو توڑتا ہے اور یہ تو وہ صورت ہے کہ ایک مومن مسلمان دوسرے کو گالی دے اور وہ آگے سے اسے جواب نہ دے خاموش رہے اور اگر وہ اسے جواب دے

اس کے بعد حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ والی حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بیان فرمائی ہے کہ اس کا گناہ ابتداء کرنے والے پر عائد ہوگا یعنی فسق کا حکم اس پر لگایا جائے گا اور جو جواب دیتا ہے اس پر فسق کا حکم نہیں لگے گا۔ لیکن شرط یہ لگائی ہے کہ وہ جواب دینے والا حد سے نہ بڑھے۔ یعنی جو گالی اس نے دی ہے وہی گالی دے، اس گالی کو تبدیل نہ کرے اور زیادہ گالی نہ دے۔ اور اگر وہ اس حد سے بڑھ گیا تو پھر فسق کا گناہ اس پر بھی عائد ہوگا

عبداللہ بن مسعود والی حدیث میں دوسری چیز آپ نے یہ بیان فرمائی کہ مسلمان سے لڑنا کفر ہے۔ اس جملہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان کے ساتھ لڑنا حلال سمجھتا ہے تو یقیناً کافر ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے ساتھ لڑنا حرام قرار دیا ہے اور یہ اسے حلال سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے اور اگر وہ مسلمان کے ساتھ لڑنا حلال نہیں سمجھتا بلکہ گناہ سمجھتا ہے تو پھر اس کا یہ فعل ضرور کافروں والا ہے۔ بہرحال اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مومن مسلمان کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند ہے کہ جو اس کے ساتھ لڑنے کو حلال سمجھے اللہ تعالیٰ اس کو مسلمانوں کی صف سے نکال دیتا ہے۔

ایک مومن کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے

۶۶ سے لے کر ۴۷ تک جتنے عنوانات گزرے ہیں ان سب سے مومن کی عظمت اور شان کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کا مقام کتنا بلند و بالا ہے۔ آگے آنے والی آیات میں یہ بتایا جائے گا کہ مومن کا قتل سب کا قتل ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ	تو اہل کتاب کو آدم کے دو
ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ	بیٹوں کا قصہ صحیح پڑھ کر سنا
إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا	دے جب ان دونوں نے
فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا	قربانی کی۔ ان میں سے ایک
وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ	کی قربانی قبول ہو گئی اور
الْآخَرِ ط قَالَ	دوسرے کی نہ ہوئی۔ اس
لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا	نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا
يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ	اس نے جواب دیا اللہ
الْمُتَّقِينَ ٥ لَئِنْ	پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا
بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ	ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے
لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا	کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو
بِبَاسِطٍ يَدِيَ	میں تجھے قتل کرنے کے لیے
إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ج	ہاتھ نہ اٹھاؤں گا میں اللہ
إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ	رب العالمین سے ڈرتا ہوں

الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ	میں چاہتا ہوں کہ میرا اور
اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ	اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے
فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ	اور تو دوزخی بن جائے
النَّارِ ج وَذٰلِكَ	اور ظالموں کی یہی سزا ہے
جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝	پھر اس کے نفس نے
فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ	اپنے بھائی کے خون پہ
قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ	راضی کر لیا۔ پھر اسے مار
فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝	ڈالا۔ پھر اسے مار ڈالا
فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا	پس وہ نقصان اٹھانے
يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ	والوں میں سے ہو گیا۔ پھر
لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ	اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو
سَوْءَةَ اَخِيْهِ ط قَالَ	زمین کریدتا تھا تاکہ اسے
يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ	دکھائے کہ بھائی کی لاش
اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ	کو کس طرح چھپانا ہے
هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ	اس نے کہا افسوس مجھ پر
سَوْءَةَ اَخِيْ ج	میں اس کوّے جیسا بھی نہ
فَاَصْبَحَ مِنَ	ہو سکا کہ اپنے بھائی کی
النّٰدِمِيْنَ ۝ مِنْ	لاش کو چھپانے کی تدبیر
اَجْلِ ذٰلِكَ ج	کرتا پھر پچھتانے لگا اسی
كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ	سبب ہم نے بنی اسرائیل
اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ	پر لکھا۔ کہ جس نے کسی

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا	انسان کو خون کے بدلے
بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ	یا زمین میں فساد پھیلانے
فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا	کے سوا کسی اور وجہ
قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط	سے قتل کیا گویا اس نے
وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا	تمام انسانوں کو قتل کر دیا
اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ط	اور جس نے کسی کو زندگی
وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ	بخشی اس نے گویا تمام
رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ	انسانوں کو زندگی بخشی اور
ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا	ہمارے رسول انکے پاس
مِّنْهُمْ بَعْدَ	کھلے حکم لا چکے ہیں پھر ان
ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ	میں سے بہت لوگ اس
لَمُسْرِفُوْنَ ۝	کے بعد زمین میں زیادتیاں
(سورۃ المائدہ آیت ۲۷ تا ۳۲	کرنے والے ہیں ۔
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ	اور جب ہم نے تم سے
لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ	عہد لیا کہ آپس میں خونریزی
وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ	نہ کرنا ۔ اور اپنے لوگوں
مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ	کو جلا وطن نہ کرنا پھر تم
اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝	نے اقرار کیا ۔ اور تم خود
ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ	گواہ ہو پھر تم ہی وہ ہو
تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ	کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے
وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا	ہو ۔ اور ایک جماعت

مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ	کو اپنے میں سے ان کے
تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ	گھروں سے نکالتے ہو ان
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط	پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی
وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى	کرتے ہو اور اگر وہ تمہارے
تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ	پاس قیدی ہو کر آئیں تو
مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط	ان کا تاوان دیتے ہو۔
اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ	حالانکہ تم پر ان کا نکالنا
الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ	بھی حرام تھا کیا تم کتاب
بِبَعْضٍ ج فَمَا	کے ایک حصّہ پر ایمان رکھتے
جَزَاۤءُ مَنْ	ہو اور دوسرے حصّہ کا
يَّفْعَلُ ذٰلِكَ	انکار کرتے ہو پھر جو تم
مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ	میں ایسا کرے اس کی
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج	یہی سزا ہے کہ دنیا میں
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	ذلیل ہو اور قیامت کے
يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى	دن بھی سخت عذاب میں
اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا	دھکیلے جائیں۔ اور اللہ
اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا	اس سے بے خبر نہیں جو
تَعْمَلُوْنَ (بقرہ)	تم کرتے ہو۔

تفسیر

ان آیات سے ظاہری اور سرسری طور پر جو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

پہلے اجمالاً انہیں پیش کریں گے اور پھر تفصیل عرض کی جائیگی۔ اجمال یہ ہے کہ ان آیات سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی ابتداء حضرت آدم سے ہوئی۔ اور ناجائز قتل کی ابتداء بھی ان کی اولاد سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو مردے دفنانے کا طریقہ کوّے کے ذریعہ سے سکھایا مقتول کے گناہ قاتل پر ڈالے جائیں گے۔ قتل کی دنیوی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی۔ ایک مومن کا قاتل سب کا قاتل ہے۔ پہلی چیز جو قربانی ہے یہ لفظ قرب سے بنا ہے۔ اس کے معنی قریب اور نزدیک ہونے کے ہیں۔ اور اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جو اللہ تعالےٰ کے قریب اور نزدیک ہونے کا ذریعہ بنے۔ خواہ عبادت بدنی ہو یا مالی جہاد وغیرہ لیکن شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے نام پر خاص وقت میں جانور ذبح کرنے کو قربانی کہتے ہیں کیونکہ ان اوقات میں اس کے نام پہ جانور ذبح کرنے سے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور قرب حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور وقت میں حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ قربانی کا حکم تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں میں تھا اور حضورؐ کی شریعت میں اسکا حکم کی یہاں ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس تفصیل میں جانے سے مضمون لمبا ہو جائے گا۔

اور دوسرا ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز قتل کی ابتداء بھی حضرت آدم کی اولاد سے ہوئی۔ خلاصہ قصّہ کا یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کے جو لڑکا پیدا ہوتا اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی پیدا ہوتی۔ اسی طرح دوسرے بطن میں بھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوتی۔ اور ایک بطن کا لڑکا دوسرے بطن کی لڑکی سے اور دوسرے بطن کا لڑکا پہلے بطن

کی لڑکی سے بیاہ دیا جاتا۔ آدم علیہ السلام کی شریعت میں حسبِ ضرورت وقت پر افتراق بطون بمنزلہ افتراق نسب کے قرار دیا گیا تھا۔ اسی سلسلہ میں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام ہابیل رکھا اور دوسرے کا قابیل اور دونوں کے ساتھ ایک ایک لڑکی پیدا ہوئی اور حسب معمول ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن سے اور قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن سے تجویز ہوا اور قابیل کی بہن زیادہ حسین تھی۔ قابیل اس کا خواستگار رہا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے سمجھایا مگر وہ نہ مانا۔ آخر آدم علیہ السلام نے قطع حجت کے لیے یہ فیصلہ فرمادیا کہ دونوں اللہ کے نام کچھ نیاز کرو جس کی قبول ہو جائے وہ عورت اس کی رہی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ کامل یقین تھا کہ ہابیل حق پر ہے اس کی نیاز قبول ہو گی اس لیے یہ فیصلہ فرمادیا۔ تاکہ قابیل کے لیے پھر بحث و تکرار کی گنجائش نہ رہے۔ اور یہ مطلب بھی نہ تھا کہ قابیل کے لیے اس عورت کے حلال ہونے کا احتمال تھا۔ غرض دونوں نے اپنی اپنی نیاز حاضر کی۔ ہابیل تو ایک عمدہ دنبہ لایا۔ اور قابیل چند خوشے کسی غلہ کے لایا اور لاکر یہیں رکھ دیا۔ آسمان سے ایک آگ آئی اور ہابیل کی نیاز کو کھا گئی۔ اس وقت یہی علامت قبولیت کی تھی۔ جب قابیل اس فیصلہ میں بھی ہارا تو بقول

چوں حجّت نماند جفا جوئے را بہ پرخاش درہم کشد روئے را

بے چارے ہابیل کی جان کے درپے ہوا یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا لیکن یہ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی لاش کو کیونکہ چھپاؤں کہ آدم علیہ السلام کو اطلاع نہ ہو۔ یہاں تک کہ کوّے کے ذریعہ اس کو دفن کرنے کا طریقہ بتایا گیا اور اس وقت ہابیل کی عمر بیس ۲۰ سال تھی۔ (بیان القرآن مولانا اشرف علی تھانوی

بحوالہ ابن جریر عن ابن مسعود و ناس من الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کذا فی روح المعانی) اور کوّے کے کھودنے کی حکایت بطریق مذکور عبد ابن حمید اور ابن جریر نے عطیہ سے نقل کی ہے ہکذا فی الروح اور تتمہ قصہ کا نعیم بن حماد نے عبد الرحمان بن فضالہ سے نقل کیا ہے کہ اس کے قابیل کی عقل مسخ ہو گئی اور دل اس کا قابو میں نہ رہا مخبوط الحواس ہو گیا اور اسی بدحواسی اور پریشانی میں مر گیا۔ ہکذا فی الروح۔ یہ حالت بھی خسران دنیا میں داخل ہو سکتی ہے اور خسران آخرت کا ذکر حدیث صحیحین میں ابن مسعود سے اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جتنے خون ناحق ہوئے ہیں قاتل کے برابر اس کا گناہ اس قابیل کے نامہ اعمال میں بھی بوجہ اس کے بانی قتل ہونے کے لکھا جاتا ہے پس یہ آخرت کا خسران بھی دگنا ہوا۔

اور ہابیل نے جو اپنا دفاع نہ کیا اور کہا اِنِّیۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العلمین ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے علم نہیں تھا کہ مجھے اپنے دفاع کا حق حاصل ہے ورنہ شریعت میں اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اسے قتل کرنا چاہے اور یہ شخص قرائن قویہ سے یہ سمجھے کہ بدون اس کے کہ اس کو قتل کر دوں بچ نہیں سکتا تو اس کو قتل کر دینا جائز ہے اور اگر اس حیص بیص میں یہ مارا گیا تو شہید ہوگا۔ اور اگر یہ مدافعت نہ کرے بلکہ بے ہاتھ ہلائے مارا جائے تب بھی جائز ہے بلکہ بعض احادیث سے کہ ابو داؤد و ترمذی میں مروی ہے اس کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ سب مضامین احادیث میں ہیں البتہ جہاں انتقام انتقام و مدافعت میں اسلامی مصلحت و ضرورت ہو وہاں مدافعت و انتقام

واجب ہے جیسے کافروں اور باغیوں سے قتال کرنا۔ حدود وقصاص جاری کرنا
اوراس تقریر سے تمام نصوص ودلائل جمع ہوجاتے ہیں اور تیسرا اس سے یہ
معلوم ہوا کہ مقتول مظلوم کے گناہ قاتل پر ڈالے جاتے ہیں جیساکہ احادیث
میں تصریح موجود ہے کہ قیامت کے روز مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈالے جائیں
گے اس کا عذاب شدید اور مظلوم کا ہلکا ہوجائے گا۔ یہ تفسیر بیان القرآن سے
منقول ہے اور چوتھا اس سے یہ معلوم ہوا کہ توبہ سے قتل کا گناہ معاف نہیں
ہوتا کیونکہ اس آیت میں قابیل کی ندامت مذکور ہے اور پہلے احادیث کی
روشنی میں تصریح آچکی ہے کہ تا قیامت جتنے ناجائز قتل ہوں گے جتنا گناہ
قاتل کا ہوگا اتنا ہی گناہ قابیل کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اگر اس کی توبہ
منظور ہوجاتی تو اس کا یہ گناہ اس طرح نہ لکھا جاتا۔ اور اسی طرح توبہ سے قتل
دنیاوی کی سزا بھی معاف نہیں ہوتی۔ اس کی تفصیل عنقریب انشاءاللہ العزیز
بیان ہوگی۔ اور قابیل کو اللہ تعالیٰ نے آدم کے ہاتھ سے سزا دینے کی بجائے
خود سزا دی کہ وہ بدحواس ہوکر خود مرگیا۔

اور پانچواں اس سے یہ معلوم ہوا کہ (مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ)
ایک جان کا قاتل سب کا قاتل ہے۔ یہاں نفس کی تشریح میں تین احتمال ہیں
ایک یہ ہے کہ نفس سے مراد ہر وہ نفس ہوگا جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام
قرار دیا ہے سوائے قصاص اور فساد فی الارض کے۔ بعض مفسّرین اسی طرف
گئے ہیں۔ اور حضرت سعید بن جبیر نے اس کی تفسیر دم مسلم سے فرمائی ہے
اور مجاہد نے اس کی تفسیر نفس مومن سے فرمائی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مومن
مسلمان کا قتل سب کا قتل ہے اور مومن مسلمان کو زندہ چھوڑنا گویا سب کو
زندہ چھوڑنا ہے کیونکہ پہلے ہم عرض کر آئے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ایک مومن

مسلمان کو شجرہ طیبہ اور خیر البریہ قرار دیا ہے۔ اب اس کا قاتل جو ہوگا وہ شجرہ طیبہ کا منقطع کرنے والا اور سب مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو خیر کا باب کھولا ہے اس کا بند کرنے والا ہوگا۔ اور اسے زندہ چھوڑنے والا اس شجرہ طیبہ کو باقی رکھنے والا اور خیر کا باب کھلا چھوڑنے والا ہوگا۔ پس ایک مومن مسلمان کا قاتل پوری قوم کا قاتل ہے اور یہ قومی مجرم ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس بہت سے انبیاء علیہم السلام روشن دلائل لے کر آئے۔ یعنی قتل وغارت کے مذموم اور قبیح ہونے کے دلائل اور نقصانات انہیں سمجھائے اور اس کے سدّباب کے طریقے قصاص وغیرہ بھی انہیں بتائے مگر انہوں نے انبیاء کی تعلیمات کو نظر انداز کیا اور زمین میں اسراف کیا۔

اس کے بعد سورۃ بقرہ والی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس اسراف کی تشریح بیان فرمائی ہے کہ ان لوگوں نے زمین میں کشت وخون کیا اور پھر انہیں دنیا میں ذلت اٹھانی پڑے گی جیسا کہ کتب تواریخ اور تفاسیر میں موجود ہے کہ بنی اسرائیل پر ایک ایسا بھی دور آیا کہ پوری دنیا پر ان کی حکومت رہی ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور۔ اور یہ سب اسلامی اصول کی پیروی اور برکت کا نتیجہ تھا۔ اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور ختم ہوا تو اسلامی حکومت دو حصوں میں بٹ گئی اور بنی اسرائیل میں خون ریزی شروع ہوگئی اور دشمنوں نے پھر ان پر چڑھائی کی جس کے نتیجہ میں بیت المقدس کو بھی منہدم کر دیا گیا۔ یہ تو دنیاوی ذلت تھی اور اخروی ذلت قیامت میں ہوگی۔ بہر حال ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایک مومن بحیثیت مومن ہونے کے خیر اور بھلائی کا دروازہ ہے اور اسے توڑنا اور قتل کرنا شر کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔

صرف اظہار اسلام کرنے والا بھی مومن ہے اسے قتل کرنا جائز نہیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا	اے ایمان والو جب اللہ
اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ	کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا	کر لیا کرو۔ اور جو تم پر
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ	سلام کہے اسے مت کہو
اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ	تو مومن نہیں ہے۔ تم دنیا
لَسْتَ مُؤْمِنًا ج تَبْتَغُوْنَ	کی زندگی کا سامان چاہتے
عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ز	ہو سو اللہ کے ہاں بہت
فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ	غنیمتیں ہیں ۔ تم بھی تو
كَثِيْرَةٌ ط كَذٰلِكَ	اس سے پہلے ایسے ہی
كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ	تھے ۔ پھر اللہ نے تم پر
فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ	احسان کیا لہٰذا تحقیق سے
فَتَبَيَّنُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ	کام لیا کرو بے شک اللہ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝	تمہارے کاموں سے باخبر ہے

(سورۃ النساء آیت ۹۴)

تفسیر

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام شرعیہ کے جاری ہونے میں

مومن کے مومن ہونے کے لیے صرف ظاہری اسلام کافی ہے۔ جو شخص اسلام کا اظہار کرے اس کے قتل سے ہاتھ روکنا واجب ہے، اور محض شک وشبہ کی وجہ سے باطن کی تفتیش کرنا اور احکام اسلامیہ کے جاری کرنے میں اس کے یقینی ایمان کے ثبوت کا منتظر رہنا جائز نہیں، جیسا بعض صحابہ سے بعض غزوات میں اس قسم کی لغزش واقع ہوئی کہ بعض لوگوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا، لیکن بعض حضرات صحابہ نے انکی علامات اسلام کو کذب پر محمول کر کے قتل کر ڈالا، اور مقتول کا مال غنیمت میں لے لیا، اللہ تعالیٰ نے اس کا انسداد فرمایا، اور چونکہ اس وقت تک صحابہ کو یہ مسئلہ واضح طور پر معلوم نہ تھا اس لیے صرف فہمائش پر اکتفا کیا، اور اس فعل پر ان کے لیے کوئی وعید نازل نہیں فرمائی۔ (بیان القرآن)

مسلمان سمجھنے کے لیے علاماتِ اسلام کافی ہیں، باطن کی تفتیش کرنا جائز نہیں

مذکورہ آیت میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جو شخص اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرے تو کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ بغیر تحقیق کے اس کے قول کو نفاق پر محمول کرے۔ اس آیت کے نزول کا سبب کچھ ایسے واقعات ہیں جن میں بعض صحابۂ کرام سے اس بارہ میں لغزش ہوگئی تھی۔

چنانچہ ترمذی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے منقول ہے کہ قبیلہ بنو سلیم کا ایک آدمی صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے

ملا جب، کہ یہ حضرات جہاد کے لیے جا رہے تھے۔ یہ آدمی اپنی بکریاں چرا رہا تھا، اس نے حضرات صحابہؓ کو سلام کیا جو عملاً اس چیز کا اظہار تھا، کہ میں مسلمان ہوں، صحابہ کرام نے سمجھا کہ اس وقت اس نے محض اپنی جان و مال بچانے کے لیے یہ فریب کیا ہے کہ مسلمانوں کی طرح سلام کر کے ہم سے بچ نکلے، چنانچہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا، اور اس کی بکریوں کو مالِ غنیمت قرار دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو شخص آپ کو اسلامی طرز پر سلام کرے تو بغیر تحقیق کے یہ نہ سمجھو کہ اس نے فریب کی وجہ سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا ہے، اور اس کے مال کو مالِ غنیمت سمجھ کر حاصل نہ کرو (ابن کثیر)

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک دوسری روایت ہے جس کو بخاری نے مختصراً اور بزار نے مفصلاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ مجاہدین کا بھیجا، جن میں حضرت مقداد بن اسود بھی تھے، جب وہ موقع پر پہنچے تو سب لوگ بھاگ گئے، صرف ایک شخص رہ گیا، جس کے پاس بہت مال تھا، اس نے صحابہ کرامؓ کے سامنے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، مگر حضرت مقدادؓ نے یہ سمجھ کر کہ دل سے نہیں کہا، بلکہ محض جان و مال بچانے کے لیے کلمۂ اسلام پڑھ رہا ہے اس کو قتل کر دیا، حاضرین میں سے ایک صحابی نے کہا کہ آپ نے بُرا کیا، کہ ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دی تھی، میں اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو اس واقعہ کا ذکر ضرور کروں گا۔ جب یہ لوگ مدینہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا، آپؐ نے حضرت مقدادؓ کو بلا کر سخت

سخت تنبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ بروز قیامت تمہارا کیا جواب ہوگا، جب کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تمہارے مقابلہ میں دعویدار ہوگا۔ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ

مذکورہ آیت کے بارہ میں ان دو واقعات کے علاوہ دوسرے واقعات بھی منقول ہیں، لیکن محققین اہل تفسیر نے فرمایا کہ ان روایات میں تعارض نہیں ہوسکتا، کہ یہ چند واقعات مجموعی حیثیت سے نزول کا سبب ہوئے ہوں۔

آیت کے الفاظ میں اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ ارشاد ہے اس میں لفظ "سلام" سے اگر اصطلاحی سلام مراد لیا جائے تب تو پہلا واقعہ اس کے ساتھ زیادہ چسپاں ہے، اور اگر سلام کے لفظی معنی سلامت اور اطاعت کے لیے جائیں تو یہ سب واقعات اس میں برابر ہیں، اسی لیے اکثر حضرات نے "سلام" کا ترجمہ اس جگہ اطاعت کا کیا ہے۔

واقعہ کی تحقیق کے بغیر فیصلہ کرنا جائز نہیں

اس آیت کے پہلے جملہ میں ایک عام ہدایت ہے کہ مسلمان کوئی کام بے تحقیق محض گمان پر نہ کریں، ارشاد ہے اِذَا ضَرَبْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا، "یعنی جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام تحقیق کے ساتھ کیا کرو"۔ محض خیال اور گمان پر کام کرنے سے

بسا اوقات غلطی ہوجاتی ہے۔ اس میں سفر کی قید بھی اس وجہ سے ذکر کی گئی کہ یہ واقعات سفر ہی میں پیش آئے، یا اس وجہ سے کہ شبہات عموماً سفر میں پیش آتے ہیں، اپنے شہر میں ایک دوسرے کے حالات سے عموماً واقفیت ہوتی ہے، ورنہ اصل حکم عام ہے۔ سفر میں ہو یا حضر میں بغیر تحقیق کے کسی عمل پر اقدام جائز نہیں، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "سوچ سمجھ کر کام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جلد بازی شیطان کی طرف سے" (بحر محیط)

دوسرے جملہ یعنی تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا، میں اسی روگ کی اصلاح ہے جو اس غلطی پر اقدام کرنے کا باعث ہوا یعنی دنیا کی دولت مال غنیمت حاصل ہونیکا خیال۔

آگے یہ بھی بتلا دیا کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے اموال غنیمت بہت سے مقرر اور مقدر کر رکھے ہیں، تم اموال کی فکر میں نہ پڑو اس کے بعد ایک اور تنبیہ فرمائی کہ ذرا اس پر بھی تو نظر ڈالو کہ پہلے تم میں بھی تو بہت سے حضرات ایسے ہی تھے کہ مکہ مکرمہ میں اپنے اسلام و ایمان کا اعلان نہیں کر سکتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ کفار کے نرغہ سے نجات دیدی، تو اسلام کا اظہار کیا، تو کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ شخص جو لشکر اسلام کو دیکھ کر کلمہ پڑھ رہا ہے وہ حقیقتہً پہلے سے اسلام کا معتقد ہو مگر کفار کے خوف سے اسلام کا اظہار نہیں کرنے پایا تھا، اس وقت اسلامی لشکر کو دیکھ کر اظہار کیا، یا کہ شروع میں جب تم نے کلمہ اسلام کو پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہا تو اس وقت تمہیں مسلمان قرار دینے کے لیے شریعت نے یہ قید نہیں لگائی تھی کہ تمہارے دلوں کو

ٹٹولیں، اور دل میں اسلام کا ثبوت ملے، تب تمہیں مسلمان قرار دیں، بلکہ صرف کلمۂ اسلام پڑھ لینے کو تمہارے مسلمان قرار دینے کے لیے کافی سمجھا گیا تھا، اسی طرح اب جو تمہارے سامنے کلمہ پڑھتا ہے اس کو بھی مسلمان سمجھو،

اہلِ قبلہ کو کافر نہ کہنے کا مطلب

اس آیت کریمہ سے یہ اہم مسئلہ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بتلاتا ہو خواہ کلمہ پڑھ کر یا کسی اور اسلامی شعار کا اظہار کر کے مثلاً اذان، نماز وغیرہ میں شرکت کرے تو مسلمان پر لازم ہے کہ اس کو مسلمان سمجھیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کریں، اس کا انتظار نہ کریں کہ وہ دل سے مسلمان ہوا ہے یا کسی مصلحت سے اسلام کا اظہار کیا ہے۔

نیز اس معاملہ میں اس کے اعمال پر بھی مدار نہ ہوگا، فرض کر لو کہ وہ نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا اور ہر قسم کے گناہوں میں ملوث ہے پھر بھی اس کو اسلام سے خارج کہنے کا یا اس کے ساتھ کافروں کا معاملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں، اسی لیے امام اعظمؒ نے فرمایا لا نکفر اھل القبلۃ بذنب، "یعنی ہم اہلِ قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے"۔ بعض روایات حدیث میں بھی اس قسم کے الفاظ مذکور ہیں، کہ اہلِ قبلہ کو کافر نہ کہو، خواہ وہ کتنا ہی گنہگار بدعمل ہو،

مگر یہاں ایک بات خاص طور پر سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہے کہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کو کافر کہنا یا سمجھنا جائز نہیں، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب تک اس سے

کسی ایسے قول و فعل کا صدور نہ ہو جو کفر کی یقینی علامت ہے اس وقت تک اس کے اقرارِ اسلام کو صحیح قرار دے کر اس کو مسلمان کہا جائے گا، اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے، اس کی قلبی کیفیات اخلاص یا نفاق سے بحث کرنے کا کسی کو حق نہ ہو گا۔

لیکن جو شخص اظہارِ اسلام اور اقرارِ ایمان کے ساتھ ساتھ کچھ کلماتِ کفر بھی بکتا ہے یا کسی بُت کو سجدہ کرتا ہے، یا اسلام کے کسی ایسے حکم کا انکار کرتا ہے جس کا اسلامی حکم ہونا قطعی اور بدیہی ہے، یا کافروں کے کسی مذہبی شعار کو اختیار کرتا ہے جیسے گلے میں زنّار وغیرہ ڈالنا وغیرہ، وہ بلاشبہ اپنے اعمالِ کفریہ کے سبب کافر قرار دیا جائے گا۔ آیت مذکور میں لفظ تَبَيَّنُوا سے اس کی طرف اشارہ موجود ہے ورنہ یہود و نصاریٰ تو سب ہی اپنے آپ کو مومن مسلمان کہتے ہیں اور مسیلمہ کذاب جس کو باجماع صحابہ کافر قرار دے کر قتل کیا گیا وہ تو صرف کلمہ اسلام کا اقراری نہیں بلکہ اسلامی شعائر نماز، اذان وغیرہ کا بھی پابند تھا۔ اپنی اذان میں أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی کہلواتا تھا مگر اس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو بھی نبی اور رسول صاحب وحی کہتا تھا، جو نصوص قرآن و سنت کا کھلا ہوا انکار تھا، اسی کی بناء پر اس کو مرتد قرار دیا گیا اور اس کے خلاف باجماعِ صحابہ جہاد کیا گیا۔

خلاصہ مسئلہ کا یہ ہو گیا کہ ہر کلمہ گو اہلِ قبلہ کو مسلمان سمجھو اس کے باطن اور قلب میں کیا ہے، اس کی تفتیش انسان کا کام نہیں، اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرو، البتہ اظہارِ ایمان کے ساتھ خلافِ ایمان کوئی بات سرزد ہو تو اس کو مرتد سمجھو، بشرطیکہ اس کا خلافِ ایمان ہونا قطعی اور یقینی ہو، اور اس

میں کوئی دوسرے احتمال یا تاویل کی راہ نہ ہو،

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لفظ "کلمہ گو" یا "اہل قبلہ" یہ اصطلاحی الفاظ ہیں جن کا مصداق صرف وہ شخص ہے جو مدعیٔ اسلام ہونے کے بعد کسی کافرانہ قول و فعل کا مرتکب نہ ہو۔

مومن کے قاتل کی دنیوی اور اخروی سزا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ

اے ایمان والو مقتولوں میں برابری کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے۔ آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے۔ پس جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی معاف کیا جائے تو دستور کے موافق مطالبہ کرنا چاہیئے اور اسے نیکی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے۔ پس جو اسکے بعد زیادتی کرے تو اس کے

اَلِیۡمٌ ۝ وَلَکُمۡ فِی	لیے دردناک عذاب ہے
الۡقِصَاصِ حَیٰوۃٌ	اور اے عقلمندو تمہارے
یّٰاُولِی الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّکُمۡ	لیے قصاص میں زندگی ہے
تَتَّقُوۡنَ ۝	تاکہ تم (خون ریزی سے)
(سورۃ البقرہ آیت ۱۷۸-۱۷۹)	بچو۔
فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ	پس جو تم پر زیادتی کرے
فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡہِ	تو زیادتی کرو اس پر جیسا
بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی	اس نے تم پر زیادتی کی
عَلَیۡکُمۡ (بقرہ آیت ۲۹)	ہے۔
وَمَا کَانَ لِمُؤۡمِنٍ	کسی مومن کی یہ شان نہیں
اَنۡ یَّقۡتُلَ مُؤۡمِنًا	کہ کسی مومن کو قتل کرے
اِلَّا خَطَـًٔا ج وَمَنۡ	مگر غلطی سے۔ اور جو
قَتَلَ مُؤۡمِنًا خَطَـًٔا	مومن کو غلطی سے قتل کرے
فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مُّؤۡمِنَۃٍ	تو ایک مومن گردن آزاد
وَّدِیَۃٌ مُّسَلَّمَۃٌ	کرے اور مقتول کے وارثوں
اِلٰۤی اَہۡلِہٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ	کو خون بہا دے مگر یہ کہ
یَّصَّدَّقُوۡا ط فَاِنۡ	وہ خون بہا معاف کر دے
کَانَ مِنۡ قَوۡمٍ عَدُوٍّ	پھر اگر وہ مقتول مومن
لَّکُمۡ وَہُوَ مُؤۡمِنٌ	تمہاری دشمن قوم سے ہو
فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ	تو ایک مومن غلام آزاد
مُّؤۡمِنَۃٍ ط وَاِنۡ	کرنا ہے اور اگر وہ مقتول

كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ج فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۔

(سورۃ النساء آیت ۹۲-۹۳)

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ

مومن کسی ایسی قوم سے ہے کہ جس سے تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائیگا اور ایک مومن غلام آزاد کرنا ہوگا پھر جو غلام نہ پائے وہ پے در پے دو مہینے روزے رکھے اللہ سے گناہ بخشوانے کے لیے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اور جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اس نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے۔

اور ہم نے ان پر اس توراۃ میں لکھا کہ جان بدلے

بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ
بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ
بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ
بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ
بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ
قِصَاصٌ فَمَنْ
تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ
كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ
لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
وَقَفَّيْنَا عَلٰٓي
اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى
ابْنِ مَرْيَمَ
مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ
الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ
هُدًى وَّنُوْرٌ
وَّمُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ

جان کے۔ اور آنکھ بدلے
آنکھ کے اور ناک بدلے
ناک کے اور کان بدلے
کان کے اور دانت بدلے
دانت کے اور زخموں
کا بدلہ ان کے برابر ہے
پھر جس نے معاف کر
دیا تو وہ گناہ سے پاک
ہو گیا اور جو کوئی اس کے
موافق حکم نہ کرے جو
اللہ نے اتارا تو وہ ظالم
ہے۔ اور ہم نے انہیں کے
پیچھے انہیں کے قدموں پر
عیسیٰ مریم کے بیٹے کو بھیجا
جو اپنے سے پہلی کتاب
توراۃ کی تصدیق کرنے والا
تھا اور ہم نے اسے
انجیل دی جس میں ہدایت
اور روشنی تھی اور اپنے
سے پہلی کتاب توراۃ کی
تصدیق کرنے والی تھی۔

التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّ
مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝
وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ
الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ فِيْهِ ط وَمَنْ
لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا
عَلَيْهِ فَاحْكُمْ
بَيْنَهُمْ بِمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ
اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا
جَآءَكَ مِنَ
الْحَقِّ ط
(سورۃ المائدہ آیت ۴۵ تا ۴۸)

اور راہ بتانے والی تھی
اور ڈرنے والوں کے
لیے نصیحت تھی اور چاہیے
کہ انجیل والے اس کے
موافق حکم کریں جو اللہ
نے اس میں اتارا ہے اور
جو شخص اس کے موافق
حکم نہ کرے سو وہی
نافرمان ہیں ۔ اور ہم نے
تم پہ سچی کتاب اتاری ہے
جو اپنے سے پہلی کتابوں
کی تصدیق کرنے والی ہے
اور ان کے مضامین پر
نگہبانی کرنے والی ہے
تو تُو ان کے مابین اس
کے موافق حکم کر جو اللہ
نے اتارا ہے اور ان کی
خواہشات کی پیروی مت
کر اس لیے کہ تیرے پاس
حق آگیا ہے ۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
اور جس جان کو قتل کرنا

الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ	اللہ نے حرام کر دیا ہے
اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ وَمَنۡ	اسے ناحق قتل نہ کرنا اور
قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ	جو کوئی ظلم سے مارا جائے
جَعَلۡنَا لِوَلِیِّہٖ	تو ہم نے اس کے ولی
سُلۡطٰنًا فَلَا یُسۡرِفۡ	کے واسطے اختیار دے
فِّی الۡقَتۡلِ ؕ اِنَّہٗ	دیا ہے لہٰذا قصاص میں
کَانَ مَنۡصُوۡرًا ○	زیادتی نہ کرے بے شک
(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۳)	اس کی مدد کی گئی ہے

تفسیر

یہاں اس باب میں نو آیات نقل کی گئی ہیں۔ پہلی دو آیتیں سورۃ بقرہ کی ہیں ان میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ قصاص تم پر فرض کیا گیا ہے۔ لفظ قصاص کے لغوی معنی مماثلت کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں قصاص کہا جاتا ہے۔ قتل کرنے اور زخم لگانے کی اس سزا کو جس میں مساوات اور مماثلت کی رعایت کی گئی ہو۔ اس آیت میں آزاد کے مقابل آزاد اور عورت کے مقابل عورت کا جو ذکر آیا ہے یہ اس خاص واقعہ کی بنا پر ہے جس میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ابن کثیر نے باسناد ابن ابی حاتم نقل کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے کچھ پہلے دو عرب قبیلوں میں جنگ ہو گئی۔ طرفین کے بہت سے آدمی آزاد غلام مرد اور عورتیں قتل ہو گئے۔ ابھی ان کے معاملہ کا تصفیہ ہونے نہیں پایا تھا کہ زمانہ اسلام شروع ہو گیا۔ اور یہ دونوں قبیلے اسلام میں داخل ہو گئے

اسلام لانے کے بعد ان میں اپنے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی گفتگو شروع ہوئی۔ تو ایک قبیلہ جو قوت اور شوکت والا تھا اس نے کہا ہم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک کہ ہمارے غلام کے بدلے میں تمہارا آزاد آدمی۔ اور عورت کے بدلے میں تمہارا مرد نہ قتل کیا جائے۔ انکے جاہلانہ اور ظالمانہ مطالبہ کی تردید کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی جس کا حاصل ان کے اس مطالبہ کا رد کرنا تھا۔ کہ غلام کے بدلے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے اگرچہ وہ قاتل نہ ہو۔

اسلام نے اپنا عادلانہ قانون یہ نافذ کر دیا کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے۔ اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو قتل کرنا اور اسی طرح قاتل اگر غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بیگناہ آزاد کو قتل کرنا ظلم عظیم ہے جو اسلام میں قطعاً برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا حاصل اس کے سوا کوئی نہیں کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ عورت ہو یا غلام، قاتل عورت اور غلام کے بجائے بے گناہ مرد یا آزاد کو قتل کرنا جائز نہیں آیت کا یہ مطلب نہیں کہ عورت کو کوئی مرد قتل کر دے یا غلام کو کوئی آزاد قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ قرآن مجید کی اسی آیت کے شروع میں اَلْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اس عموم کی واضح دلیل ہے۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع)

اور دوسری یہ بیان فرمائی کہ اگر قاتل کو اپنے مسلمان بھائی کی طرف سے کچھ معافی مل جائے تو دستور کے موافق مطالبہ کرنا چاہیئے اور نیکی کے ساتھ

اسے ادا کرنا چاہیئے۔ اب یہ دستور کیا ہے مطالبہ کیا ہے ؟ اسکی تفصیل عنقریب بیان ہو گی۔ اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ یہ معافی کی صورت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخفیف ہے اور رحمت ہے ورنہ اگر قصاص ہی رکھ دیا جاتا تو مشکلات ہوتیں۔ چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ معافی کے بعد فریقین میں سے کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے ورنہ اس کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ یہ دردناک عذاب دُنیاوی بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو اس کے جُرم کے موافق سزا ملے گی اور اُخروی بھی ہو سکتا ہے۔ اور پانچویں چیز قصاص کا فائدہ بیان فرمایا ہے کہ اس میں باقی معاشرے کی بقا ہے ورنہ اگر خونریزی چل پڑی تو پورا معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔

اس کے بعد سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۴ کا ایک جملہ ہے یہ لفظ قصاص کی تشریح ہے کہ جو کسی پر زیادتی کرے اس پر اسی کے مثل زیادتی ہونا چاہیئے اس کے بعد سورۃ النساء کی آیت ۹۲-۹۳ ہیں۔ یہ بھی سورۃ بقرہ کی آیات کی توضیح اور تشریح ہیں کیونکہ سورۃ بقرہ میں قصاص کا ذکر فرمایا ہے اور اَدَاءٌ کا ذکر فرمایا ہے اور قصاص کا معنیٰ مماثلت ہے اور یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ مماثلت قتل عمد میں ہے یا خطا میں ہے۔ نیز یہ بھی بیان نہیں فرمایا کہ اَدَاءٌ سے کیا مراد ہے ؟ اور یہ بھی بیان نہیں فرمایا کہ مقتول ملکی ہو تو کیا حکم ہے اور غیر ملکی ہو تو کیا حکم ہے۔ مسلم ہو تو کیا اور غیر مسلم ہو تو کیا حکم ہے ؟ سورۃ النساء کی ان آیات میں اس کی کچھ تفصیل آگئی ہے۔ پہلے یہ بیان فرمایا ہے کسی مومن کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو قتل کرے اور اگر اس کے ہاتھ سے کوئی مومن قتل ہو ہی جائے تو پھر اسکی دو صورتیں ہیں کہ اگر قتل غلطی سے ہو گیا ہے تو قاتل کو ایک گردن مومن آزاد کرنا ہے

یعنی غلام۔ اور مقتول کے وارثوں کو دیت (خون بہا) بھی ادا کی جائے گی۔ ہاں اگر وہ معاف کر دیں اور اگر وہ مقتول مومن غیر مسلم حکومت کا باشندہ ہو تو اس وقت صرف مومن گردن ہی (غلام) آزاد کرنا ہے۔ اور اگر وہ مقتول خواہ مومن ہو یا غیر مومن مگر کسی کافر حکومت کا باشندہ ہو اور مسلمانوں کا اس سے معاہدہ ہو تو اس وقت (رقبہ مومن) غلام مومن بھی آزاد کرنا ہے اور اس کے وارثوں کو خون بہا بھی دینا ہے۔ اور اگر غلام نہ ہو تو دو ماہ پے در پے روزے رکھنا ہے۔ اگر کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیتوں میں سے پہلے جملہ میں قتل عمد کی دنیاوی سزا بیان فرمائی ہے کہ جان کے بدلے جان ہے یعنی قاتل کو مقتول کے بدلے میں مارا جائے اور اس کے بعد اعضاء کے بدلے اعضاء اور خون کے بدلے زخمی کرنے کا قصاص بیان فرما دیا ہے۔ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا یعنی معاف کرنے والے کے اپنے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ جو حکام قصاص کا یہ فیصلہ نافذ نہیں کریں گے تو وہ ظالم ہیں یعنی ظالم کے ساتھ وہ بھی برابر کے شریک ہیں اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ توراۃ اور انجیل کے اندر بھی یہی حکم تھا۔ اور اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو جو قرآن مجید دیا گیا ہے اس میں بھی یہی حکم ہے۔

اس کے بعد سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۳۳ ہے۔ یہ بھی لفظ قصاص کی تشریح ہے کیونکہ اس سے پہلے جتنی آیات کی تشریح ہوئی ہے ان میں

یہ تو آیا ہے کہ قصاص ہے لیکن یہ وضاحت نہیں ہے کہ قصاص کس نے لینا ہے اور سورۃ بنی اسرائیل کی اس آیت نے بتا دیا ہے کہ قصاص مقتول کے وارثوں نے لینا ہے لیکن آگے انہیں بھی ہدایت فرما دی ہے کہ قصاص میں اسراف نہ کریں۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْرًا۔ یہاں اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع ولی مقتول بھی ہو سکتا ہے تو پھر مقصد یہ ہو گا کہ جب اس کی اتنی نصرت کی گئی ہے تو اسے پھر زیادتی نہیں کرنا چاہیئے اور اس کا مرجع مقتول بھی ہو سکتا ہے اس کا مقصد ایک ہی ہے اور وارثوں کے تسلط سے مراد وقتی حکومت سے مطالبہ کرنا ہے کہ وہ اس کی تحقیق کرے اور قصاص کی سزا پھر حکومت نے نافذ [illegible] صحابہ کا اس پر اجماع ہے اس سے پہلے باب قصاص کے سلسلہ میں جو تفسیر اور توضیح عرض کی گئی ہے وہ تو وہ ہے جو قرآن مجید کی مختلف آیات کو ترتیب اور تطبیق دینے سے سرسری طور پر معلوم ہوتی ہے اور اب وہ تفسیر عرض کی جائے گی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود بیان فرمائی ہے۔

خونِ ناحق کی اُخروی سزا احادیث کی روشنی میں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ	عبداللہ بن مسعود سے روایت
مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ	ہے کہ جناب رسول اللہ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ	قیامت کے دن لوگوں کے
مَا يُقْضٰى بَيْنَ	درمیان سب سے پہلے

النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِي الدِّمَآءِ (متفق علیہ)

خونِ ناحق میں فیصلہ کیا جائے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا (بخاری)

عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو معاہدہ (ذمی یا مستامن) کرنے والے کو قتل کرے گا وہ جنّت کی خوشبو نہیں سونگھے گا اور اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پائی جائے گی۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اشْتَرَكُوْا فِيْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَاَكَبَّهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ۔ (ترمذی)

ابی سعید اور ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آسمان اور زمین کے رہنے والے سارے ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سب کو آگ میں ڈالے گا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ

ابن عباس رضؓ نے نبی صلی اللہ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجِيْئُ الْمَقْتُوْلُ بِالْقَاتِلِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ نَاصِيَتُهٗ وَرَاْسُهٗ بِيَدِهٖ وَاَوْدَاجُهٗ تَشْخُبُ دَمًا يَقُوْلُ يَا رَبِّ قَتَلَنِيْ حَتّٰى يُدْنِيَهٗ مِنَ الْعَرْشِ۔

(ترمذی)

علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا قیامت کے دن مقتول قاتل کو لائے گا اس حال میں کہ اس کی پیشانی اور اس کا سر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا کہے گا اے میرے رب اس نے مجھے قتل کیا ہے یہاں تک کہ اس کو عرش کے قریب کریگا

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّغْفِرَهٗ اِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا اَوْ مَنْ يَّقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا۔

(ابوداؤد۔ نسائی)

ابی درداء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا شاید کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف فرما دے مگر جو مشرک مرے یا کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے۔

عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ	جندب نے کہا کہ مجھے فلاں
حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ	نے حدیث سُنائی ہے کہ
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	وسلم نے فرمایا قیامت
قَالَ یَجِیْئُ الْمَقْتُوْلُ	کے دن مقتول قاتل کو
بِقَاتِلِہٖ یَوْمَ	لائے گا اور کہے گا اے
الْقِیٰمَۃِ فَیَقُوْلُ	اللہ اس سے پوچھ اس
سَلْ ھٰذَا فِیْمَ	نے مجھے کس کے باعث
قَتَلَنِیْ فَیَقُوْلُ	قتل کیا تھا۔ وہ کہے گا
قَتَلْتُہٗ عَلٰی	کہ فلاں ملکی یا مِلک کی
مُلْکِ فُلَانٍ قَالَ	وجہ سے۔ جندب نے
جُنْدُبٌ فَاتَّقِھَا۔	کہا اس سے بچ۔

(نسائی)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ	ابوہریرہ سے روایت
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ	ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ	علیہ وسلم نے فرمایا جو
وَسَلَّمَ مَنْ اَعَانَ	شخص مدد کرے کسی
عَلٰی قَتْلِ مُؤْمِنٍ	مومن کے قتل پر آدھے
شَطْرَ کَلِمَۃٍ لَقِیَ	کلمہ کے برابر تو ملے گا
اللّٰہَ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ	اللہ تعالیٰ سے اس حال
عَیْنَیْہِ آیِسٌ مِنْ	میں کہ آنکھوں کے درمیان

رحمۃ اللہ۔ لکھا ہوا ہوگا۔ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے۔

(ابن ماجہ)

تشریح احادیث

یہاں اس بحث میں کل سات احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ سب احادیث قرآن مجید کی سورۃ النساء کی آیت ۹۳ کی تشریح اور تفسیر ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ آدمی کسی مومن کو جان بوجھ کر قصداً اور بالارادہ قتل کرے تو اس کی جزا دوزخ ہے اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے دُور ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے مگر یہ آیت کریمہ مجمل ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اس کی پوری تفصیل بیان فرمائی ہے۔

یہاں پہلی حدیث عبداللہ بن مسعودؓ والی ہے اس میں یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے فیصلہ ہی قتل کے بارے میں ہوگا اور بعض دوسری احادیث سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے فیصلہ نماز کے بارے میں ہوگا۔ تو یہ دونوں احادیث میں تعارض ہوگیا ہے تو محدثین حضرات نے ان کے درمیان تطبیق یوں بیان فرمائی ہے "کہ حقوق اللہ میں تو سب سے پہلے فیصلہ نماز کے بارے میں ہوگا اور حقوق العباد میں سب سے پہلے فیصلہ قتل کے بارے میں ہوگا"۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ قتل ناحق بڑا سنگین جرم ہے تب ہی تو

سب سے پہلے حقوق العباد میں قتل کا فیصلہ ہوگا اور یہاں دوسری حدیث عبداللہ بن عمرو والی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو آدمی کسی معاہد کو قتل کرے گا وہ جنّت کی خوشبو نہیں سونگھے گا یعنی معاہد کا قاتل بھی دوزخی ہوگا اور معاہد سے مراد وہ کافر ہے جسے اسلامی حکومت اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دیدے یہ اجازت اگر کسی کو ہمیشہ کے لیے دیدی گئی ہو تو وہ ذمّی کہلاتا ہے یعنی حکومت اس کی جان، مال اور آبرو کے تحفظ کی ذمہ داری اٹھا لیتی ہے اور اس کے ساتھ باقاعدہ معاہدہ ہوتا ہے اس کے لیے اس کو معاہد بھی کہتے ہیں۔ اور اگر یہ اجازت اسے چند روزہ یا چند ماہ وغیرہ کے لیے دے دی گئی ہو تو اسے مستامن کہتے ہیں۔ یعنی اسلامی مملکت سے باقاعدہ معاہدہ کے تحت رہنے والا۔ اور اب ان دونوں کا ہر قسم کا تحفظ اسلامی گورنمنٹ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان اسے قتل کردے تو اس کے بدلے قصاص بھی ہے جس کی تفصیل عنقریب آئے گی اور اسکی اُخروی سزا دوزخ ہے۔

یہاں تیسری حدیث حضرت ابی سعید اور حضرت ابوہریرہ والی ہے اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر آسمان اور زمین کے رہنے والے سارے ایک مومن کے قتل میں شریک ہوگئے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو دوزخ میں ڈالیں گے اور یہاں چوتھی حدیث ابن عباس والی ہے اس میں جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو پیشانی اور سر سے پکڑ کر اللہ کے دربار میں پیش کرے گا اور کہے گا کہ اس نے مجھے قتل کیا ہے۔

اس کے بعد جندب والی چھٹی حدیث میں ہے کہ مقتول اللہ کے دربار میں عرض کرے گا کہ اے اللہ اس سے پوچھیں اس نے مجھے کیوں قتل کیا ہے پھر اس سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے تو وہ کہے گا کہ فلاں کے ملک یا ملک کی وجہ سے قتل کیا تھا اور پانچویں حدیث جو ابی درداء سے منقول ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ ہر گناہ بخش دے مگر مشرک اور مومن کو جو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی بخشش نہیں ہوگی

اس کے بعد ساتویں نمبر پہ جو حضرت ابوہریرہ والی حدیث ہے اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک کلمہ سے بھی قاتل کا تعاون کرے گا تو قیامت کے دن اس کی پیشانی پہ یہ لکھا ہوا ہو گا کہ یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے یعنی یہ بھی دوزخی ہو گا یہاں تک تو وہ احادیث نقل کی گئی ہیں جن میں قتل ناحق کی اخروی سزا مذکور ہے اور اب آئندہ وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن میں قتل ناحق کی دنیاوی سزا مذکور ہے۔

مومن مسلمان کا قتل حرام ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ	عبداللہ بن مسعود سے
ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ	روایت ہے کہ جناب
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى	رسول اللہ صلی اللہ علیہ
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	وسلم نے فرمایا جو مسلمان
لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ	آدمی یہ شہادت دے

مُسْلِمٍ یَشْهَدُ	کہ اللہ کے سوا کوئی معبود
اَنْ لَّا اِلٰهَ	نہیں اور کہ میں اللہ کا
اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّیْ	رسول ہوں۔ اس کا خون
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا	روا نہیں ہے سوائے
بِاِحْدٰی ثَلٰثٍ	تین آدمیوں کے، جان
اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ	بدلے جان کے۔ شادی
وَالثَّیِّبُ الزَّانِیْ	شدہ زانی اور دین سے
وَالسَّارِقُ لِدِیْنِهٖ	نکلنے والا یعنی مسلمانوں
وَالتَّارِکُ لِلْجَمَاعَةِ	کی جماعت سے الگ
(بخاری)	ہونے والا۔
عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ	ابی امامہ بن سہل بن حنیف
ابْنِ سَهْلِ ابْنِ	سے روایت ہے کہ
حَنِیْفٍ اَنَّ عُثْمَانَ	عثمان بن عفان محاصرہ
ابْنَ عَفَّانَ اَشْرَفَ	کے محاصرہ کے دن بلند
یَوْمَ الدَّارِ فَقَالَ	مقام پہ چڑھے پھر فرمایا
اُنْشِدُکُمْ بِاللّٰهِ	کہ میں تمہیں اللہ کی قسم
اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ	دیتا ہوں کہ تمہیں پتہ ہے
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ	وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان
لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ	آدمی کا خون حلال نہیں مگر
مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی	تین وجہ سے۔ زنا کرنا

ثَلٰثٍ زِنًا بَعْدَ اِحْصَانٍ اَوْ كُفْرًا بَعْدَ اِسْلَامٍ اَوْ قَتْلَ نَفْسٍ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقُتِلَ بِهٖ فَوَ اللهِ مَا زَنَيْتُ فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَلَا اِسْلَامٍ وَلَا ارْتَدَدْتُّ مُنْذُ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللهُ فَبِمَ تَقْتُلُوْنَنِیْ ۔

(ترمذی)

شادی کے بعد۔ اور کفر کرنا اسلام کے بعد۔ اور کسی جان کو قتل کرنا ناحق پھر اسے اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اللہ کی قسم میں نے جاہلیت میں بھی اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی زنا نہیں کیا۔ اور جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوا ہوں مرتد بھی نہیں ہوا۔ اور میں نے کسی ایسی جان کو قتل بھی نہیں کیا جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے پھر تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَزَوَالُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کا زوال اللہ کے نزدیک زیادہ حقیر ہے ایک مسلمان

قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ۔ آدمی کے قتل کی بنسبت۔

(ترمذی)

تشریح احادیث

یہاں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ ایک عبداللہ بن مسعود والی، دوسری ابی امامہ والی اور تیسری عبداللہ بن عمر والی۔ اور یہ تینوں احادیث کتب علیکم القصاص فی القتل کی تفسیر ہیں۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تفسیر بیان کرنے کی ضرورت اس لیے درپیش آئی کہ آیت میں تو اتنا فرمایا ہے کہ قصاص فرض ہے اور قصاص کے معنی برابری کرنا اور مساوات کرنا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ قتل کی حیثیت کیا ہے حلال ہے یا حرام ہے۔ اور یہ بھی نہیں بتایا کہ کس قتل کا قصاص ہے اور کس قتل کا قصاص نہیں۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بیان فرما دی ہے۔ پہلے تو یہ فرمایا کہ مسلمان آدمی کا قتل حلال نہیں جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت اور مشکل کشا نہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ مگر اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں کو مستثنیٰ فرمایا ہے کہ ان کا قتل روا ہے۔ پہلا جان بدلے جان کے اور دوسرا شادی شدہ مرد جو زنا کرے اور شادی شدہ عورت کا بھی یہی حکم ہے جیساکہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور ان کی سزا کو شریعت میں سنگسار کہتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل تو خلاصہ تفسیر جلد خامس میں بیان ہو چکی ہے۔ جو چاہے وہاں دیکھ لے۔

یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ شادی شدہ زانی مرد ایک قسم کا ڈاکو

رہزن اور قزاق ہے اور شادی شدہ زانیہ عورت اس بنیادی یونٹ کی غدار ہے جس نے سازش کے تحت غیر کی کھیتی اور ملکیت پر ڈاکوؤں سے ناجائز قبضہ کرایا ہے اور ایسے عناصر کی سزا قتل سولی وغیرہ پوری دنیا میں مسلّم ہے اور اس پر عمل ہو رہا ہے اور یہ سزا انصاف کے منافی تصوّر نہیں کی جاتی اور جب ایک ملکی ڈاکو اور غدار کی سزا مسلم ہے تو ملک کے بنیادی یونٹ کے ڈاکو اور غدار کی سزا یقیناً اور بطریقہ اولیٰ یہی ہونی چاہیئے لہٰذا اسلام نے ایسے افراد کی سزا سنگسار مقرر کی ہے۔ تیسرے اس شخص کا قتل بھی جائز فرمایا ہے جو دینِ اسلام چھوڑ دے۔ اس کی بھی بڑی لمبی تفصیل ہے جو انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ ہر مسلمان کی حیثیت ایک سپاہی اور فوجی کی ہے۔ فوجیوں کے لیئے یہ مانا ہوا اصول ہے کہ جو محاذِ جنگ سے فرار اختیار کرے اسے "شوٹ" کر دیا جاتا ہے اور اسے انصاف کے منافی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ حکومت کا تنخواہ دار ہوتا ہے لہٰذا اسلام نے بھی مرتد کی یہی سزا مقرر کی ہے۔ کیونکہ وہ سپاہی خدا کی مخلوق ہے اور اسی کا دیا ہوا کھاتا پیتا ہے۔

دوسری حدیث یہاں حضرت ابی امامہ والی ہے یہ پہلی حدیث کی تشریح ہے اور تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو والی ہے۔ اس سے ایک شبہ کا ازالہ مقصود ہے۔ شبہ یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک مومن کے ہاتھ سے جب دوسرا مومن قتل ہو جائے تو اس کے بدلے میں اُسے کیوں قتل کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی تو ایک مومن ہی ہے اور جو مفاد مقتول مومن سے وابستہ ہیں قاتل سے بھی وہی مفاد وابستہ ہیں۔ اور اس کی حماقت سے جب ایک گھر کا چراغ بجھ گیا ہے تو دوسرے گھر کو خواہ مخواہ کیوں ویران کیا

جائے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا ہے کہ ایک مومن کا قاتل ظالموں کی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے اور اگر زمین کے رہنے والے سارے ایسے ہی ہوں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مومن مسلمان کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ اس نے اس قتل کے جرم عظیم کا ارتکاب کر کے ظلم کی ایک ایسی روایت قائم کر دی ہے کہ جس سے باقی معاشرے کا بچ جانا ممکن ہے اور اس کا انسداد قصاص کے سوا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے خداوند پاک نے قصاص رکھا ہے تاکہ باقی لوگ امن و امان سے رہ سکیں۔ بہر حال یہ تو مومن کے قاتل کی دنیاوی سزا ہے۔

کافر کے اقرار توحید کے بعد جو مسلمان اسے قتل کرے گا اس پر بھی قصاص ہے

عَنِ الْمِقْدَادِ ابْنِ الْاَسْوَدِ اِنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَئَيْتَ اِنْ لَقِيْتُ رَجُلًا مِّنَ الْكُفَّارِ فَاقْتَتَلْنَا فَضَرَبَ اِحْدٰى يَدَيَّ يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ	مقداد بن اسود سے روایت ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں کسی کافر آدمی کو ملوں پھر ہم آپس میں لڑ پڑیں اور وہ میرے ایک ہاتھ پر تلوار مارے اور اسے کاٹ دے پھر

لَاذَ مِنِّيْ بِشَجَرَةٍ	وہ پناہ لے میری طرف
فَقَالَ اَسْلَمْتُ	ساتھ ایک درخت کے پھر
لِلّٰهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ	کہے کہ میں اللہ کے لیے
فَلَمَّا اَهْوَيْتُ	اسلام لایا ہوں اور ایک
لِاَقْتُلَهٗ قَالَ	روایت میں ہے کہ جب میں
لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	مائل ہوا تاکہ اسے قتل کروں
اَاَقْتُلُهٗ بَعْدَ	تو اس نے کہا کہ لَاۤ اِلٰہَ
اَنْ قَالَهَا قَالَ	اِلَّا اللّٰہُ کیا میں اسے قتل
لَا تَقْتُلْهُ فَقَالَ	کروں بعد اس کے کہ اس
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	نے وہ کلمہ کہہ دیا ہے، تو
اِنَّهٗ قَطَعَ	آپ نے فرمایا اسے مت
اِحْدٰى يَدَيَّ	قتل کر۔ اس نے کہا، یا
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	رسول اللہ اس نے میرا
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	ایک ہاتھ کاٹا ہے تو رسول
وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فَاِنْ قَتَلْتَهٗ	نے فرمایا اسے مت قتل کر
فَاِنَّهٗ بِمَنْزِلَتِكَ	پس اگر تو اسے قتل کرے
قَبْلَ اَنْ	گا تو بے شک وہ تیرے
تَقْتُلَهٗ وَاِنَّكَ	مرتبہ میں ہے قبل اس کے
بِمَنْزِلَتِهٖ قَبْلَ	کہ تو اسے قتل کرے اور
اَنْ يَقُوْلَ كَلِمَتَهٗ	بے شک تو اس کے مرتبہ

الَّتِیْ قَالَ۔
(متفق علیہ)

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ۔ (متفق علیہ)

میں ہوگا اس کے وہ کلمہ کہنے سے پہلے۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہانتک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کا رسول ہے اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں پھر وہ جب ایسا کریں تو انہوں نے مجھ سے اپنا خون اور مال بچالیا سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

تشریح احادیث

یہاں اس باب میں دو احادیث منقول ہیں۔ پہلی حضرت مقداد

والی ہے اور دوسری ابن عمر والی ہے ۔ حضرت مقداد والی حدیث میں تو انہوں نے بذاتِ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو استفسار کیا اور آپؐ نے جو اس کا جواب مرحمت فرمایا وہ منقول ہے ۔ حضرت مقداد کے استفسار کا مقصد یہ ہے کہ ایک مسلمان کا کافر سے جب مقابلہ ہو اور وہ کافر مسلمان کو زخمی بھی کر دے اور جب مسلمان اس کو مارنا چاہے تو وہ فوراً کہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو کیا پھر اس کے بعد مسلمان اسے مار سکتا ہے ؟ تو آپؐ نے فرمایا تم اسے پھر قتل نہیں کر سکتے ۔ تو حضرت مقداد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس نے میرا ہاتھ جو کاٹا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ تم اس کے بدلے اسے قتل نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے کلمہ پڑھنے سے پہلے جیسے تم معصوم تھے اور وہ غیر معصوم تھا اور اب جب کہ اس نے کلمہ پڑھ لیا ہے تو وہ معصوم ہو گیا ہے ۔ اور اگر تم اب اس کو مارو گے تو تم غیر معصوم ہو جاؤ گے یعنی تمہیں اس کے بدلے قتل کیا جائے گا ۔

پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کافر اگر کلمہ توحید پڑھ لے اور اس کا اقرار کرے تو اس کے بعد اگر کوئی مسلمان اسے قتل کرے تو اس مسلمان کو اس کے بدلے قتل کیا جائے گا ۔

اس کے بعد ابن عمر والی حدیث ہے ۔ اس میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ محمد رسول اللہ اور اقامت صلوٰۃ اور دینا زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے پس معلوم ہوا کہ حضرت مقداد والی حدیث مجمل ہے اور ابن عمر والی میں تفصیل ہے یعنی دوران جنگ اگر ایک کافر صرف لاالٰہ الا اللہ پڑھ دے تو مسلمانوں کو اس کے قتل سے فوراً ہاتھ روک لینا چاہیئے ۔ اور اس

کے سابقہ کفریہ عقائد اور اعمال کی وجہ سے اسے قتل نہیں کر سکتے۔ اسے جو قتل کرے گا وہ خود اسلامی قانون کے موافق اس کے قصاص میں مارا جائے گا۔ البتہ اسے یہ وقتی تحفظ فراہم کیا گیا ہے ہمیشہ کے لیے نہیں ہے۔ اس کے بعد اس نے لا الٰہ الا اللہ کے تقاضوں کو بھی پورا کرنا ہوگا۔ اور ان تقاضوں میں سے محمّد رسول اللہ، اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ بھی ہے۔ اگر ان کو پورا کرے گا تو وہ معصوم الدم ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔ اس کی مزید تفصیل اظہارِ اسلام کی بحث میں گزر چکی ہے

پس خلاصہ اور لبّ لباب یہ نکلا کہ یہ دونوں احادیث کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاص الخ اور اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ ان آیتوں میں نفس کی تشریح نہیں ہے کہ کیسے نفس کے بدلے قصاص ہے اور کیسے نفس کے بدلے قصاص نہیں ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں متعین فرمادیا ہے کہ اضطراری کلمہ پڑھنے والا بھی نفس محترم ہے اور اس کے قاتل پر بھی قصاص ہوگا اور ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تشریح اور تفسیر قرآن کے لیے احادیث کا ہونا بہت ضروری ہے۔ احادیث کے سوا قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا۔

قتل ناحق سے آدمی شقی القلب ہوجاتا ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ	ابن عمر سے مروی ہے کہ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	نے فرمایا کہ مومن اپنے دین

لَنْ يَّزَالَ الْمُؤْمِنُ فِیْ فُسْحَةٍ مِنْ دِيْنِهٖ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا (بخاری)	کی وجہ سے ہمیشہ کشادگی میں ہوگا جب تک کہ خونِ حرام کا ارتکاب نہ کرے۔
عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَاِذَا اَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ ۔ (ابوداؤد)	ابی درداء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہمیشہ مومن نیکی میں جلدی کرتا ہے جب تک کہ حرام خون کا ارتکاب نہ کرے اور جب حرام خون کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی خوشی بند ہو جاتی ہے۔

تشریح احادیث

یہ دونوں حدیثیں كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى الآیۃ کی تفسیر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کام سے منع فرماتے ہیں وہ کام کرنے میں انسان کا نقصان ہوتا ہے۔ اور وہ نقصان دو قسم کا ہے دنیاوی اور اخروی۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں خونِ ناحق کا دنیاوی نقصان قصاص

بیان فرمایا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں ایک اور دنیوی نقصان بیان فرمایا ہے کہ قتل ناحق سے آدمی شقی القلب ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو الفاظ ہیں ایک فِیْ فُسْحَۃٍ مِنْ دِیْنِہٖ اور دوسرا مُعْنِقًا صَالِحًا۔ ان دونوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ جب تک آدمی خونِ ناحق اور ناجائز قتل کا ارتکاب نہ کرے اس وقت تک پورے شرحِ صدر اور مستعدی کے ساتھ وہ اسلامی اور دینی اصول پر عمل کرتا ہے اور بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیتا ہے۔ اور جب کسی ناحق خون کا مرتکب ہو جاتا ہے تو پھر اس کے دل میں سختی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ہر نیکی سے نفرت کرتا ہے اور برائی کا عادی ہو جاتا ہے۔ ویسے تو ہر برائی کرنے سے انسان پر بھی اثر پڑتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ حدیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ جرائم پیشہ کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اسے توبہ کی توفیق نہیں رہتی مگر ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل ناحق سے یہ اثر زیادہ ہوتا ہے اور اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے دل میں بے رحمی پیدا ہو گی۔ وہ جب چاہے گا دوسرے کو قتل کر دے گا۔ اور کسی کا مال لوٹ لے گا۔ اس کے نزدیک نیکی بدی ظلم زیادتی، انصاف اور غیر انصافی، حلال و حرام کا امتیاز ختم ہو جائے گا اور یہ تفاوت اس کے اپنے لیے بھی تباہ کن ہے اور بقیہ معاشرہ کے لیے بھی یہ خونِ ناحق کا دنیاوی نقصان ہے۔

باپ پر بیٹے کا قصاص نہیں

اور بیٹے پر باپ کا قصاص ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقَامُ الْحُدُوْدُ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَا يُقَادُ بِالْوَلَدِ الْوَالِدُ (ترمذی)

ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حدیں مساجد میں نہ قائم کی جائیں اور نہ قصاص لیا جائے باپ سے بیٹے کے بدلے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ سُرَاقَةَ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقِيْدُ الْاَبَ مِنْ اِبْنِهٖ وَلَا يُقِيْدُ الْاِبْنَ مِنْ

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اس نے اس کے دادا سے اور اس نے سراقہ بن مالک سے نقل کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپ قصاص لیتے تھے باپ کا بیٹے سے اور نہیں قصاص لیتے تھے بیٹے

اَبِیْہِ (ترمذی) کا باپ سے۔

تشریح احادیث

یہ دونوں حدیثیں قرآن مجید کی یہ آیت کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ اور آیت اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ کی تشریح ہیں کیونکہ ان میں سے پہلی آیت میں مطلق مقتول کا ذکر ہے اور دوسری میں مطلق نفس کا ذکر ہے ان میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ مقتول باپ ہو یا بیٹا۔ نفس باپ کا ہو یا بیٹے کا۔ ان آیتوں میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کو مار ڈالے یا بیٹا باپ کو مار ڈالے دونوں صورتوں میں قصاص ہونا چاہیئے۔

لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی حدیث میں فرمایا ہے کہ والد سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔ دوسری حدیث میں آپؐ کا عملی بیان فرمایا ہے کہ آپ باپ کا قصاص بیٹے سے لیتے تھے اور بیٹے کا قصاص باپ سے نہیں لیتے تھے۔ پس آپ کے اس فرمانِ عالی اور عملی نمونے سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ اگر اپنے بیٹے کو مار ڈالے تو یہ قتلِ عمد میں شامل نہیں بلکہ یہ قتلِ خطاء میں شامل ہے اور قتل خطا میں قصاص نہیں دیت ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کوئی بھی باپ اپنے بیٹے کو قصداً قتل نہیں کرتا۔ پس معلوم ہوا کہ کسی باپ کے ہاتھ سے اگر اس کا بیٹا مر جائے تو اصل میں یہ تادیبی کارروائی تھی۔ اتفاقاً وہ مر گیا ہے لہٰذا اس پر قصاص نہیں صرف دیت ہوگی۔ ہاں اگر کسی ایسے آلہ سے مارے جس سے اس کا قتل عمداً اور بالقصد معلوم ہوتا ہو تو پھر اس باپ پر بیٹے کا قصاص ہوگا جیسے چھری وغیرہ سے ذبح کرنا۔

فقہاء نے لکھا ہے۔ بیٹی، پوتا، پوتی وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں اور باپ کے زمرہ میں ماں، دادا، دادی، نانا اور نانی بھی شامل ہیں اور اگر کوئی بیٹا باپ کو مار ڈالے تو اس پر قصاص ہے۔ پس یہ دونوں حدیثیں کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ اور ان النّفس بالنّفس کی تفسیر ہیں۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تفسیر بیان نہ فرماتے تو کوئی دوسرا آدمی یہ تفسیر بیان نہیں کر سکتا تھا۔

قصاص میں مساوات ہے

عَنْ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَکَافَأُ دِمَاؤُھُمْ وَیَسْعٰی بِذِمَّتِھِمْ اَدْنَاھُمْ وَیَرُدُّ عَلَیْھِمْ اَقْصَاھُمْ وَھُمْ یَدٌ عَلٰی مَنْ سِوَاھُمْ اَلَا لَا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِکَافِرٍ وَلَا ذُوْ عَھْدٍ فِیْ عَھْدِہٖ۔

(ابوداؤد)

حضرت علیؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا مسلمان قصاص میں برابر ہیں اور اپنے سے ادنیٰ کے عہد امان کو پورا کرتے ہیں۔ اور دور والے مال غنیمت ان پر لوٹاتے ہیں اور وہ سارے آپس میں ایک ہاتھ کی مانند ہیں۔ خبردار نہ قتل کیا جائے کوئی مسلمان کافر کے بدلے اور نہ عہد والا اپنے عہد کے زمانہ میں۔

تشریح

یہ حدیث بھی قرآن مجید کی اس آیت کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اور اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ کی تفسیر ہے کیونکہ ان آیتوں میں قصاص کا حکم ہے۔ امیر و غریب، ادنیٰ و اعلیٰ، مرد اور عورت چھوٹے بڑے، اونچی قوم اور نیچی قوم کا کوئی فرق بیان نہیں فرمایا۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس حدیث کے پہلے جملہ میں اس نکتہ کو واضح فرما دیا ہے کہ تمام مسلمان قصاص میں برابر ہیں۔ البتہ پانچ چیزیں اور بھی آپ نے بیان فرمائی ہیں جو مساوات کا نمونہ ہیں۔

پہلی چیز یہ ہے کہ ان میں سے اگر ایک ادنیٰ مسلمان کسی کافر کو دوران جنگ اگر امان دے دے تو باقی سب اس کے امان کی رعایت کرتے ہیں اور اسے پورا کرتے ہیں۔ دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ مسلمان اگر کسی دوسرے علاقہ یا ملک میں جہاد لڑ رہے ہوں اور وہاں سے انہیں جو مال غنیمت ملے وہ بھی اپنے مرکز میں واپس لوٹاتے ہیں یہ نہیں کہ سارے مال پر خود ہی قبضہ کر لیں بلکہ وہ مرکز میں لوٹا کر اسلام کے اصولوں کے موافق اسے تقسیم کرتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل اسلامی جلد سابقہ میں گزر گئی ہے اور تیسری چیز آپ نے اس حدیث میں یہ بیان فرمائی کہ تمام مسلمان آپس میں ایک ہاتھ کی مانند ہیں یعنی ان کا آپس میں اتفاق و اتحاد ہوتا ہے اور چوتھی چیز اس حدیث میں آپ نے یہ بیان فرمائی کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قصاص میں قتل نہ کیا جائے۔ اس سے مراد حربی ہے یعنی کافروں کے ملک میں رہنے والا کافر ہے۔ اگر اسے کوئی مسلمان مار ڈالے تو اس

کے بدلے قصاص میں مسلمان کو نہیں مارا جائے گا۔ پانچویں چیز اس حدیث میں آپ نے یہ بیان فرمائی کہ نہ مارا جائے عہد والے کو اس کے عہد کے زمانہ میں۔ اس سے مراد ذمی کافر ہے۔ یعنی ایک کافر اسلامی حکومت سے اجازت مانگ کر اسلامی حکومت میں رہ رہا ہو اور اسے کوئی مسلمان مار ڈالے تو اسے اس کے بدلے میں قصاص میں مارا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے جس کافر کے بدلے مسلمان کو مارنے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد حربی ہے۔

قاتل ایک سے زیادہ ہوں تو سب پر قصاص ہے اور پکڑنے والے پر تعزیر

عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَتَلَ نَفَرًا خَمْسَۃً اَوْ قَتَلَ سَبْعَۃً بِرَجُلٍ وَّاحِدٍ قَتَلُوْہُ غِیْلَۃً وَ قَالَ عُمَرُ لَوْ تَمَالَأَ عَلَیْہِ اَھْلُ صَنْعَا لَقَتَلْتُھُمْ جَمِیْعًا۔ (مالک۔ بخاری)

سعید ابن مسیب سے روایت ہے کہ عمرؓ بن خطابؓ نے پانچ یا سات آدمی ایک آدمی کے بدلے میں قتل کیئے تھے۔ وہ خفیہ طور پر قتل کیا گیا تھا۔ اور عمرؓ نے کہا کہ اگر سارے اہل صنعا اسے قتل کرتے تو میں ان سب کو قتل کرتا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ	ابن عمر نے نبی صلی اللہ
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ	علیہ وسلم سے روایت کی
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ	ہے آپ نے فرمایا کہ اگر
إِذَا أَمْسَكَ الرَّجُلُ	ایک آدمی دوسرے کو
الرَّجُلَ وَقَتَلَهُ	پکڑے اور دوسرا اسے
الْآخَرُ يُقْتَلُ الَّذِي	قتل کرے تو قاتل کو قتل
قَتَلَ وَيُحْبَسُ	کیا جائے گا اور پکڑنے
الَّذِي أَمْسَكَ ۔	والے کو گرفتار کیا جائیگا۔

(دار قطنی)

تشریح

یہ حدیثیں بھی قرآن مجید کی ان آیات کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الخ اور اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ کی تفسیر ہیں کیونکہ ان آیتوں میں صرف قصاص کا ذکر ہے یہ ذکر نہیں ہے کہ قاتل ایک ہو تو کیا حکم ہے اور زیادہ ہوں تو کیا حکم ہے ؟ اور اسی طرح کچھ قاتل ہوں اور کچھ پکڑنے والے ہوں تو کیا حکم ہے ؟

ان احادیث میں ایک تو حضرت عمرؓ کا عملی نمونہ ہے اور دوسرا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے ۔ حضرت عمرؓ کا عملی نمونہ یہ ہے کہ آپ نے ایک آدمی کے بدلے قصاص میں پانچ یا سات آدمیوں کو قتل کیا جو اس ایک آدمی کے قتل میں شریک تھے اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر صنعا کے رہنے والے اس ایک آدمی کے قتل میں

شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کرتا۔ حضرت عمرؓ کے اس فعل اور قول سے ایک تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا سنا ہوگا اور دوسرا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عمرؓ نے بھی ان آیات سے یہی سمجھا ہوگا تب انہوں نے ایسا کیا اور فرمایا۔ بات اصل میں یہ ہے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ کے مخاطب ایک ایماندار بھی ہے اور زیادہ بھی ہیں۔ اور اسی طرح اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ کا یہ لفظ اسم جنس ہے اس کا اطلاق قلیل اور کثیر پہ ہوتا ہے۔ اس قاعدہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر قاتل ایک سے زیادہ ہوں تب بھی ان پر قصاص ہے۔

اس کے بعد جو ابن عمر والی حدیث ہے اس میں آپؐ نے تفصیل بیان فرما دی ہے کہ ایک پکڑے اور دوسرا اسے قتل کرے تو قاتل پہ تو قصاص ہے اور پکڑنے والے پر تعزیر ہے اسے قید کرنا ہے مگر یہ قید حاکم کی صوابدید پہ موقوف ہے چاہے عمر بھر قید کرے یا کچھ عرصہ کے لیئے قید کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر دونوں یا زیادہ قاتل ہوں تو ان پر قصاص ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی ایک آدمی جماعت کا قاتل ہو تو اس پر بھی قصاص ہے اور اسے اس جماعت کے بدلے قصاص میں مارا جائے گا۔

اگر قتل بالارادہ ہو تو مقتول کے ورثاء قاتل سے قصاص لے سکتے ہیں

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ مُتَعَمِّدًا دُفِعَ اِلٰى اَوْلِيَاءِ الْمَقْتُوْلِ فَاِنْ شَآءُوْا قَتَلُوْا وَاِنْ شَآءُوْا اَخَذُوا الدِّيَةَ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ حِقَّةً وَثَلٰثُوْنَ جَذَعَةً وَاَرْبَعُوْنَ خَلِفَةً وَمَا صَالَحُوْا عَلَيْهِ فَهُوَ

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اس نے اس کے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قصداً قتل کیا اسے مقتول کے وارثوں کو سونپا جائے۔ اگر وہ چاہیں تو اسے قتل کریں اور اگر چاہیں تو اس سے دیّت لیں اور وہ دیّت تیس اونٹنیاں جو چوتھے برس میں لگی ہوں اور تیس اونٹنیاں جو پانچویں برس میں لگی ہوں اور چالیس حاملہ اونٹنیاں۔ اور جس پر وہ صلح کر لیں تو وہ انکے

لَهُوْ (ترمذی)

لیے ہے۔

عَنْ اَبِیْ شُرَیْحِ الْخُزَاعِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اُصِيْبَ بِدَمٍ اَوْ خَبْلٍ وَالْخَبْلُ الْجُرُوْحُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ اِحْدٰى ثَلٰثٍ فَاِنْ اَرَادَ الرَّابِعَةَ فَخُذُوْا يَدَيْهِ بَيْنَ اَنْ يَّقْتَصَّ اَوْ يَعْفُوَا اَوْ يَاْخُذَ الْعَقْلَ فَاِنْ اَخَذَ مِنْ ذَالِكَ شَيْئًا ثُمَّ عَدَا بَعْدَ ذَالِكَ فَلَهُ النَّارُ خَالِدًا مُخَلَّدًا اَبَدًا۔

(دارمی)

ابی شریح خزاعی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص خون یا زخم کا مصیبت زدہ ہو تو اسے تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے پھر وہ اگر چوتھی چیز کا ارادہ کرے تو اسکا ہاتھ پکڑو تین چیزیں یہ ہیں قصاص لے یا معاف کرے یا دیت لے اگر اس نے ان تین میں سے کچھ لیا اور اس کے بعد پھر زیادتی کی تو اس کے لیے آگ ہے ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

تشریح احادیث

یہاں اس بحث میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی عمرو بن شعیب والی ہے اور دوسری ابی شریح خزاعی والی۔ اور یہ دونوں حدیثیں اس باب مذکورہ سورۃ بنی اسرائیل کی اس آیت (وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا الآیۃ) کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جو مظلوم مارا جائے تو اس کے وارثوں کو ہم نے تسلّط دیدیا ہے۔ اب مظلوم سے کیا مراد ہے اور تسلّط سے کیا مراد ہے۔ اس میں اجمال ہے اور عمرو ابن شعیب والی حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی وضاحت فرمادی کہ مظلوم سے مراد جان بوجھ کر اور قصداً مارا ہوا اور تسلّط سے مراد یہ ہے کہ قاتل مقتول کے وارثوں کے حوالہ کیا جائے اور انہیں تین اختیار ہیں۔ دو اس حدیث میں بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ اس سے قصاص لیں اور دوسرا یہ ہے کہ اس سے خون بہا لیں اور خون بہا کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب بیان ہوگی اور دوسری حدیث ابی شریح خزاعی والی ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ ورثاء قصاص یا دِیّت کو معاف بھی کر سکتے ہیں، اور آخر میں فرمایا جو آدمی ان تین چیزوں میں سے ایک اختیار کر کے پھر قاتل یا اس کے وارثوں پر کسی قسم کی زیادتی کریگا تو وہ دوزخی ہوگا

عَنْ جَابِرٍ قَالَ	حضرت جابر سے روایت
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ	ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا میں

لَا اُعْفِیْ مَنْ قَتَلَ اس شخص کو معاف نہیں

بَعْدَ اَخْذِ الدِّیَۃِ ۔ کرونگا جو دیت لینے کے

(ابوداؤد) بعد قتل کرے۔

تشریح حدیث

اس سے پہلی حدیث میں اس شخص کی اُخروی سزا بیان فرمائی جو قصاص، معافی یا دیت لینے کے بعد قاتل یا اس کے وارثوں پر زیادتی کرے۔ اور حضرت جابر والی اس حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ میں اس شخص کو معاف نہیں کروں گا۔ جو دیّت لینے کے بعد پھر قاتل یا اس کے وارثوں پر زیادتی کرے یعنی اس پر قصاص ہوگا۔ اور یہ دیّت کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے۔ یعنی یہ مقصد نہیں کہ اگر کوئی دیّت لے کر زیادتی کرے تو اس پر تو قصاص ہے اور اگر قصاص لے کے یا معاف کر کے زیادتی کرے تو اس پر قصاص نہیں بلکہ اصلی مقصد یہ ہے کہ معاف کر کے یا قصاص لے کے یا دیت وصول کر کے پھر مقتول کے ورثاء اگر قاتل کے ورثاء پر اگر کسی قسم کی زیادتی کریں، تو ان پر قصاص ہوگا۔

قصاص و دیت معاف کرنے کی فضیلت

عَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ قَالَ	ابو درداء فرماتے ہیں کہ میں
سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ	نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا
یَقُوْلُ مَا مِنْ	ہے کہ جس آدمی کو بدن میں
رَجُلٍ یُصَابُ بِشَیْءٍ	کوئی بھی تکلیف پہنچائی جائے
فِیْ جَسَدِہٖ فَتَصَدَّقَ	پھر وہ اسے معاف کر
بِہٖ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ	دے تو اللہ تعالیٰ اس کا
بِہٖ دَرَجَۃً وَحَطَّ	ایک درجہ بلند کرتے ہیں
عَنْہُ خَطِیْئَتَہٗ۔	اور ایک گناہ معاف کرتے ہیں

(ترمذی)

تشریح

یہ حدیث بحث قتل میں مذکوران دو جملوں (فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ اور فَمَنْ تَصَدَّقَ بِہٖ فَھُوَ کَفَّارَۃٌ لَّہٗ) کی تفسیر ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ اگر آدمی کو کسی کی طرف سے کوئی جسمانی تکلیف پہنچے مثلاً کسی نے کسی کو قتل کر دیا یا زخمی کر دیا اور پھر اس پر قصاص یا دیت واجب ہوگئی اور پھر مقتول یا مجروح کے وارثوں نے وہ قصاص یا دیت معاف کر دی تو ان کا ایک گناہ معاف ہوگا اور

ایک درجہ بلند ہوگا۔ پس اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول یا مجروح کے ورثاء کو معاف کرنے کی ترغیب دی ہے اور آپ نے اس حدیث میں حکام کو بھی مدّعی اور مدّعا علیہ کے درمیان اسی طرح صلح کرانے کی تعلیم دی ہے۔

اقرار توحید کرنے والا غلط فہمی میں مارا جائے تو قاتل پر قصاص اور دیّت نہیں

عَنْ اُسَامَةَ ابْنِ زَيْدٍ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اُنَاسٍ مِنْ جُهَيْنَةَ فَاَتَيْتُ عَلٰى رَجُلٍ مِنْهُمْ فَذَهَبْتُ اَطْعَنُهُ فَقَالَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَطَعَنْتُهُ فَقَتَلْتُهُ فَجِئْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ	اسامہ بن زید نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جُہینہ (قبیلہ) کے لوگوں کی طرف بھیجا۔ تو میں نے ان میں سے ایک آدمی پر حملہ کیا اور میں اسے نیزے سے مارنے لگا تو اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ میں نے پھر بھی اسے نیزہ مارا اور اسے قتل کر دیا۔ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آپ کو بتایا تو آپ صلی اللہ

اَقَتَلْتَهٗ وَقَدْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ تَعَوُّذًا قَالَ فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ -

(متفق علیہ)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو نے اسے قتل کیا ہے حالانکہ اس نے کہا ہے لا الٰہ الا اللہ۔ میں نے کہا کہ اس نے جان بچانے کے لیے ایسا کیا تھا، تو آپ نے فرمایا پھر تو نے اسکے دل کو کیوں نہ پھاڑا؟

رِوَايَةِ جُنْدُبِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَهٗ مِرَارًا -

جندب بن عبد اللہ بجلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیسے کریگا تو ساتھ لا الٰہ الا اللہ کے جب وہ قیامت کے دن آئے گا۔ آپ نے یہ جملہ بار بار فرمایا۔

تشریح

یہ حدیث بھی باب قصاص میں جو آیات ہیں ان کی تشریح اور تفسیر ہے۔ واقعہ اصل میں یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جھینہ کی طرف مجاہدین کا ایک دستہ بھیجا تو ان میں سے ایک نے

ان مجاہدین کو دیکھ کر کلمہ پڑھا ۔ یہ اسلام کا اظہار تھا مگر حضرت اسامہ بن زید نے یہ سمجھا کہ شاید یہ اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے یہ دھوکہ دینا چاہتا ہے اس لیے اسے قتل کر دیا مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ بہت ناراض ہوئے مگر آپ نے اسامہ بن زید پر نہ قصاص لازم کیا اور نہ دیت۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ ایسی غلط فہمی کی حالت میں اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے کوئی ایسا نو مسلم مارا جائے تو قاتل پر قصاص بھی نہیں اور دیت بھی نہیں ۔ کیونکہ اگر قصاص یا دیت اس پر لازم ہوتی تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ بن زید پر لازم کرتے۔

عمومِ بلوہ کے مقتول کا قصاص نہیں دیت ہے

عَنْ طَاوُسٍ عَنِ	طاؤس نے ابن عباس
ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ	سے اور اس نے رسول اللہ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ	کیا ہے ۔ آپ نے فرمایا جو
قُتِلَ فِيْ عِمِّيَّةٍ	شخص اندھا دھند میں
فِيْ رَمْيٍ يَكُوْنُ	مارا جائے جو انکے درمیان
بَيْنَهُمْ بِالْحِجَارَةِ	پتھروں سے کوڑوں سے
اَوْ جَلْدٍ بِالسِّيَاطِ	اور لاٹھی چلانے سے واقع
اَوْ ضَرْبٍ بِعَصًا فَهُوَ	ہوئی ہو تو وہ قتلِ خطا ہے

خطاءٌ وَعَقْلُهٗ عَقْلُ الْخَطَاءِ وَمَنْ قُتِلَ عَمَدًا فَهُوَ قَوَدٌ وَمَنْ حَالَ دُوْنَهٗ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَغَضَبُهٗ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ ۔	اور اس کی دیت ۔ دیت خطا والی ہے ۔ اور جو شخص جان بوجھ کر مارا جائے تو اس کا قصاص ہے اور جو اس کے درمیان حائل ہو تو اس پہ اللہ کی لعنت اور غصہ ہے ۔ اور اس کی نفلی اور فرض عبادت قبول نہیں کی جائے گی ۔
(نسائی ، ابوداؤد)	

تشریح حدیث

یہ حدیث بھی کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اور اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ کی تشریح ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اندھا دُھند میں مارا جائے وہ قتل خطا ہے ۔ قتلِ عمد نہیں ہے کیونکہ ایسے موقعہ پر پتہ نہیں چلے گا کہ قاتل کون ہے ۔

پس اس سے معلوا ہوا کہ قصاص اس وقت واجب ہوتا ہے جب قاتل کا علم ہو اور قتل بالقصد ہو ۔ البتہ اس کی دیت لازم ہو گی ۔ اور فرمایا کہ اس میں جو رکاوٹ بنے گا اس پہ اللہ کی لعنت ہے غصہ ہے اور اس کی نفلی اور فرض عبادت قبول نہیں ہوتی ۔

اعضا اور زخموں کا قصاص

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ يَهُوْدِيًّا رَضَّ رَاْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيْلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكِ هٰذَا اَفُلَانٌ اَفُلَانٌ حَتّٰى سُمِّيَ الْيَهُوْدِيُّ فَاَوْمَتْ بِرَاْسِهَا فَجِيْئَ بِالْيَهُوْدِيِّ فَاعْتَرَفَ فَاَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُضَّ رَاْسُهٗ بِالْحِجَارَةِ۔
(متفق علیہ)

انس سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچلا، تو اس لونڈی سے کہا گیا کہ تیرے ساتھ یہ ایسا کس نے کیا ہے کہا فلاں فلاں نے یہاں تک کہ یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا۔ پھر یہودی لایا گیا اور اس نے اعتراف کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں حکم دیا تو اس کا سر پتھر سے کچلا گیا۔

وَعَنْهُ قَالَ كَسَرَتِ الرُّبَيِّعُ (وَهِيَ عَمَّةُ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ)

اور اسی انس سے روایت ہے کہ رُبَیِّع نے (جو انس بن مالک کی پھوپھی

ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ
مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاَتَوُا
النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ
بِالْقِصَاصِ فَقَالَ
اَنَسُ ابْنُ النَّضْرِ
(عَمُّ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ)
لَا وَاللّٰهِ لَا تُكْسَرُ
ثَنِيَّتُهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَا اَنَسُ
كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ
فَرَضِيَ الْقَوْمُ
وَقَبِلُوا الْاَرْشَ
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ
عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ
لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ
لَاَبَرَّهُ (متفق علیہ)

ہے) انصار کی ایک لڑکی
کا دانت توڑا۔ پھر وہ
آئے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس تو آپ
نے قصاص کا حکم دیا تو
انس بن نضر نے (جو انس
بن مالک کے چچا تھے) کہا
نہیں قسم ہے اللہ کی اس
کے دانت نہیں توڑے
جائیں گے یا رسول اللہ تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا اے انس اللہ
کا حکم قصاص ہے۔ پس
قوم راضی ہو گئی اور انہوں
نے دیت قبول کر لی۔ پھر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا بے شک
اللہ کے بندوں میں سے
کچھ ایسے بھی ہیں اگر وہ
قسم کھا بیٹھیں اللہ پر تو
اللہ انہیں بری کرتا ہے۔

عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ عَبْدَهٗ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهٗ جَدَعْنَاهُ رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجه والدارمی وزاد النسائی فی روایة وَمَنْ خَصٰی عَبْدَهٗ خَصَیْنَاهُ۔	حضرت حسن نے سمرہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے غلام کو قتل کرے تو ہم اسے قتل کریں گے اور جو اعضا کاٹے اپنے غلام کے تو ہم اس کے اعضاء کاٹیں گے۔ یہ روایت ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ اور دارمی نے نقل کی ہے اور نسائی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو خصی کرے اپنے غلام کو تو ہم اسے خصی کرینگے

تشریح احادیث

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ اور یہ تینوں قرآن مجید کی ان آیات (کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اور اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الایۃ) کی تشریح ہیں۔ پہلی دو حدیثیں حضرت انسؓ سے مروی اور تیسری حسن سے منقول ہے۔

حضرت انسؓ کی پہلی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی

نمونہ منقول ہے کہ آپؐ نے ایک لڑکی کا سر کچلنے کے بدلے ایک یہودی کا سر کچلا تھا۔ دوسری حدیث میں بھی آپؐ کا عملی نمونہ مذکور ہے کہ آپؐ نے ایک لڑکی کے اگلے دانت توڑنے کے بدلے اس کے دانت توڑنے والی عورت کے دانت توڑنے کا حکم دیا تھا مگر بعد میں فریقین خون بہا پر راضی ہو گئے اور ان کی آپس میں صلح ہو گئی۔

تیسری حدیث جو حضرت حسن سے منقول ہے۔ اس میں آپ کا فرمان منقول ہے کہ جو آدمی اپنے غلام کو قتل کرے تو ہم اسے اس کے بدلے میں قتل کریں گے۔ اور جو اپنے غلام کے اعضاء کان وغیرہ کاٹے تو ہم اس کے بدلے میں اس کے اعضاء کاٹیں گے اور جو اپنے غلام کو خصی کرے تو ہم اسے خصی کریں گے اور غلام کا ذکر احترازی نہیں ہے بلکہ حُر کا بھی یہی حکم ہے اور خصوصی طور پر غلام کا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر غلام کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ کریگا تب بھی ہم اس سے قصاص لیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ حُر کا بھی بطریقہ اولیٰ قصاص ہو گا۔

قتلِ معاہد کی ممانعت اور اسکی دنیاوی سزا

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝

(سورۃ النساء آیت ۹۰)

البتہ وہ کافر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی قوم سے جا ملیں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو۔ یا وہ جو لڑائی سے دل برداشتہ ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں۔ نہ تم سے لڑتے ہیں اور نہ اپنی قوم سے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے لڑتے۔ سو اگر وہ تم سے یک سو رہیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہیں ان پر کوئی راہ نہیں دی۔

وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ

اور اگر وہ صلح کے لیے مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو بے شک وہی سننے والا

الْعَلِيْمُ (سورۃ الانفال آیت ۶۱)	جاننے والا ہے۔
وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ○	اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ اللہ کا کلام سُنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو یہ اس لیے ہے کہ وہ بے سمجھ ہیں۔
(سورۃ التوبہ آیت ۶)	

تفسیر

یہاں اس بحث میں تین آیات دی گئی ہیں۔ پہلی سورۃ نساء کی آیت نمبر ۹۰ ہے۔ دوسری سورۃ انفال کی آیت نمبر ۶۱ ہے اور تیسری سورۃ توبہ کی آیت ۶ ہے۔

سورۃ النساء کی آیت سے پہلے مسلمانوں کو کافروں کے خلاف جہاد کا حکم مذکور ہے اور اس آیت نمبر ۹۰ میں کافروں کی تین جماعتوں سے جنگ کی ممانعت فرمائی ہے۔ پہلی جماعت ان کافروں کی ہے جو مسلمانوں کی کسی حلیف جماعت کے معاہد اور حلیف ہوں۔ دوسری جماعت ان کافروں کی ہے جو مسلمانوں سے شکست کھا کر ہتھیار ڈال دیں۔ اور تیسری جماعت ان کافروں کی ہے جو اپنی کافر قوم سے شکست کھا کر ترکِ وطن کر کے مسلمانوں کی پناہ میں آئیں۔ ان تینوں جماعتوں سے لڑنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

دوسرے نمبر پر سورۃ انفال کی آیت ۶۱ ہے اس میں اللہ تعالےٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی وساطت سے آپ کی اُمت کو دو حکم دیئے ہیں ۔ پہلا حکم یہ ہے کہ کافر اگر صلح کرنا چاہیں تو ان سے صلح کر لیں ۔ اب صلح کی شرائط کیا ہوں گی ۔ یہ وقتی اسلامی حکومت کی صوابدید پر موقوف ہے اور دوسرا حکم یہ ہے کہ اللہ پر بھروسہ کریں ۔ یعنی اگر ان لوگوں کا مقصد اس صلح کی آڑ میں کوئی جنگی چال ہو اور اس سے وہ مسلمانوں کو کوئی نقصان دینا چاہتے ہوں تو اس کی فکر نہ کریں اللہ پر بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ سنتا ہے جانتا ہے وہ تمہاری ضرور نصرت کرے گا جس طرح کہ اس نے پہلے نصرت کی ہے کہ ان کو تمہارے سامنے مغلوب کر دیا ہے

اور تیسرے نمبر پر سورۃ توبہ کی آیت ۶ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی امت کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی مشرک آپ کے ملک میں پناہ لینا چاہے تو ان کو پناہ دو اور اس پناہ کے زمانہ میں انہیں اچھی طرح اسلامی تعلیم اور عقائد سے آگاہ کرو ۔ اس کے بعد وہ اگر اپنے ملک میں واپس جانا چاہیں تو انہیں ان کی محفوظ جگہ تک پہنچا کر چھوڑ دو ۔ اس دوران ان کو مارنے کی اجازت نہیں ۔ اور اگر کوئی مسلمان اسے مار ہی دے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک یہ ہے کہ غلطی سے مارا گیا ہو ۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ العزیز عنقریب بحث قتل خطا میں آتے گی اور کوئی مسلمان اسے قصداً اور بالارادہ مار ڈالے اور وہ ذمی ہو تو اس کا قصاص ہے اور اگر وہ کافروں کے ملک میں رہنے والا ہو تو اس کا قصاص نہیں ہے ۔ تفصیل مندرجہ ذیل ابواب میں ملاحظہ کی جاتے ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَتَلَ مُسْلِمًا بِذِمِّيٍّ ۔	ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے مسلمان کو ذمّی کے بدلے قتل کیا ہے
(ہدایہ بحوالہ دارقطنی)	
عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُوْ عَهْدٍ فِيْ عَهْدِهٖ ۔	حضرت علی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کافر کے بدلے نہ قتل کیا جائے اور نہ عہد والا اپنے عہد کے زمانے میں ۔
(ابوداؤد)	
عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ سَاَلْتُ عَلِيًّا وَمَا فِي الصَّحِيْفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفِكَاكُ الْاَسِيْرِ وَاَنْ لَا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ (بخاری)	ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی سے پوچھا کہ صحیفہ میں کیا ہے ۔ انہوں نے فرمایا خون بہا ، قیدی چھڑانا ۔ اور کہ مسلمان کافر کے بدلے نہ مارا جائے ۔

تشریح احادیث

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں ۔ پہلی ابن عمرؓ والی ہے اور دوسری حضرت علیؓ والی ہے اور تیسری جحیفہ والی ہے ۔ اور یہ تینوں احادیث قرآن مجید کی سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۹ (و لکم فی

القصاص حیٰوۃ) کی اور سورۃ مائدہ کی آیت ۴۵ (ان النفس بالنفس) کی تشریح اور توضیح ہیں ۔ کیونکہ سورۃ بقرہ کی آیت میں فرمایا ہے کہ تمہارے لیے قصاص (مساوات) میں زندگی ہے اور مائدہ والی آیت میں فرمایا ہے کہ وہ قصاص نفس بدلے نفس کے ہے ۔ اور یہ نفس عام ہے ۔ اس میں مومن اور کافر کا فرق واضح نہیں فرمایا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں یہ فرق واضح فرما دیا ہے اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کافر ذمی ہو تو اس آیت کے عموم میں شامل ہے کیونکہ ابن عمر والی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خود اپنی عین حیات میں ایک مسلمان کو ذمی کے بدلے قصاص میں قتل کیا تھا ۔ ذمی اس کافر کو کہتے ہیں جو اسلامی مملکت سے اسلامی ملک میں ہمیشہ رہنے کی اجازت حاصل کر لے ۔ اس کے بعد اس کی جان ، مال اور آبرو کا تحفظ اسلامی حکومت کا فرض ہو جاتا ہے اور جس طرح کہ سب مسلمانوں کو برابر کے حقوق حاصل ہوتے ہیں اور سب کو یکساں انصاف مہیا کیا جاتا ہے ان کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے اور انہیں بھی مسلمانوں کے برابر انصاف مہیا کیا جائے گا اور جس طرح ایک مسلمان اگر کسی مسلمان کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اسے قتل کیا جاتا ہے ۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان کسی ذمی کو مار ڈالے تو اس کے بدلے میں اس مسلمان کو قتل کیا جائے گا ۔ اور اسی طرح ایک ذمیّ اگر کسی ذمیّ کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس ذمیّ کو مارا جائیگا ۔ کیونکہ قصاص کا مقصد مساوات ہے اور یہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے

اور حضرت علی والی حدیث میں جو فرمایا ہے کہ ذوعہد کو نہ مارو اس سے مراد بھی ذمیّ ہے ۔ اور اس حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ مسلمان کو کافر

کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور اسی طرح ابی جحیفہ والی حدیث میں بھی یہی فرمایا ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔ اس سے مراد حربی یعنی کافروں کی حکومت اور ملک میں رہنے والا کافر ہے۔ اور یہ استثناء قرآن مجید کی ان آیات کی بنا پر ہے جن میں مسلمانوں کو کافروں کے خلاف جہاد کا حکم ہے۔

سوال:

ذمّی بھی کافر ہے اور حربی کافر بھی کافر ہے۔ عقیدہ کے لحاظ سے تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پھر وجہ کیا ہے کہ ذمّی کو تو ان النفس بالنفس کے عموم میں شامل کیا گیا ہے اور حربی کافر کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

جواب:

جب ذمی کافر اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول کر لے تو وہ ہمیشہ کے لیے تمام مسلمانوں کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ اور اب اس حفاظت کے زمانے میں اگر کوئی مسلمان اسے قتل کرے تو یہ تمام مسلمانوں کی بدعہدی اور عہد شکنی کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے اس کی سزا قتل ہے اور چونکہ حربی کافروں کی طرف سے ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہوتا اس لیے مسلمانوں پر ان کے تحفظ کی ذمہ داری بھی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے ذمّی کافر مارا جائے تو اس مسلمان پر قصاص ہوگا۔ اور اگر حربی کافر مارا جائے تو اس پر قصاص نہیں ہوگا۔

پس خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ اسلام کا نظام ایک عادلانہ نظام حیات ہے ایک اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلم کو بھی اسکی ضیاء پاشیوں

سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کا موقعہ فراہم کیا جاتا ہے۔

قاتل معاہد اگر مسلمان ہو تو اسکی اخروی سزا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا۔ (بخاری)

عبداللہ بن عمرو کا فرمان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی عہد والے کو مار دے وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ اور اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت پر پائی جائیگی

تشریح

اس حدیث میں جو لفظ معاہد آیا ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو اسلامی حکومت کے ساتھ جنگ اور لڑائی نہ کرنے کا معاہدہ کرے۔ پھر وہ عام ہے خواہ ذمی ہو یا مستامن یا کافروں کے ملک میں رہنے والا ہو بہر حال ایسے کافر کو مارنا اب مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔ اور اگر اب اسے کوئی مسلمان یا ذمی مار دے گا تو اس کی دنیاوی سزا تو اس سے پہلے باب میں بیان ہو چکی ہے۔ اور اب اس حدیث میں اس کی ا[illegible] بیان

فرمائی ہے کہ معاہد کا قاتل جنّت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ اور اس سے مراد اگر عدم دخول فی الجنۃ ہے تو پھر اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر اس نے اس معاہد کے قتل کو حلال سمجھا ہے تو پھر وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ کسی چیز کو حلال و حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ انسان کسی چیز کو اپنی طرف حلال و حرام قرار نہیں دے سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تو قتل معاہد کو حرام قرار دیا ہے جس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔ لہٰذا معاہد کے قتل کو حلال قرار دینے سے وہ قاتل کافر ہو جائے گا جس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور اگر وہ مسلمان اس کے قتل کو حلال نہ سمجھے بلکہ حرام ہی سمجھے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی سے وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو گیا ہے اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب تا دیر دوزخ میں رہے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دھمکی کے طور پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہو کہ معاہد کا قاتل جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ تاکہ مسلمان اس کے قتل سے بچیں۔ واللہ اعلم۔

قصاص صرف اسلحہ سے لیا جائے

عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ	ابوبکرؓ سے روایت ہے
عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ	کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ	نے فرمایا قصاص نہیں مگر
لَا قَوَدَ اِلَّا بِالسَّیْفِ	ساتھ تلوار کے۔

(ھدایہ)

تشریح

یہ تفصیل پہلے آچکی ہے کہ اگر کوئی کسی کو جان بوجھ کر اور قصداً قتل کرے تو اس کے بدلے میں اسے مارنا ہے۔ لیکن تفصیل نہیں آئی کہ کس طرح مارنا ہے۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفصیل بیان فرمادی ہے کہ یہ قصاص تلوار سے لینا ہے۔ اور فقہاء نے لکھا ہے کہ تلوار سے مراد اسلحہ ہے۔ دراصل مبنیٔ قصاص تو مساوات ہے اور مساوات تو یہ ہے کہ جس طرح قاتل نے مقتول کو مارا ہے اسی طرح اس کو بھی مارا جائے۔ مگر بعض صورتوں میں یہ مساوات ممکن نہیں ہے مثلاً اگر کسی نے دوسرے کی ہڈی توڑ دی ہے تو اس میں قصاص نہیں ہو سکے گا کیونکہ مساوات ممکن نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کاسر اور قاطع کی ہڈی زیادہ ٹوٹ جائے۔ اور بعض صورتیں شرعاً ممنوع ہیں۔ مثلاً ایک نابالغ بچی سے کوئی زنا کرے اور وہ مرجائے۔ یا ایک نابالغ بچے سے کوئی بدفعلی کرے اور وہ مرجائے۔ اب یہاں مساوات تو یہ ہے کہ اس زانی اور لوطی کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے یہاں تک کہ وہ مرجائے مگر یہ افعال شرعاً ناجائز ہیں۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قصاص تلوار کے ساتھ لینا ہے۔ اور فقہاء نے لکھا ہے کہ تلوار سے مراد اسلحہ ہے یعنی بندوق وغیرہ سے بھی قصاص لیا جا سکتا ہے۔

بجلی کا جھٹکا دے کر مارنے سے مساوات نہیں ہوگی کیونکہ اس نے مقتول کو بے دردی سے اور اذیت دے کر مارا ہوا ہے۔ اور اب اگر اسے بجلی کا جھٹکا دے کر ماریں گے تو اس کو وہ درد اور اذیت تو

نہیں پہنچے گی جو اس نے مقتول کو پہنچائی ہے ۔ اور نیز اگر تلوار وغیرہ سے اسے جب سزا دینا شروع کی جائے گی تو ہوسکتا ہے کہ دوران سزا مقتول کے وارثوں میں سے کوئی ایک بھی اس کو معافی دے دے تو اس کی جان بخشی ہوسکتی ہے اور اب اس کو مارنا شرعاً جائز نہیں ہے مگر بجلی کے جھٹکوں کی صورت میں وہ فوراً ختم ہو جائے گا ۔ اور اگر اس دوران وارثوں میں سے اسے کسی نے معاف کر دیا ہو اور وہ جھٹکے سے ہلاک ہو چکا ہوگا تو یہ اس پر ظلم ہوگا ۔ اس لیے تلوار وغیرہ کے ساتھ ہی قصاص لینا مساوات کے زیادہ قریب ہے ۔ اور جہاں قصاص یعنی مساوات تلوار سے بھی ممکن نہ ہو تو وہاں قصاص نہیں ہوگا بلکہ وہاں غلام آزاد کرنا ہے اور یا دو ماہ مسلسل روزہ رکھنا ہے ۔

بہرحال قصاص بالسیف والی حدیث بھی باب قصاص میں جو آیات ہیں ان کی تفسیر ہے ۔ کیونکہ ان آیات میں اتنا فرمایا ہے کہ قصاص ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ قصاص کس چیز سے لینا ہے ۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بتا دیا کہ یہ قصاص تلوار کے ساتھ لینا ہے ۔ قصاص لینے کا حق اگرچہ اولیاء مقتول کو ہے ۔ مگر باجماع امت ان کو اپنا یہ حق خود وصول کرنے کا اختیار نہیں کہ خود ہی قاتل کو مار ڈالیں بلکہ اس حق کے حاصل کرنے کے لیے حکم سلطان مسلم یا اس کے کسی نائب کا ضروری ہے ۔ کیونکہ قصاص کس صورت میں واجب ہوتا ہے کس میں نہیں اس کی جزئیات بھی دقیق ہیں ۔ جن کو ہر شخص معلوم نہیں کر سکتا اس کے علاوہ اولیاء مقتول اپنے غصہ میں مغلوب ہو کر کوئی زیادتی بھی کر سکتے ہیں ۔ اس لیے باتفاق علماء امت حق قصاص حاصل کرنے کے

لیے اسلامی حکومت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ (معارف القرآن بحوالہ قرطبی)

دیت (خون بہا)

قتل تین قسم کا ہے ۔ عمد، شبہ عمد، خطا قتل عمد یہ ہے کہ جو ایسے آلہ کے ذریعہ سے واقع ہو جو آہنی یا تفریق اجزاء میں آہنی آلہ کی طرح ہو۔ جیسے دھاروالا بانس یا دھاروالا پتھر وغیرہ۔ اس کی تفصیل تو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اسکی اُخروی سزا تو گناہ کبیرہ ہے اور دنیاوی قصاص ہے مگر یہ کہ ورثاء مقتول اسے معافی دے دیں۔ اور قتل کی دوسری قسم شبہ عمد ہے وہ یہ ہے کہ قتل تو قصدًا اور جان بوجھ کر ہو مگر مذکورہ بالا آلات سے نہ ہو۔ یہ بھی گناہ کبیرہ ہے مگر اس میں قصاص نہیں ہے صرف دیت ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل احادیث میں آرہی ہے۔

قتل شبہ عمد کی تعریف اور اسکی دیت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّ دِیَۃَ الْخَطَاءِ شِبْہِ الْعَمَدِ مَا کَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا

عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار دیت خطا شبہ عمد کی جو کوڑے اور لاٹھی سے واقع ہو۔ سو اونٹ ہیں۔ اور

مِائَۃٌ مِنَ الْاِبِلِ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهَا اَوْلَادُهَا۔

چالیس ان میں سے ایسے ہوں کہ ان کے پیٹوں میں ان کے بچے ہوں۔

(نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح

یہ حدیث سورۃ النساء کی آیت ۹۲ کے اس جملہ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ مُّؤْمِنَۃٍ وَّدِیَۃٌ مُّسَلَّمَۃٌ اِلٰی اَھْلِہٖ اِلَّآ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا کی تفسیر اور تشریح ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومن کے قتلِ خطا کی دو دنیاوی سزائیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک غلام آزاد کرنا۔ اور دوسری مقتول کے ورثاء کو خون بہا دینا۔ البتہ آخر میں فرمایا ہے کہ وہ ورثاء اگر خون بہا معاف کردیں تو کر سکتے ہیں۔ اگر سارے وارث خون بہا معاف کردیں تو سارا معاف ہو جائے گا۔ اور اگر بعض معاف کردیں تو ان کا اپنا حصّہ ہی معاف ہو سکتا ہے۔ بعض کے معاف کرنے سے سب کا حصّہ معاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِلَّآ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا جمع کا صیغہ لگایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سارے معاف کریں تو معاف ہوگا۔ کسی ایک کے معاف کرنے سے سب کا حق معاف نہیں ہو سکتا۔ مگر اس آیت میں خون بہا کی تفصیل نہیں بیان فرمائی کہ وہ کتنی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں وہ تفصیل بیان فرمادی ہے کہ وہ دیت سو اونٹ ہیں۔ اور آپ نے قتل شبہ عمد کی تعریف بھی بیان فرمادی ہے کہ جو کوڑے یا لاٹھی سے واقع ہو وہ قتل شبہ عمد ہے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ	علقمہ اور اسود سے روایت
قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ (ابن	ہے کہ عبداللہ بن مسعود
مَسْعُوْدٍ) فِیْ شِبْهِ	نے دیت یا قتلِ مشابہ
الْعَمْدِ خَمْسٌ وَّ عِشْرُوْنَ	بالعمد کے بارے میں فرمایا
حِقَّةً خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ	کہ پچیس تین سالہ اونٹ
جِذْعَةً خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ	اور پچیس چار سالہ اونٹ
بَنَاتُ لَبُوْنٍ خَمْسٌ وَّ	اور پچیس دو سالہ اونٹ
عِشْرُوْنَ بَنَاتُ مَخَاضٍ۔	اور پچیس یک سالہ

(ابوداؤد)

تفسیر

دراصل یہ اور اس سے پہلے عمرو بن شعیب والی حدیث جو بحث قصاص میں گزری ہے دونوں سورۃ بقرہ کی اس آیت فمن عفی له من اخیه شیٔ فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان کی تفسیر ہیں۔ یعنی اگر قاتل کو مقتول بھائی کی طرف سے اگر کچھ معافی مل جائے تو دستور کے موافق مطالبہ کرنا چاہیئے اور اسے نیکی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ اب یہ کیا ادا کرنا ہے اس کی تفصیل یہاں نہیں ہے۔

چنانچہ اس کی تفصیل جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بزبان خود بیان فرمائی ہے کہ اس سے مراد دیت ہے مگر اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر قتل عمد میں قاتل کو پوری معافی دے دی جائے مثلاً مقتول کے وارث صرف اس کے دو بیٹے تھے۔ اور ان دونوں نے اپنا حق معاف کر دیا تو قاتل

پر کوئی مطالبہ نہیں رہا۔ اور اگر پوری معافی نہ ہو مثلاً صورت مذکورہ میں دو بیٹوں میں سے ایک نے معاف کیا دوسرے نے معاف نہیں کیا تو سزائے قصاص سے تو قاتل بری ہو گیا لیکن معاف نہ کرنے والے کو نصف دیت۔ یعنی خون بہا دلایا جائے گا۔ اور خون بہا یا تو ایک سو اونٹ ہیں جن کا ذکر ان مذکورہ احادیث میں آیا ہے۔ مگر ان کی عمروں میں اختلاف ہیں چنانچہ حضرت عمرو بن شعیب والی حدیث میں ان کی عمریں یہ بتائی ہیں کہ تیس اونٹنیاں جو چوتھے برس میں لگی ہوں۔ اور تیس اونٹنیاں جو پانچویں برس میں لگی ہوں۔ اور چالیس حاملہ اونٹنیاں ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود والی حدیث میں پچیس تین سالہ اور پچیس چار سالہ اور پچیس دو سالہ اور پچیس ایک سالہ اونٹ ہیں۔ پس ان احادیث میں تعارض پیدا ہو گیا ہے۔

پس ایسے موقعہ پر محدثین حضرات کا اصول یہ ہے کہ پہلے ان دونوں احادیث متعارضہ کو تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں اگر ہو جائے تو ان دونوں احادیث پر عمل کیا جاتا ہے ورنہ دونوں کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

اور یہاں عمرو بن شعیب والی حدیث شافعیہ کے نزدیک صحت کو پہنچی ہوئی ہے اس لیے وہ اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور احناف کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث صحت کو نہیں پہنچی اس لیے وہ عبداللہ بن مسعود والی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں سائب بن یزید کی روایت بھی ہے۔ وہ بھی عبداللہ بن مسعود والی روایت کی مؤید ہے۔

بہرحال یہ تو وہ صورت ہے کہ دیت میں اونٹ دینا ہو۔ اور اگرچہ اس حدیث کے شروع میں آچکا ہے کہ یہ دیت شبہ عمد کی ہے لیکن بعد میں عمرو بن

شعیب والی حدیث میں جو مندرجہ ذیل آ رہی ہے یہ وضاحت فرمادی ہے کہ قتل عمد میں بھی دیت مغلّظہ یہی ہے۔

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَقْلُ شِبْهِ الْعَمَدِ مُغَلَّظٌ مِثْلُ عَقْلِ الْعَمَدِ وَلَا يُقْتَلُ صَاحِبُهٗ ۔

(ابوداؤد)

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اس نے اس کے دادا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبہ عمد کی دیت سخت ہے جس طرح کہ عمد کی دیت سخت ہے اور اس کے صاحب یعنی قاتل مارا نہیں جائے گا۔

سوال:

قرآن مجید کے اس جملہ میں تو قتل خطا کی دو دنیاوی سزائیں بیان فرمائی ہیں اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل شبہ عمد کی سزا بیان فرمائی ہے پھر یہ احادیث اس جملہ کی کس طرح تفسیر ہو سکتی ہے۔

جواب:

قرآن مجید کے اس جملہ میں جو لفظ خطاً آیا ہے یہ قتل عمد کا مقابل ہے اور قتل عمد کی دنیاوی سزا قصاص اور اخروی دوزخ ہے جسکی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اور قرآن مجید کے کسی اور مقام پر قتل شبہ عمد کی دنیاوی یا اخروی سزا موجود نہیں ہے اور ظاہر بات ہے کہ اس کے جرم ہونے کی حیثیت قتل عمد کے برابر بھی نہیں ہو سکتی اور صرف قتل خطا کے برابر بھی نہیں ہو سکتی لہٰذا یہ دونوں کے درمیان ہے اور قتل عمد اور خطا کے ساتھ تقابل کے طور پر اس کی سنگینی اور معصیت ہونا تو معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی دنیاوی سزا کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ پس جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بزبان خود اس کی دُنیاوی سزا بیان فرمادی ہے اور ساتھ قتل شبہ عمد کی تعریف بھی بیان فرمادی ہے کہ جو کوڑے اور لاٹھی سے قتل واقع ہو وہ شبہ عمد میں ہے۔ اس کی دنیاوی سزا سو اونٹ ہیں، یعنی ... ف کی تحقیق میں ایک ایک قسم کے پچیس پچیس۔ اور وہ اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ کی تحقیق میں عمرو بن شعیب والی حدیث صحت کو پہنچی ہوئی ہے اس لیے وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور اس کی مزید تحقیق اور تفصیل بحث قتل عمد میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ : خون بہا میں اونٹوں کے بجائے ہزار دینار یا دس ہزار درہم دینا چاہے تو بھی دے سکتا ہے۔ ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے اور درہم کی مقدار سکۂ مروجہ حال سے سوا چار آنہ اور ساڑھے چار آنہ کے درمیان میں ہے۔

مسئلہ : جس طرح ناتمام معافی سے مال واجب ہوتا ہے اسی طرح اگر باہم کسی مقدار مال پر مصالحت ہو جائے تب بھی قصاص ساقط ہو کر مال واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اگر اونٹ یا اشرفیوں یا روپیوں پر صلح ٹھہرے تو ان اشیاء کی جو مقدار اوپر مذکور ہوئی ہے اس سے زیادہ پر معاملہ نہ ہو۔ البتہ اگر اور کسی جنس پر صلح ہو جائے مثلاً کوئی غلہ یا کپڑا یا گھوڑا تو جس قدر قیمت بھی ہو صلح جائز ہے پھر چاہے یہی مقررہ چیزیں لے لے۔ اور چاہے ان مقررہ چیزوں کے عوض برضامندی اشرفیاں یا روپیہ لے لے۔ مگر یہ اشرفیاں یا روپے اوپر والی مقدار سے زیادہ ہوں ـ لے لے سب جائز ہے۔

مسئلہ : قتل عمد میں جو دیت یا صلح سے مال واجب ہو وہ صرف قاتل کے مال میں واجب ہوتا ہے۔ مقتول کے جتنے وارث شرعی ہوں گے وہی قصاص معاف کر سکتے ہیں اور مال دیت بھی انہیں میں مشترک ہو گا۔ اور قاتل مقتول کی کسی چیز کا وارث نہیں ہوتا۔ (بیان القرآن بحوالہ ہدایہ)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ	ابوہریرہ نے فرمایا کہ جناب
قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ	نے بنو لحیان کی ایک عورت

جَنِيْنِ اِمْرَاَةٍ مِنْ بَنِي لَحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ ثُمَّ اِنَّ الْمَرْاَةَ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَنَّ مِيْرَاثَهَا لِبَنِيْهَا وَزَوْجِهَا وَالْعَقْلَ عَلٰى عَصَبَتِهَا۔ (متفق علیہ)	کے پیٹ کے بچّے کا غرّہ غلام یا لونڈی دینے کا فیصلہ کیا جو مر کر گرا تھا پھر وہ عورت بھی فوت ہو گئی جس کے خلاف غرّہ کا فیصلہ ہوا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ اس کی وراثت تو اس کے بیٹوں اور خاوند کی ہے اور دیت اس کے عصبوں پر ہے۔
وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ اَنَّ امْرَاَتَيْنِ كَانَتَا ضَرَّتَيْنِ فَرَمَتْ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى بِحَجَرٍ اَوْ عَمُوْدِ فُسْطَاطٍ فَاَلْقَتْ جَنِيْنَهَا فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِيْنِ غُرَّةً	مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ دو عورتیں آپس میں سوکنیں تھیں۔ ایک نے دوسری کو پتھر یا خیمے کے ستون سے مار ڈالا۔ تو اس نے اس کے پیٹ کا بچہ گرا دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچے کے بارے

عَبْدًا اَوْ اَمَۃً وَجَعَلَہٗ عَلٰی عَصَبَۃِ الْمَرْاَۃِ۔ (ھذہ روایۃ الترمذی)

میں غرّہ غلام یا لونڈی کا فیصلہ کیا۔ اور اس کو عورت کی قوم پر لازم کیا یہ ترمذی کی روایت ہے

وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ ضَرَبَتْ اِمْرَاَۃٌ ضَرَّتَھَا بِعَمُوْدِ فُسْطَاطٍ وَھِیَ حُبْلٰی فَقَتَلَتْھَا قَالَ وَاِحْدٰھُمَا لَحْیَانِیَّۃٌ قَالَ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دِیَۃَ الْمَقْتُوْلَۃِ عَلٰی عَصَبَۃِ الْقَاتِلَۃِ وَغُرَّۃً لِمَا فِیْ بَطْنِھَا۔

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمے کے ستون سے مارا اور وہ حاملہ تھی پھر اس نے اسکو قتل کر دیا اس نے کہا کہ اور ایک ان میں سے لحیانہ تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولہ کی دیت قاتلہ کی قوم پر فرض کی اور اس کے پیٹ میں جو بچّہ تھا اس کا غرّہ واجب کیا۔

وَعَنْہُ قَالَ اِقْتَتَلَتِ امْرَاَتَانِ مِنْ ھُذَیْلٍ فَرَمَتْ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْھَا وَمَا فِیْ بَطْنِھَا فَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ

اور ان ہی سے روایت ہے کہ بنو ہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں۔ پس ایک نے دوسری کو پتھر مارا اور اس کو قتل کر دیا اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی پھر

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اِنَّ دِیَۃَ جَنِیْنِہَا	نے فیصلہ کیا کہ اس کے
غُرَّۃٌ عَبْدٌ اَوْ	پیٹ کے بچے کی دیت
وَلِیْدَۃٌ وَقَضٰی	غُرّہ غلام یا لونڈی ہے
بِدِیَۃِ الْمَرْاَۃِ	اور فیصلہ فرمایا کہ عورت
عَلٰی عَاقِلَتِہَا	کی دیت اس کی قوم پر
وَوَرَّثَہَا وَلَدَہَا	ہے۔ اور اس کا لڑکا اور
وَمَنْ مَعَہُمْ۔	دیگر جو اس کے ساتھ ہوں
(متفق علیہ)	اس کے وارث ہیں۔

تشریح

یہاں چار احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ چاروں بھی مذکورہ آیت دیت کی تشریح اور تفسیر ہیں۔ پہلی حضرت ابوہریرۃؓ سے منقول ہے اور دوسری دو مغیرہؓ بن شعبہ سے منقول ہیں۔ ابوہریرۃؓ کی پہلی روایت میں اتنا ہے کہ بنو لحیان کی ایک عورت کا ایک کیس اور مقدمہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آیا۔ کہ اس عورت کا پیٹ کا بچہ جو مر کر گرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت غُرّہ مقرر کی، یعنی غلام یا لونڈی۔ اور اگر وہ بچہ پیدا ہونے کے بعد مرتا تو پھر پوری دیت واجب ہوتی۔ اور پھر وہ عورت جس کے خلاف آپؐ نے فیصلہ کیا وہ مر گئی تو پھر آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی میراث تو اس کے بیٹوں اور اس

کے خاوند کی ہے۔ اور دیت آپ نے اس کی برادری پہ مقرر کی۔ مگر یہ حدیث مجمل ہے۔

اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ کی مروی دونوں حدیثیں اس کی تفصیل ہیں کیونکہ ان میں سے پہلی میں یہ فرمایا ہے کہ وہ دونوں عورتیں سوکنیں تھیں اور دوسری میں یہ فرمایا ہے کہ وہ مضروبہ حاملہ تھی۔ باقی دونوں حدیثوں کا مضمون وہی ہے جو پہلی کا ہے۔ اس کے بعد ابوہریرہ سے مروی جو دوسری حدیث ہے اس میں ایک دوسرا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ بنی ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ایک نے دوسری کو پتھر سے مارا اور اسے قتل کر دیا اور اس کے پیٹ میں جو تھا اسے بھی قتل کر دیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچے کی دیت تو غلام یا لونڈی مقرر کی۔ اور عورت کی دیت قاتلہ کی قوم پہ لازم کی۔

پس خلاصہ اور لب لباب اس بحث کا نکلا کہ اس بحث میں پانچ چیزوں کا بیان ہے۔ پہلا یہ ہے کہ قتل شبہ عمد وہ ہے جو کوڑے لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے واقع ہو یعنی جو قصداً تو ہو مگر ایسے آلہ سے نہ ہو جس سے اجزا میں تفریق ہو سکتی ہو۔ اور دوسرا اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس میں قصاص نہیں بلکہ دیت ہے۔ اور تیسرا اس سے یہ معلوم ہوا کہ مقتولہ کے پیٹ کا بچہ اگر مرا ہو تو اس کی پوری دیت نہیں۔ اور اگر پیدا ہونے کے بعد مرے تو اس کی پوری دیت ہے۔ اور چوتھا اس سے یہ معلوم ہوا کہ قتل شبہ عمد کی دیت قاتل کی برادری پر ہے۔ اور پانچواں اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دیت مقتول کے ورثا میں شریعت کے قانون کے موافق تقسیم ہو گی۔

قتل خطا کی تعریف اور اسکی دیت

قتل خطا کی تعریف تو یہ ہے کہ جسے مارنے کا ارادہ نہ ہو مگر اتفاقاً وہ نشانہ بن جائے۔

عَنْ خِشْفِ ابْنِ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ دِيَةِ الْخَطَاءِ عِشْرِيْنَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَعِشْرِيْنَ ابْنَ مَخَاضٍ ذُكُوْرٍ وَعِشْرِيْنَ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَعِشْرِيْنَ جِذْعَةً وَعِشْرِيْنَ حِقَّةً۔

(ترمذی)

خشف بن مالک نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ قتل خطاء کی دیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس اونٹنیاں جو دوسرے برس میں لگی ہوں اور بیس اونٹ جو دوسرے میں لگے ہوئے ہوں اور بیس اونٹنیاں جو تیسرے برس میں لگی ہوئی ہوں۔ اور بیس اونٹنیاں جو پانچویں برس میں لگی ہوں۔ اور بیس اونٹنیاں جو چوتھے برس میں لگی ہوں مقرر کی ہیں۔

تشریح

یہ حدیث بھی سورۃ النساء کی آیت قتل خطا والی کی تفسیر ہے۔ کیونکہ

اس آیت میں اتنا فرمایا ہے کہ جو مومن کو غلطی سے مارے تو اس پر ایک تو غلام آزاد کرنا ہے اور دوسرا اس کے وارثوں کو دیت دینا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ کتنی دینا ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں وضاحت فرمادی کہ دیت سو اونٹ ہے اور ساتھ ساتھ ان کی عمریں بھی بتادی ہیں ۔ اور یہ دیت بھی قاتل کی برادری پر عائد کی گئی ہے ۔

دیت میں اونٹوں کے بجائے قیمت دینا بھی جائز ہے

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ	عمرو بن شعیب نے اپنے
عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ	باپ سے اور اس نے
قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	اپنے دادا سے روایت کی
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
يُقَوِّمُ دِيَةَ الْخَطَاءِ	علیہ وسلم دیت خطا کی قیمت
عَلٰى اَهْلِ الْقُرٰى اَرْبَعَ	بستیوں والوں پر چار سو
مِائَةِ دِيْنَارٍ اَوْ عِدْلَهَا	دینار یا اس کے برابر چاندی
مِنَ الْوَرَقِ وَيُقَوِّمُهَا	کی قیمت لگاتے تھے اور
عَلٰى اَثْمَانِ الْاِبِلِ فَاِذَا	آپ دیت خطا کی قیمت
غَلَتْ رَفَعَ فِىْ قِيْمَتِهَا	اونٹوں کے مول پر ٹھہراتے
وَاِذَا هَاجَتْ رَخْصٌ	تھے اور جب مہنگائی ہوتی
نَقَصَ مِنْ قِيْمَتِهَا	تو قیمت بڑھا دیتے تھے،
وَبَلَغَتْ عَلٰى عَهْدِ	اور جب ارزانی ہوتی تو ان

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ اَرْبَعِ مِائَةِ دِيْنَارٍ اِلٰى ثَمَانِ مِائَةِ دِيْنَارٍ وَعِدْلُهَا مِنَ الْوَرِقِ ثَمَانِيَةُ اٰلَافِ دِرْهَمٍ قَالَ وَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَىْ بَقَرَةٍ وَعَلٰى اَهْلِ الشَّاءِ اَلْفَىْ شَاةٍ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَقْلَ مِيْرَاثٌ بَيْنَ وَرَثَةِ الْقَتِيْلِ وَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عَقْلَ الْمَرْاَةِ بَيْنَ عَصَبَتِهَا وَلَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا (ابوداؤد ونسائی)

کی قیمت گھٹا دیتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ قیمت چار سو دینار سے لے کر آٹھ سو دینار تک پہنچ گئی تھی اور اس کے برابر چاندی آٹھ ہزار درہم تک پہنچی تھی۔ اور راوی کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گائیں والوں پر دو سو گائیں اور بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں مقرر کیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیت مقتول کے وارثوں میں بطور وراثت تقسیم ہو گی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ عورت کی دیت وارثوں میں بانٹی گئی ہے اور قاتل کسی چیز کا وارث نہیں ہوتا

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ
عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ
قَالَ كَانَ قِيْمَةُ
الدِّيَةِ عَلٰى عَهْدِ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانَ
مِائَةِ دِيْنَارٍ اَوْ ثَمَانِيَةَ
اٰلَافِ دِرْهَمٍ وَدِيَةُ اَهْلِ
الْكِتٰبِ يَوْمَئِذٍ اَلنِّصْفُ
مِنْ دِيَةِ الْمُسْلِمِيْنَ
قَالَ وَكَانَ كَذَالِكَ
حَتّٰى اُسْتُخْلِفَ عُمَرُ
فَكَانَ خَطِيْبًا ۝ فَقَالَ
اِنَّ الْاِبِلَ قَدْ غَلَتْ
قَالَ فَفَرَضَهَا عُمَرُ عَلٰى
اَهْلِ الذَّهَبِ اَلْفَ
دِيْنَارٍ وَعَلٰى اَهْلِ
الْوَرَقِ اِثْنَىْ عَشَرَ
اَلْفًا وَعَلٰى اَهْلِ الْبَقَرِ
مِائَتَىْ بَقَرَةٍ وَعَلٰى
اَهْلِ الشَّاءِ اَلْفَىْ

عمرو ابن شعیب اپنے
باپ سے اور اس نے
اپنے دادا سے روایت کی
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ میں
دیت کی قیمت آٹھ سو
دینار یا آٹھ ہزار درہم اور
اس زمانہ میں دیت اہل
کتاب کی مسلمانوں کی دیت
سے آدھی تھی۔ بقول راوی
حضرت عمرؓ کے زمانہ تک
یہی سلسلہ رہا۔ اور حضرت
عمرؓ نے ایک خطبہ دیتے
ہوئے فرمایا کہ اونٹ مہنگے
ہو گئے ہیں۔ پھر حضرت
عمرؓ نے سونے والوں پر
ایک ہزار دینار اور چاندی
والوں پر بارہ ہزار درہم
رکھے۔ اور گائے والوں پر
دو سو گائیں اور بکری والوں
پر دو ہزار بکریاں رکھیں اور

شَاةٍ وَعَلٰى اَهْلِ	کپڑے والوں پر دو سو
الْحُلَلِ مِائَتَيْ حُلَّةٍ	جوڑے مقرر کیے اور بقول
قَالَ وَ تَرَكَ دِيَةَ	راوی حضرت عمرؓ نے
اَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَرْفَعْهَا	ذمیوں کی دیت کو بحال
فِيمَا رَفَعَ مِنَ الدِّيَةِ	رکھا اس میں اضافہ نہ کیا
(ابو داؤد)	جہاں قیمت دیت کی بڑھتی تھی

تشریح

یہ احادیث بھی آیت دیت کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں اتنا فرمایا ہے کہ جو آدمی مومن کو غلطی سے مار ڈالے اس کی ایک سزا یہ ہے کہ وہ غلام آزاد کرے۔ اور دوسری یہ ہے کہ مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کیا جائے مگر اس آیت میں خون بہا کی تفصیل مذکور نہیں ہے کہ خون بہا کون ادا کرے۔ کس قسم کا مال ہو۔ مقتول کے ورثار میں کس طرح تقسیم کیا جائے۔ اس کی کوئی وضاحت نہیں ہے اجمال ہے۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بیان فرما دی ہے کہ یہ دیت قاتل کی قوم اور برادری ادا کرے گی۔ اور مقتول کے وارثوں میں بطور وراثت تقسیم ہوگی۔ اور اس دیت میں اصل نو سو اونٹ ہیں جن کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اور اگر اونٹوں کی بجائے ان کی قیمت ادا کرنا چاہیں تو بھی ادا کر سکتے ہیں۔ مگر چونکہ اونٹوں کی قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے اس لیے اسی تناسب سے دیت میں بھی کمی اور بیشی ہوگی جیسا کہ ان احادیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کا عملی نمونہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اس کے بعد حضرت عمرؓ کا عملی نمونہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اور دیت میں گائیں بھی دی جا سکتی ہیں۔ اور بکریاں بھی دی جا سکتی ہیں اور کپڑے بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ جن کا مفصّل بیان ان احادیث میں موجود ہے۔

پس خلاصہ اور لبِ لباب یہ نکلا کہ آیت دیت مجمل ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابہ کے عمل سے اور فرامین سے یہ ثابت ہوگیا کہ دیت میں اونٹ، گائے، بکریاں، کپڑے اور ان کی قیمت دینا سب جائز ہے۔ دینے والے کو جو آسان ہو اس پر عمل کیا جائے۔ اور قیمت اپنے دور کے لحاظ سے لگائی جا سکتی ہے۔

مسئلہ : یہ مقدار مذکورہ دیت کی جب ہے کہ مقتول مرد ہو اور اگر عورت ہو تو اس کی نصف ہے (کذا فی الهدایۃ) دیۃ المراۃ علی النصف من دیۃ الرجل (بیہقی)

مسئلہ : دیت مسلم اور ذمی کی برابر ہے، قول علیہ السلام ہے۔ دیۃ کلّ ذی عهد فی عهده الف دینار (کذا فی الهدایۃ اخرجہ ابو داؤد فی مراسیلہ)۔

مسئلہ : کفارہ یعنی تحریر رقبہ یا روزے رکھنا خود قاتل کو ادا کرنا پڑتا ہے، اور دیت قاتل کے اہلِ نصرت پر ہے، جن کو شرح کی اصطلاح میں عاقلہ کہتے ہیں۔ (بیان القرآن)

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قاتل کے جرم کا بوجھ اس کے اولیاء اور انصار پر کیوں ڈالا جاتا ہے کیونکہ وہ تو بے قصور ہیں۔ وجہ دراصل یہ ہے کہ اس میں قاتل کے اولیاء بھی قصوروار ہوتے ہیں، کہ انہوں نے اس کو اس

قسم کی بے احتیاطی کرنے سے روکا نہیں، اور دیت کے خوف سے آئندہ وہ لوگ اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کریں گے۔

مسئلہ: کفارہ میں لونڈی غلام برابر ہیں۔ لفظ رقبہ عام ہے، البتہ ان کے اعضا سالم ہونے چاہئیں۔

مسئلہ: دیت مقتول کی شرعی ورثہ میں تقسیم ہوگی، اور جو اپنا حصّہ معاف کر دے گا اس قدر معاف ہو جائے گی، اور اگر سب نے معاف کر دیا سب معاف ہو جائے گی۔

مسئلہ: جس مقتول کا کوئی وارث شرعی نہ ہو اس کی دیت بیت المال میں داخل ہوگی، کیونکہ دیت ترکہ ہے اور ترکہ کا یہی حکم ہے۔
(بیان القرآن)

مسئلہ: اہلِ میثاق (ذمی یا مستامن) کے باب میں جو دیت واجب ہے ظاہر یہ ہے کہ اس وقت ہے جب اس ذمی یا مستامن کے اہل موجود ہوں، اور اگر اس کے اہل نہ ہوں، یا وہ اہل مسلمان ہوں اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا، اس لیے وہ بجائے نہ ہونے کے ہے، تو اگر وہ ذمی ہے تو اس کی دیت بیت المال میں داخل کی جائے گی کیونکہ ذمی لاوارث کا ترکہ جس میں دیت داخل ہے، بیت المال میں آتا ہے۔ (کمافی الدر المختار) ورنہ واجب نہ ہوگی (بیان القرآن)

مسئلہ: روزے میں اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے تسلسل باقی نہ رہا ہو تو از سرِ نو رکھنے پڑیں گے، البتہ عورت کے حیض کی وجہ سے تسلسل ختم نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی عذر سے روزہ پر قدرت نہ ہو تو قدرت

تک توبہ کیا کرے۔

مسئلہ: قتل عمد میں یہ کفارہ نہیں توبہ کرنا چاہیئے۔ (بیان القرآن)

ناتجربہ کار ڈاکٹر یا حکیم کے علاج سے اگر کوئی مریض مرجائے تو اس پر دیت ہے

عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ۔ (ابوداؤد۔ نسائی)	عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور اس نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے آپ ہی طبیب بنے اور اس کی طبابت کا کسی کو پتہ نہ ہو تو وہ ضامن ہے

تشریح

یہ حدیث بھی آیت دیت کی تشریح اور تفسیر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اتنا فرمایا ہے کہ جو آدمی کسی مومن کو غلطی سے مار ڈالے تو اس پر غلام آزاد کرنا ہے اور اس کے وارثوں کو خون بہا دینا ہے مگر اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ کسی ڈاکٹر یا حکیم طبیب کے علاج سے کوئی مریض مرجائے تو اس کا کیا حکم

ہے ؟ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بیان فرمادی ہے ۔ آپ کی اس بیان کردہ تفسیر سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں پہلی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک ڈاکٹر یا طبیب کو اگر فن ڈاکٹری یا طب میں مہارت نہ ہو یعنی جعلی ہو اور وہ اگر کسی مریض کا علاج کرے اور وہ اس کی دوا سے مر جائے تو اس پر ضمانت ہو گی یعنی اس پر دیت لازم آئیگی اور یہ دیت شبہ عمد کی نہیں ہو گی بلکہ خطائے محض کی ہو گی اس لیے کہ اس کا مقصد اس کو مارنا نہیں تھا بلکہ اصلاح اور علاج کرنا مقصد تھا ۔

قتل خطا کی دیت اس لیے لازم کی گئی ہے کہ جب اسے تجربہ نہیں تھا تو اس نے ایسے کام کو کیوں ہاتھ ڈالا ۔ اور چونکہ یہ دیت اسکی عاقلہ نے ادا کرنا ہے انہیں چاہیے تھا کہ اسے اس کام سے روکتے ۔ اور آپ کے اس ارشاد سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس ڈاکٹر یا طبیب پر قصاص نہیں ہے کیونکہ قصاص وہاں ہوتا ہے کہ جہاں قتل بالارادہ ہو اور ایسے آلات سے ہو جن سے انسان عموماً مرتا ہے اور یہاں دونوں چیزیں نہیں ہیں ۔ اس لیے قصاص نہیں ہے ۔

اور تیسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی ماہر تجربہ کار طبیب یا ڈاکٹر کے علاج سے اگر کوئی مریض مر جائے تو اس پر قصاص ہے نہ دیت کیونکہ وہ اپنی تقدیر سے مرا ہے اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ اطباء یا ڈاکٹر جنہیں اس فن میں مہارت نہیں ہوتی اور وہ رشوت یا سفارشات سے جعلی سرٹیفکیٹ یا سندات حاصل کرتے ہیں اور پھر لوگوں کا علاج کرتے ہیں اور لوگ مر جاتے ہیں ۔ یہ قتل شبہ بالعمد ہے جو گناہ کبیرہ ہے اور اس گناہ میں ایسی سندات

دینے والے اور لے کر علاج کرنے والے۔ سفارشات کرنے والے یا رشوت لے کر پاس کرنے والے سب اس گناہ میں شریک ہیں۔ وہ اور ان سب کی برادریوں پر دیت لازم ہوگی۔ اور اگر ان کے علاج سے پورا آدمی ہلاک ہوا تو پوری دیت لازم آئے گی اور اگر اس مریض کے کسی عضو کو نقصان ہوا تو اس عضو کی دیت لازم آئے گی۔

اعضا کاٹنے کی دیت

عَنْ اَبِیْ بَکْرِ ابْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ حَزْمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی اَهْلِ الْیَمَنِ وَکَانَ فِیْ کِتَابِهٖ اَنَّ مَنِ اعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتْلًا فَاِنَّهٗ قَوَدُ یَدِهٖ اِلَّا اَنْ یَّرْضٰی اَوْلِیَاءُ الْمَقْتُوْلِ وَفِیْهِ اَنَّ الرَّجُلَ یُقْتَلُ بِالْمَرْاَةِ وَفِیْهِ فِی النَّفْسِ

ابی بکر بن محمد بن حزم سے روایت ہے انہوں نے اس کے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو خط لکھا اور آپ کے خط میں یہ تھا کہ جو کسی مومن کو بے تقصیر قتل کر دے پس بے شک وہ اپنے ہاتھ کا قصاص ہے۔ (اپنے کیے کی سزا ہے) مگر کہ مقتول کے ورثار راضی ہوں اور اس میں یہ بھی تھا، کہ

اَلدِّيَةُ مِائَةٌ مِنَ
الْاِبِلِ وَعَلَىٰ اَهْلِ
الذَّهَبِ اَلْفُ دِيْنَارٍ
وَفِى الْاَنْفِ اِذَا
اُوْعِبَ جَدْعُهُ
اَلدِّيَةُ مِائَةٌ مِنَ
الْاِبِلِ وَفِى
الْاَسْنَانِ اَلدِّيَةُ وَ
فِى الشَّفَتَيْنِ اَلدِّيَةُ وَ
فِى الْبَيْضَتَيْنِ اَلدِّيَةُ
وَفِى الصُّلْبِ اَلدِّيَةُ
وَفِى الْعَيْنَيْنِ اَلدِّيَةُ
وَفِى الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ
نِصْفُ الدِّيَةِ وَفِى
الْمَاْمُوْمَةِ ثُلُثُ
الدِّيَةِ وَفِى
الْجَائِفَةِ ثُلُثُ
الدِّيَةِ وَفِى الْمُثَقَّلَةِ
خَمْسَ عَشَرَةَ مِنَ الْاِبِلِ
وَفِى كُلِّ اِصْبَعٍ مِنْ
اَصَابِعِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ

آدمی عورت کے بدلہ میں
مارا جائے اور اس میں یہ
بھی تھا نفس کی دیت سو
اونٹ ہیں اور سونے والوں
پر ایک ہزار دینار ہیں۔
اور پوری کاٹی ہوئی ناک
میں سو اونٹ دیت ہے
دانتوں میں دیت ہے
ہونٹوں میں دیت ہے
خصیتین میں دیت ہے
اور پیٹھ میں دیت ہے
اور دو آنکھوں میں دیت ہے
اور ایک پاؤں میں آدھی
دیت ہے اور سر کے
مغز تک پہنچنے والے زخم
میں تہائی دیت ہے اور
پیٹ کے زخم میں تہائی
دیت ہے اور ہڈی ٹوٹنے
میں پندرہ اونٹ ہیں۔
اور ہاتھ اور پاؤں کی
ہر ایک انگلی میں دس

عَشْرٌ مِنَ الْاِبِلِ وَفِي السِّنِّ خَمْسٌ مِنَ الْاِبِلِ۔ (رواه النسائی والدارمی)	دس اونٹ ہیں۔ اور ایک دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ (یہ روایت نسائی اور دارمی میں ہے)
وَفِي رِوَايَةِ مَالِكٍ وَفِي الْعَيْنَيْنِ خَمْسُوْنَ وَفِي الْيَدِ خَمْسُوْنَ وَفِي الرِّجْلِ خَمْسُوْنَ وَفِي الْمُوْضِحَةِ خَمْسٌ	اور مالک کی روایت میں ہے۔ اور ایک آنکھ میں پچاس اونٹ ہیں اور ایک ہاتھ میں پچاس ہیں اور ایک پاؤں میں پچاس اونٹ ہیں اور ہڈی ظاہر کرنے والے زخم میں پانچ اونٹ ہیں۔
عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسًا خَمْسًا مِنَ الْاِبِلِ وَفِي الْاَسْنَانِ خَمْسًا خَمْسًا مِنَ الْاِبِلِ (ابوداؤد)	عمرو ابن شعیب نے اپنے باپ سے اور اس نے اس کے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی کھولنے والے زخموں میں اور ایک ایک دانت میں پانچ پانچ اونٹوں کا فیصلہ فرمایا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَ الْیَدَیْنِ وَالرِّجْلَیْنِ سَوَاءً (ابوداؤد و ترمذی)

اور ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کو برابر قرار دیا۔

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاَصَابِعُ سَوَاءٌ وَالْاَسْنَانُ سَوَاءٌ اَلثَّنِیَّۃُ وَالضِّرْسُ سَوَاءٌ ھٰذِہٖ وَھٰذِہٖ سَوَاءٌ۔ (ابوداؤد)

اور انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انگلیاں برابر ہیں دانت برابر ہیں۔ اگلے دانت اور داڑھیں برابر ہیں۔ یہ اور یہ (یعنی چھنگلیاں اور انگوٹھا برابر ہیں۔

تشریح

یہاں اس بحث میں پانچ احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی ابی بکر بن محمد والی ہے۔ دوسری مالک والی، تیسری عمرو ابن شعیب والی، چوتھی اور پانچویں ابن عباس سے مروی ہیں۔ اور یہ پانچوں احادیث اس آیت (وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاءً فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ مُّؤْمِنَۃٍ وَّدِیَۃٌ مُّسَلَّمَۃٌ اِلٰی اَھْلِہٖ) کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ مقتول کے

ورثاء کو دیت دینا ہے ۔ یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ دیت پوری جان کی ہو یا اعضا کی ہو ۔ اور ان احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت اور تشریح فرمادی ہے ۔ کہ یہ دیت پوری جان کی بھی ہونی چاہیے اور اعضا کی بھی ہونی چاہیے ۔ ابی بکر بن محمد والی حدیث کے شروع میں تو پوری جان کی دیت بیان فرمائی ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے ۔ اس کے بعد اور دوسری احادیث میں اعضاء کی تشریح بیان فرمائی ہے مگر بعض اعضاء ایسے ہیں کہ ان کے کاٹ دینے سے انسان اپنی زندگی کے اکثر و بیشتر منافع سے محروم ہو جاتا ہے ۔ اس لیے ان کی دیت پورے انسان کے برابر رکھی گئی ہے ۔ یعنی سو اونٹ جیسا کہ ناک دونوں ہونٹ دونوں خصیتین ، پیٹھ ، دونوں آنکھیں ، دونوں ہاتھ ، دونوں پاؤں اور سارے دانت اور زبان اور دونوں کان ۔ اور اگر ان میں سے ناک کے علاوہ ایک کاٹا جائے تو آدھی دیت آئے گی (یعنی پچاس پچاس اونٹ اور ایک ایک دانت توڑنے میں پانچ پانچ اونٹ ہیں ۔ داڑھوں میں اور سامنے کے دانتوں میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ اور ایک ایک انگلی کاٹنے میں دس دس اونٹ ہیں پاؤں اور ہاتھوں کی انگلیوں میں فرق نہیں ہے اور جوف دماغ تک پہنچنے والے سر کے زخم میں دیت کا تیسرا حصہ ہے ۔ پیٹھ کے علاوہ اگر کوئی ہڈی توڑی گئی ہو تو اس کے پندرہ اونٹ ہیں ۔ اور اگر صرف ہڈی ظاہر ہو جائے تو اس کے پانچ اونٹ ہیں ۔ اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ دیت میں اونٹوں کے بجائے قیمت بھی دی جا سکتی ہے ۔ اسی طرح زخموں میں اور اعضا میں بھی قیمت دی جا سکتی ہے اور یہاں بہت سے فقہی اور فروعی مسائل ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں ۔ یہاں انکے اندراج

کی گنجائش نہیں ہے وہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔

جانور کے زخمی کرنے سے یا کان کنوئیں میں گرنے سے مالک پر تاوان وغیرہ نہیں ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ	ابی ہریرۃؓ سے روایت ہے
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْمَاءُ	وسلم نے فرمایا کہ چارپائے
جُرْحُهَا جُبَارٌ	کو زخمی کر دینا معاف ہے
وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ	کسی کی کان اور کنوئیں میں
وَالْبِئْرُ جُبَارٌ۔	گر کر مر جائے تو معاف
(متفق علیہ)	ہے۔

تشریح

یہ حدیث بھی قرآن مجید کی اس آیت (ومن قتل مؤمنا خطا فتحریر رقبۃ مؤمنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ) کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو کسی مومن کو غلطی سے مار ڈالے تو اس پر غلام آزاد کرنا ہے اور اس مقتول کے ورثاء کو دیت دینا ہے۔ اب اس میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کا جانور اگر کسی کو مار ڈالے یا زخمی کر دے یا کسی کی زمین میں کوئی کان یا کنواں ہو اور ان میں کوئی

دوسرا اگر کر مرجائے تو کیا اس جانور کے یا کان اور کنوئیں کے مالک پر قصاص یا دیت ہے یا نہیں؟ اور کیا جانور کے فعل کو اس کے مالک کا فعل تصور کیا جائے گا یا نہیں؟ اور اسی طرح کنواں یا کان کھودنا جو مالک کا فعل ہے اس کو کسی کی ہلاکت میں مؤثر سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں یہ آیت مجمل ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت اس حدیث میں بیان فرمائی ہے۔ مگر یہ حدیث بھی تشنہ تفصیل ہے کیونکہ جانور کی صورت میں آپ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ مالک ساتھ ہو یا نہ ہو۔ رات کا وقت ہو یا دن کا۔ جانور خود چھوٹ گیا ہو یا مالک نے قصداً چھوڑا ہو تاکہ دوسرے کو مار ڈالے۔ یہ کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اسی لیے اس حدیث کی تشریح میں ائمہ کا اختلاف واقع ہوا ہے۔ اس صورت میں تو اتفاق ہے کہ اگر مالک، جانور کا یا اس کا نگران ساتھ نہ ہو اور پھر وہ جانور کسی کا کوئی نقصان کر دے یا کسی کو مار ڈالے تو اس کے مالک پر یا نگران پر کوئی تاوان نہیں ہے اور بظاہر اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس وقت اس جانور سے جو فعل صادر ہوا ہے اس میں مالک کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور اگر مالک ساتھ ہو، جانور کو ہانک رہا ہو یا کھینچ رہا ہو یا اس پر سوار ہو اور اس حالت میں وہ جانور اگر کسی کا نقصان کر دے یا کسی کو مار ڈالے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے اس آیت ومن قتل مؤمناً خطاءً الخ اور اس حدیث سے بھی استنباط فرمایا ہے کہ مالک پر یا نگران پر تاوان ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں رات اور دن کا کوئی فرق نہیں ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک رات کو اگر وہ جانور کوئی نقصان کرے تو مالک پر تاوان

ہے اگر وہ دن کو نقصان کرے تو اس پر تاوان نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ رات کو جانور کی حفاظت مالک پر فرض ہے دن میں نہیں ہے۔ دن میں کھیتوں کی اور باغوں کی حفاظت مالک کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جانور کی حفاظت بہر حال مالک کی ذمہ داری ہے۔ رات کو بھی اور دن کو بھی جب کہ اس کے ساتھ موجود ہو اور اگر اس کے ہوتے ہوئے جانور نے کوئی نقصان کر دیا تو اس کا مقصد یہ ہے کہ اس مالک یا اس کے نگران نے جانور کی حفاظت یا اس پر کنٹرول میں کوتاہی برتی ہے، اس لیے اس جانور کے نقصان کرنے سے انہیں تاوان دینا پڑے گا۔ اور یہ تاوان وقتی عادل حکومت کی صوابدید پر موقوف ہے۔ شریعت کی طرف سے کوئی تعین نہیں ہے۔

اس حدیث میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز جانور کا کسی کو زخمی کرنا ہے یہاں تک تو اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ اور دوسری چیز اس حدیث میں فرمائی ہے کہ کان معاف ہے یعنی اگر کوئی کان میں جائے یا اس کے اوپر کھڑا ہو اور وہ کان گر پڑے اور وہ آدمی ہلاک ہو جائے تو کان کھودنے والے پر تاوان نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو کان کھودنے پر مزدور لگایا تھا اور وہ کان اس پر گر پڑی اور وہ مزدور ہلاک ہو گیا تو کان کے مالک پر تاوان نہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ ضابطہ اور اصول صرف کان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام اجاروں میں یہی اصول ہے اور تیسری چیز اس حدیث میں یہ بیان فرمائی کہ کنواں معاف ہے اس کی تفصیل بھی وہی ہے جو کان کی ہے۔ اور ان صورتوں میں معافی اس لیے ہے کہ قرآن مجید میں تو فرمایا ہے کہ جو کسی مؤمن کو غلطی سے مارے تو اس پر غلام آزاد کرنا ہے

اوراس کے ورثاء کو دیت دینا ہے اوران مذکورہ صورتوں میں مالک کی غلطی نہیں ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس پر تاوان نہیں ہے۔

اپنے دفاع میں اگر حملہ آور کو کوئی مار دے یا زخمی کر دے تو اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے

عَنْ يَعْلَى ابْنِ اُمَيَّةَ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ وَكَانَ لِي اَجِيْرٌ فَقَاتَلَ اِنْسَانًا فَعَضَّ اَحَدُهُمَا يَدَ الْاٰخَرِ فَانْتَزَعَ الْمَعْضُوْضُ يَدَهٗ مِنْ فِيِّ الْعَاضِّ فَاَنْدَرَ ثَنِيَّتَهٗ فَسَقَطَتْ فَانْطَلَقَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَهْدَرَ ثَنِيَّتَهٗ

یعلی ابن اُمیّہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر تنگی (تبوک) کے لشکر والا جہاد کیا ۔ اور میرا ایک نوکر تھا اور وہ ایک آدمی سے لڑ پڑا ۔ پھر ایک نے دوسرے کے ہاتھ کو چبایا۔ پھر جس کا ہاتھ چبایا گیا تھا اس نے چبانے والے کے مُنہ سے اسے کھینچا تو اس کا سامنے کا دانت ٹوٹ کر گر پڑا تو وہ نبی صلی اللہ

فَقَالَ اَيَدَعُ يَدَهٗ فِيْكَ تَقْضِمُهَا كَالْفَحْلِ ۔ (متفق علیہ)	علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے اس کے دانتوں کا بدلہ ضائع قرار دیا اور فرمایا کیا وہ اپنے ہاتھ کو تیرے منہ میں چھوڑ دیتا تاکہ تو اس کو اونٹ کی طرح چباتا۔
عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ ۔ (متفق علیہ)	عبداللہ بن عمرو نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے فرمارہے تھے جو اپنے مال کے سامنے قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔
عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَيْتَ اِنْ جَاءَ رَجُلٌ يُرِيْدُ اَخْذَ مَالِيْ قَالَ فَلَا تُعْطِهٖ مَالَكَ قَالَ اَرَيْتَ اِنْ قَاتَلَنِيْ قَالَ قَاتِلْهُ قَالَ	ابوہریرۃ سے مروی ہے کہ ایک آدمی آیا اور کہا یا رسول اللہ بتائیں کہ ایک آدمی آئے وہ میرا مال لینا چاہے تو کیا کروں آپ نے فرمایا اسے اپنا مال مت دو ۔ اس نے کہا۔ بتائیں اگر وہ مجھ سے لڑے تو آپ نے فرمایا اس سے

اَرَئَیْتَ اِنْ قَتَلَنِیْ	لڑو۔ اس نے کہا۔ بتائیں
قَالَ فَاَنْتَ شَهِیْدٌ	اگر وہ مجھے مار ڈالے تو
قَالَ اَرَئَیْتَ اِنْ	آپؐ نے فرمایا تو شہید
قَتَلْتُهٗ قَالَ هُوَ	ہے۔ اس نے کہا بتائیں
فِی النَّارِ۔	اگر میں اس کو مار ڈالوں
(مسلم)	تو آپؐ نے فرمایا وہ آگ
	میں ہوگا۔

تشریح

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی یعلیٰ ابن امیہ والی ہے، دوسری عبداللہ بن عمرو والی ہے اور تیسری ابوہریرۃ والی ہے۔ اور یہ احادیث سورۃ النساء کی آیت ومن قتل مومنا خطأً فتحریر رقبۃ ودیۃ مسلمۃ الیٰ اھلہ کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جو کسی مومن کو غلطی سے مارے تو اس پر غلام آزاد کرنا ہے اور مقتول کے وارثوں کو دیت بھی دینا ہے۔

اس کے بعد سورۃ المائدہ والی اس آیت ان النفس بالنفس کی بھی تفسیر ہیں کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ جان بدلے جان کے آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہے۔

یہ دونوں آیتیں مجمل ہیں اور یہ تفسیر کی محتاج ہیں کیونکہ ان میں ابہام فرمایا ہے کہ قاتل پر قصاص ہے یا دیت ہے۔ ان میں یہ ذکر نہیں ہے کہ قاتل حق بجانب ہے یا نہ ہو۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اس کی وضاحت بیان فرمادی ہے کہ قاتل اگر حق بجانب ہو تو اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے مثلاً یعلیٰ ابن امیہ والی حدیث میں آپ کا عملی نمونہ بیان فرمایا ہے۔ آپ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنے منہ میں رکھ کر دوسرے کا ہاتھ چبایا اور اس نے اپنا ہاتھ اس سے بچانے اور چھڑانے کے لیے باہر کھینچا تو اس کے سامنے کے دانت ٹوٹ کر گر پڑے تو اس نے حضورؐ کے پاس آکر اپنے دانتوں کے قصاص کا مطالبہ کیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دانت توڑنے والے سے قصاص لیا اور نہ دیت کیونکہ زیادتی اس کی تھی اور اس دوسرے نے تو اپنا ہاتھ بچانے کے لیے کھینچا تھا۔ اس کا یہ مقصد تو نہیں تھا کہ اس کے دانت ٹوٹ جائیں۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ قاتل یا جارح اگر حق بجانب ہو تو اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمرو والی اور ابوہریرۃ والی احادیث کا بھی یہی مقصد ہے کہ ایک آدمی اگر اپنے مال، جان اور آبرو کا تحفظ کرتا ہوا مارا جائے تو شہید ہے۔ اور اگر یہ حملہ آور کو مار دے تو وہ دوزخی ہوگا۔ یعنی اس کا خون بھی لغو ہے۔ اس کا کوئی قصاص اور دیت وغیرہ نہیں ہے۔

مظاہر حق شارح مشکوٰۃ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک قضیہ آیا کہ ایک لڑکی لکڑیاں کاٹ رہی تھی تو ایک شخص

نے اس کا پیچھا کیا۔ اور اس سے بدکاری کا ارادہ کیا تو اس لڑکی نے اسے ایک پتھر مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا مقتول ہے۔ اللہ کی قسم ہے اس کی کبھی دیت نہیں دلوائی جائیگی پس اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قاتل اگر حق بجانب ہو تو اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے۔

صاحب خانہ بغیر اذن اندر آنے والے یا جھانکنے والے کو سزا دے تو اس پر تاوان نہیں ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَوِ اطَّلَعَ فِیْ بَیْتِكَ اَحَدٌ وَلَمْ تَاْذَنْ لَهٗ فَخَذَفْتَهٗ بِحَصَاةٍ فَفَقَاْتَ عَیْنَهٗ مَا كَانَ عَلَیْكَ مِنْ جُنَاحٍ۔
(متفق علیہ)

ابی ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی آدمی تیرے گھر میں جھانکے حالانکہ تو نے اس کو اجازت نہ دی ہو اور پھر تو اسے کنکری مارے اور اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی حرج نہیں ہے

عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ

سہل ابن سعد سے روایت

أَنَّ رَجُلًا اِطَّلَعَ فِيْ حُجُرٍ فِيْ بَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِدْرًى يَحُكُّ بِهٖ رَأْسَهٗ فَقَالَ لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْظُرُنِيْ لَطَعَنْتُ بِهٖ فِيْ عَيْنِكَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِيْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ
(متفق علیہ)

ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے دروازے میں جھانکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لکڑی تھی جس سے وہ اپنا سر کھجلا رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اگر پتہ ہوتا کہ تو مجھے دیکھ رہا ہے تو میں اس کو تیری آنکھ میں چبھو دیتا۔ یقیناً اجازت مانگنا دیکھنے کی وجہ سے ہی تو ہے۔

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَشَفَ سِتْرًا فَاَدْخَلَ بَصَرَهٗ فِي الْبَيْتِ قَبْلَ اَنْ يُّؤْذَنَ لَهٗ فَرَاٰى عَوْرَةً

ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پردہ کھولا اور اجازت کے بغیر دوسرے کے گھر میں نگاہ داخل کی پھر اس کی اہل کو دیکھا تو اس

اَهْلِهٖ فَقَدْ اَتٰى
حَدًّا لَا يَحِلُّ لَهٗ
اَنْ يَّاْتِيَهٗ وَلَوْ
اَنَّهٗ حِيْنَ اَدْخَلَ
بَصَرَهٗ فَاسْتَقْبَلَهٗ
رَجُلٌ فَفَقَاَ عَيْنَهٗ
مَا عَيَّرْتُ عَلَيْهِ
وَاِنْ مَرَّ الرَّجُلُ
عَلٰى بَابٍ لَا سِتْرَ لَهٗ
غَيْرَ مُغْلَقٍ فَنَظَرَ
فَلَا خَطِيْئَةَ عَلَيْهِ
اِنَّمَا الْخَطِيْئَةُ
عَلٰى اَهْلِ
الْبَيْتِ ۔

(ترمذی)

نے ایک ایسا گناہ کیا
ہے جو اس کے لیے
حلال نہیں ہے ۔ اور اگر
جب وہ نگاہ داخل
کرے اور سامنے سے
کوئی آدمی اس کی آنکھ
پھوڑ دے تو میں اس
پر اس کی سرزنش نہیں
کرونگا ۔ اور اگر آدمی
ایسے دروازے کے پاس
سے گزرے جس پہ پردہ
نہ ہو اور کھلا ہوا ہو اور
وہ اس میں دیکھ لے تو
اس پر گناہ نہیں ہے ۔
گناہ اہلِ خانہ پر ہے ۔

تشریح

یہاں تین احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ تینوں قرآن مجید کی اس آیت وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ کی تفسیر ہیں کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے

کہ جو آدمی کسی مومن کو غلطی سے مارے تو اس پر غلام آزاد کرنا ہے اور اس کے ورثاء کو خون بہا بھی دینا ہے مگر اس آیت میں یہ نہیں بتایا کہ مقتول اپنی غلطی سے مارا گیا ہو یا زخمی کر دیا گیا ہو اور قاتل کی اس میں غلطی نہ ہو تو پھر بھی قاتل پر قصاص ہے یا نہیں ؟ اس آیت میں یہ مجمل ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں یہ تشریح بیان فرما دی ہے۔

ان احادیث کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے گھر میں بلا اجازت جانا اور دیکھنا شرعاً منع ہے۔ اگر کوئی آدمی ایسی غلطی کرے اور اہل خانہ اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر قصاص یا دیت وغیرہ نہیں ہے۔ اور اس سلسلہ میں اگر ان کے مابین لڑائی ہو جائے اور ان میں سے اگر کوئی ایک مر جائے تو اس کے بارے میں ان احادیث میں تو کوئی ذکر نہیں ہے یہاں صرف آنکھ پھوڑنے کا ذکر ہے۔ لیکن دوسری احادیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ بلا اجازت اندر جانے والا اگر مارا جائے یا اسے کوئی زخم آجائے تو اس کا کوئی قصاص یا دیت نہیں ہے کیونکہ زیادتی اس کی ہے۔ اور اگر یہ اہل خانہ میں سے کسی کو مار دے یا زخمی کر دے تو اس پر قصاص ہو گا۔ اور دیت کی صورت میں دیت بھی ہو گی۔ اور اگر اہل خانہ کے دروازہ پر پردہ ہو تو پھر معاملہ اس کے برعکس ہو گا کیونکہ قصور ان کا ہے۔

قاتل نہ معلوم ہونیکی صورت میں فیصلے کا طریقہ

عَنْ رَافِعِ ابْنِ خَدِیْجٍ وَ سَھْلِ ابْنِ اَبِیْ حَثْمَۃَ اَنَّھُمَا حَدَّثَا اَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ سَھْلٍ وَ مُحَیِّصَۃَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ اَتَیَا خَیْبَرَ فَتَفَرَّقَا فِی النَّخْلِ فَقُتِلَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ سَھْلٍ فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ سَھْلٍ وَ حُوَیِّصَۃُ وَ مُحَیِّصَۃُ ابْنَا مَسْعُوْدٍ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَکَلَّمُوْا فِیْ اَمْرِ صَاحِبِھِمْ فَبَدَاَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَ کَانَ اَصْغَرَ الْقَوْمِ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَبِّرِ

رافع بن خدیج و سہل بن ابی حثمہ نے حدیث بیان کی کہ عبد اللہ بن سہل اور محیّصہ بن مسعود دونوں خیبر گئے اور کھجور کے درختوں میں اِدھر اُدھر ہو گئے۔ پھر عبد اللہ بن سہل قتل کر دیئے گئے پھر عبدالرحمان بن سہل، حویصہ اور محیّصہ مسعود کے بیٹے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے اپنے ساتھی کے معاملہ میں بات کی اور عبدالرحمان نے بات میں پہل کی - اور وہ سب سے چھوٹا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ بڑے کی

الْكُبْرَ قَالَ يَحْيَى ابْنُ
سَعِيدٍ يَعْنِي لِيَلِيَ
الْكَلَامَ الْأَكْبَرُ فَتَكَلَّمُوا
فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَحِقُّوا
قَتِيلَكُمْ أَوْ قَالَ
صَاحِبَكُمْ بِأَيْمَانِ
خَمْسِينَ مِنْكُمْ فَقَالُوا
يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَمْرٌ
لَمْ نَرَهُ قَالَ فَتُبَرِّئُكُمْ
يَهُودُ فِي أَيْمَانِ
خَمْسِينَ مِنْهُمْ قَالُوا
يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَوْمٌ
كُفَّارٌ فَفَدَاهُمْ
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ
قِبَلِهِ وَفِي رِوَايَةٍ
تَحْلِفُونَ خَمْسِينَ
يَمِينًا وَتَسْتَحِقُّونَ
قَاتِلَكُمْ أَوْ صَاحِبَكُمْ
فَوَدَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ

عزت کرو - یحییٰ ابن سعید
نے کہا یعنی بڑا کلام کرے
تو انہوں نے بات کی تو
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا تم اپنے مقتول کے
یا فرمایا ساتھی کے قصاص
یا دیت کے حق دار اپنوں
میں سے پچاس آدمیوں
کی قسم سے ہو سکتے ہیں
انہوں نے کہا یا رسول اللہ
یہ ایک ایسا معاملہ ہے
جسے ہم نے نہیں دیکھا تو
حضورؐ نے فرمایا بری کریں
گے تمہیں یہود اپنوں میں
سے پچاس آدمیوں کی قسم
سے - تو انہوں نے کہا یا
رسول اللہ وہ کافر قوم ہے
پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے انہیں اپنی طرف سے
فدیہ دیا - اور ایک روایت
میں ہے آپ نے فرمایا تم

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِہٖ بِمِائَۃِ نَاقَۃٍ ۔	پچاس آدمی قسم اٹھاؤ پھر تم اپنے مقتول یا فرمایا ساتھی کے قصاص کے یا دیت کے مستحق ہو گے،
(متفق علیہ)	پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے انہیں دیت دی ۔
عَنْ رَافِعِ ابْنِ خَدِیْجٍ قَالَ اَصْبَحَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ مَقْتُوْلاً بِخَیْبَرَ فَانْطَلَقَ اَوْلِیَاءُہٗ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرُوْا ذَالِكَ لَہٗ فَقَالَ اَلَکُمْ شَاھِدَانِ یَشْھَدَانِ عَلٰی قَاتِلِ صَاحِبِکُمْ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَمْ یَکُنْ ثَمَّ اَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّمَا ھُمْ یَھُوْدُ وَقَدْ	رافع بن خدیج نے کہا ہے کہ انصار کا ایک آدمی خیبر میں قتل کر دیا گیا ۔ تو اس کے وارث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے ساتھی کے قاتل پر گواہی دیں ۔ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ وہاں مسلمانوں میں سے کوئی نہیں تھا اور وہ یہودی ہیں جو اس سے بڑے گناہ

يَجْتَرِءُوْنَ عَلٰى أَعْظَمَ مِنْ هٰذَا قَالَ فَاخْتَارُوْا مِنْهُمْ خَمْسِيْنَ فَاسْتَحْلَفُوْهُمْ فَأَبَوْا فَوَدَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهٖ ۔ (ابوداؤد)	بھی جرأت کر لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ان میں سے پچاس آدمی چنو پھر انہیں قسم دو تو ان لوگوں نے انہیں قسم دینے سے انکار کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے انہیں دیت دی۔

تشریح

یہاں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ اور یہ دونوں قرآن مجید کی سورۃ النساء کی آیت ۹۲ کی (کہ جو کسی مومن کو غلطی سے مار ڈالے تو اس پر غلام آزاد کرنا ہے اور مقتول کے وارثوں کو دیت دینا ہے اور سورۃ مائدہ کی آیت ۴۵ کی کہ جان بدلے جان کے تا آخر) کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ ان آیتوں میں اتنا تو فرمایا ہے کہ قصاص کی صورت میں قصاص ہے اور دیت کی صورت میں دیت ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ قتل ثابت کرنے کا طریقہ کیا ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں یہ تشریح بیان فرمائی ہے۔ ان احادیث کا مقصد یہ ہے کہ اگر قاتل معلوم ہو تو مقتول

کے ورثاء دو گواہ پیش کریں کہ انہوں نے ہمارا آدمی مارا ہے۔ اور اگر قاتل معلوم نہ ہو تو مقتول کے ورثاء میں سے پچاس آدمی قسم اٹھائیں کہ فلاں لوگوں نے ہمارا آدمی مارا ہے۔ اگر وہ مان جائیں تو قتل عمد کی صورت میں ان پر قصاص اور خطا کی صورت میں دیت آئے گی اور اگر وہ نہ مانیں تو ان میں سے پچاس آدمی قسم اٹھائیں کہ ہم نے فلاں مقتول کو نہیں مارا۔ اس طرح وہ بری ہو جائیں گے اور دیت اہل محلہ پر لازم آئے گی۔ اور یہ پچاس گواہوں کی تعداد معاملہ کو یقینی بنانے کے لیے رکھی گئی ہے اور اس قسم کی اور دیت کے بقیہ مسائل کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔

مرتد کافر ہے اور اس کا قتل کرنا جائز ہے بشرطیکہ ارتداد جبری نہ ہو

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ	اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے
حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ	رہیں گے یہاں تک کہ
عَنْ دِينِكُمْ إِنِ	تمہیں تمہارے دین سے
اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَنْ	پھیر دیں اگر ان کا بس
يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ	چلے اور جو تم میں سے
دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ	اپنے دین سے پھر جائے
كَافِرٌ فَأُولٰئِكَ حَبِطَتْ	پھر کافر ہی مر جائے
أَعْمَالُهُمْ فِي	پس یہی وہ لوگ ہیں کہ
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ	ان کے عمل دنیا اور آخرت

وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

ضائع ہو گئے اور وہی دوزخی ہیں جو اسی میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کوئی اسلام کے سوا اور کوئی دین چاہے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اللہ ایسے لوگوں کو کیونکر راہ دکھائے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور گواہی دے چکے ہیں کہ بے شک یہ رسول بجا ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں آئی ہیں اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

ایسے لوگوں کی یہ سزا ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ج	اس میں ہمیشہ رہنے والے
لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ	ہوں گے ان سے عذاب
الْعَذَابُ وَلَا هُمْ	کی تخفیف نہیں کی جائیگی اور
يُنْظَرُوْنَ ۙ ۝	انہیں نظر شفقت سے دیکھا
	نہیں جائے گا۔
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا	مگر جنہوں نے اس کے
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ	بعد توبہ کی اور نیک کام
وَاَصْلَحُوْا قف فَاِنَّ	کئے تو بے شک اللہ بخشنے
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	والا مہربان ہے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	بے شک جو لوگ ایمان لانے
بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ	کے بعد منکر ہو گئے پھر
ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ	انکار میں بڑھتے گئے ان
تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ج	کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝	جائے گی اور وہی گمراہ ہیں
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	بے شک جو لوگ کافر
وَمَاتُوْا وَهُمْ	ہوئے اور کفر کی حالت
كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ	میں مر گئے تو کسی ایسے
مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ	سے زمین بھر کر سونا بھی
الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ	قبول نہیں کیا جائیگا اگرچہ
لَوِافْتَدٰى بِهٖ ط	وہ اس قدر سونا بدلے میں
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ	دے ان لوگوں کے لیے

اَلِيۡمٌ وَّمَا لَهُمۡ	دردناک عذاب ہے اور انکا
مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ۝	کوئی مددگار نہیں ہوگا۔
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا	اور مُحمدؐ تو ایک رسول ہےاور
رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ	اس سے پہلے بہت رسول
قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنۡ	گزرے پھر کیا اگر وہ مر
مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ	جائے یا مارا جائے تو تم
انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓى	اُلٹے پاؤں پھر جاؤگے اور
اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ	جو کوئی اُلٹے پاؤں پھر جائیگا
يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ	تو اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑے
فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـًٔا ؕ	گا اور اللہ شکر گزاروں کو
وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ۝	ثواب دے گا۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا	اے ایمان والو جو کوئی
مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ	تم میں سے اپنے دین سے
عَنۡ دِيۡنِهٖ فَسَوۡفَ	پھر جائے گا تو عنقریب
يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ	اللہ ایسی قوم کو لائے گا کہ
يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ ۙ	اللہ ان کو چاہتا ہے اور
اَذِلَّةٍ عَلَى	وہ اس کو چاہتے ہیں مسلمانوں
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَعِزَّةٍ	پر نرم دل ہوں گے اور
عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ	کافروں پر زبردست اللہ
يُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ	کی راہ میں لڑیں گے اور
سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا	کسی کی ملامت سے نہیں

يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ	ڈریں گے یہ اللہ کا فضل
لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ	ہے جسے چاہے دیتا ہے
اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ	اور اللہ کشائش والا جاننے
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝	والا ہے۔
مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ	جو کوئی ایمان لانے کے
بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا	بعد اللہ سے منکر ہوا مگر
مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ	وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور
مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ	اس کا دل ایمان پر مطمئن
وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ	ہو اور لیکن وہ جو دل کھول
بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ	کر منکر ہوا تو ان پر اللہ
غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ	کا غضب ہے اور ان
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝	کے لیے بہت بڑا عذاب ہے
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا	یہ اس لیے کہ انہوں نے
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى	دنیا کی زندگی کو آخرت
الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ	پر محبوب بنایا اور نیز اس
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ	لیے کہ اللہ کافروں کو ہدایت
الْكٰفِرِيْنَ ۝	نہیں دیتا۔
اُولٰۗئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ	یہ وہی ہیں کہ اللہ نے
اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر اور کانوں
وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ	پر اور آنکھوں پر مہر کردی
وَاُولٰۗئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ	اور وہی غافل بھی ہیں

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○	ضرور وہ لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں
اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا	بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کفر کیا پھر ایمان لائے۔ پھر کفر کیا پھر کفر میں بڑھتے رہے تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ انہیں راہ دکھائے گا

(سورۃ البقرہ آیت ۲۱۷، سورۃ آل عمران آیت ۸۵ تا ۹۱ - ۱۴۴، سورۃ المائدۃ ۵۴ سورۃ النحل آیت ۱۰۶ تا ۱۱۰)

تفسیر

یہاں اس بحث میں مختلف سورتوں کی آیات نقل کی گئی ہیں۔ یہ آیات بھی سورۃ النساء آیت ۹۲، اور سورۃ المائدہ آیت ۴۵ کی تفسیر ہیں کیونکہ ان آیات میں۔ ہے آیت ۹۲ میں فرمایا ہے کہ کسی مومن کو غلطی سے مارے تو اس پہ غلام آزاد کرنا ہے اور اس کے وارثوں کو دیت دینا ہے اور مائدہ آیت ۴۵ میں فرمایا ہے کہ اس پہ قصاص ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی مرتد کو غلطی سے یا قصداً مارے تو کیا حکم ہے۔ ان آیات میں اس کا جواب ہے۔

پہلی آیت سورۃ البقرہ کی ہے اس میں چار چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز یہ ہے کہ غیر مسلموں کی مقدور بھر کوشش یہ رہتی ہے کہ مسلمان اپنا دین چھوڑ دیں اور دوسری چیز اس میں یہ بیان فرمائی کہ اپنا دین چھوڑنے والا مسلمان کافر ہو جاتا ہے۔ تیسری چیز اس میں یہ بیان فرمائی کہ اپنا دین چھوڑنے والے مسلمان کا دنیاوی نقصان ہوگا کہ اس کا نکاح ٹوٹ جائیگا مسلمان رشتہ دار کی وراثت سے اسے حصہ نہیں ملے گا۔ اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں بھی نہیں دفنایا جائے گا۔ اور چوتھی چیز اس آیت میں یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ آخرت میں ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

اس کے بعد سورۃ آلِ عمران کی آیت ۸۵ ہے۔ یہ سورۃ بقرہ کی آیت کی تشریح ہے کیونکہ سورۃ بقرہ میں فرمایا ہے کہ مرتد کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت ہو جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اور اور آلِ عمران والی اس آیت میں اس کا سبب بیان فرمایا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا کوئی اور دین قبول ہی نہیں فرماتے تاکہ اسے نیکیوں کا اجر دیں۔ اس کے بعد آیت نمبر ۸۶ میں بھی سورۃ بقرہ والی آیت کی تشریح ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں اس لیے اکارت کرتے ہیں کہ اس نے ان نورانی اعمال کو خود مسترد کیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو اسے دولت ایمان بھی عطا فرمائی تھی اور اس نے خود رسول کے برحق ہونے کی شہادت بھی دی۔ اور ایمان کو اس کے دل میں مزین کرنے کے لیے اسباب بھی پیدا فرمائے تھے۔ اس لیے اس کے اعمال اکارت اور ضائع ہیں اور آخرت میں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

اس کے بعد آیت نمبر ۸۷، اور ۸۸ میں عذاب آخرت کی تشریح ہے اور اس کے بعد آیت ۸۹ میں فرمایا ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیں۔ اور اس کے بعد آیت ۹۰ میں فرمایا ہے کہ اگر وہ دنیا میں توبہ نہ کریں تو بوقت مرگ یا قیامت میں ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اس کے بعد آیت نمبر ۹۱ میں فرمایا ہے کہ ان پہلی آیات میں اس مرتد کے لیے جو اخروی عذاب بیان فرمایا ہے۔ قیامت کے دن وہ اس سے بچنے کے لیے جتنی بھی رشوت پیش کریں وہ ان سے قبول نہیں کی جائے گی۔ اس کے بعد آیت ۱۴۴ کا مقصد یہ ہے کہ مرتد کے ارتداد سے اللہ تعالیٰ کا نقصان نہیں ہوگا۔ اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیت ۵۴ کا مقصد یہ ہے کہ مرتد کے دین سے نکلنے کی وجہ سے مسلمانوں میں جو خلا پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے نعم البدل کے ذریعے پُر فرمادیں گے

اس کے بعد سورۃ النحل کی آیت ۱۰۶ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے مرتد کی مذکورہ سزاؤں کو خوشی اور رضا کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے۔ یعنی اگر کوئی مومن پر جبر کرے اور وہ بادلِ نخواستہ اپنی زبان سے اگر کلمہ کفر کہہ دے تو اس سے اُسے مرتد قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس کے بعد آیت نمبر ۱۰۷ میں ارتداد کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ مرتدین دنیاوی اغراض و مقاصد کی خاطر دین چھوڑتے ہیں اور انہیں خدا کے مقابلے میں دنیا زیادہ عزیز ہے۔ آیت ۱۰۸ میں فرمایا ہے کہ ایسے مرتدین سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوکر ان سے ہدایت کی توفیق بھی سلب کرلیتا ہے۔ اس کے بعد آیت ۱۰۹ اور ۱۱۰ میں فرمایا ہے کہ اس لیے ان کا ٹھکانا یقیناً دوزخ ہے۔ بہرحال یہ تو ان آیات کی وہ تشریح ہے، جو واضح اور صریح ہے اور اب آئندہ وہ تشریح عرض کی جائے گی جو حضورؐ نے خود بیان فرمائی ہے۔

عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ	عکرمہؓ سے روایت ہے
اُتِیَ عَلِیٌّ بِزَنَادِقَةٍ	کہ علیؓ کے پاس زندیق لائے
فَاَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذَالِكَ	گئے تو آپ نے انہیں جلایا
ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ	ابن عباسؓ کو یہ خبر پہنچی تو
لَوْ كُنْتُ اَنَا لَمْ اُحَرِّقْهُمْ	انہوں نے کہا میں ہوتا تو
لِنَهْیِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی	نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا	صلی اللہ علیہ وسلم نے منع
تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ	فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ
اللّٰهِ وَلَقَتَلْتُهُمْ	اللہ کے عذاب کی طرح
لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی	عذاب مت دو اور میں انہیں
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	قتل کرتا کیونکہ حضورؐ کا
مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ	فرمان ہے جو دین بدلے
(بخاری)	اسے قتل کرو۔
عَنْ جَرِيْرٍ عَنِ النَّبِیِّ	جریر نے نبی صلی اللہ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	علیہ وسلم سے روایت کی
قَالَ اِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ	ہے آپ نے فرمایا جب
اِلَی الشِّرْكِ فَقَدْ حَلَّ	آدمی شرک کی طرف بھاگے
دَمُهٗ (ابوداؤد)	تو اس کو مارنا حلال ہے
عَنْ عَلِیٍّ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً	علی سے روایت ہے کہ
كَانَتْ تَشْتِمُ النَّبِیَّ	ایک یہودیہ عورت
صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو

وَ تَقَعُ فِيهِ فَخَنَقَهَا رَجُلٌ حَتّٰى مَاتَتْ فَاَبْطَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَمَهَا۔ (ابوداؤد)	گالی دیتی اور آپکی توہین کرتی تھی تو ایک آدمی نے اس کا گلا دبایا اور وہ مرگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا خون باطل کیا۔
وَ عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ (ترمذی)	جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جادوگر کی حد تلوار سے مارنا ہے

تشریح

یہاں اس بحث میں چار احادیث نقل کی گئی ہیں۔ پہلی عکرمہ، دوسری جریر، تیسری علی اور چوتھی جندب سے مروی ہے اور یہ چاروں احادیث اس باب میں مذکورہ آیات کی تفسیر ہیں۔ کیونکہ یہ آیات مجمل ہیں۔ ان آیات میں اتنا ہی فرمایا ہے کہ جو مسلمان دینِ اسلام چھوڑ دے وہ کافر ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتایا کہ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا ہے۔ اسے فوراً قتل کرنا ہے یا کافروں کی طرح اعلانِ جہاد کا انتظار کرنا ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اس اجمال کی وضاحت بیان

فرمائی ہے کہ انہیں قتل کرنا ہے۔ پہلی حدیث جو عکرمہ سے مروی ہے اس میں حضرت علیؓ کا فعل مذکور ہے۔ انہوں نے زندیقوں کو آگ میں جلایا تھا۔ یہ لوگ عبداللہ ابن سبا یہودی کی تنظیم سے تعلق رکھتے تھے۔ اس تنظیم نے مسلمانوں میں انتشار اور فتنہ برپا کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو خدا مشہور کر رکھا تھا اور جب آپ کو اس کا پتہ چلا تو آپ نے انہیں پکڑ کر بطور عبرت آگ میں جلایا۔ اور جب حضرت ابن عباسؓ کو اس کا علم ہوا تو فرمایا اگر علیؓ کے بجائے میں ہوتا تو ان کو جلاتا نہ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا عذاب دینے سے منع فرمایا ہے اور میں ہوتا تو انہیں قتل کرتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو دین بدلے اسکو قتل کر دو۔

اس کے بعد بریدہ کی روایت ہے اس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان شرک اختیار کرے اس کا خون بہانا حلال ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت کرتی تھی اور آپ کو گالی دیتی تھی تو ایک آدمی نے اس کا گلا دبا کر اسے ہلاک کیا تو آپؐ نے اس کا خون باطل کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نام نہاد مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے وہ بھی مرتد اور کافر ہے

چوتھی حدیث حضرت جندبؓ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جادوگر کو تلوار سے مارنے کی اجازت دی۔ پس ان

پس ان مذکورہ آیات اور احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو آدمی مسلمانوں میں سے اسلام کے عقائد (توحید و رسالت، قیامت) یا اسلام کے اصولوں میں سے کسی بھی اصول کو از قسم عبادات اور قطعی حلال و حرام کا انکار کر دے تو وہ کافر اور مرتد ہے اس کو قتل کرنا جائز ہے۔ اور قطعیت کی قید لگانے

سے معلوم ہوا کہ ائمہ کے اپنے اجتہادی اختلاف کی وجہ سے جو ایک چیز کو حلال اور دوسری کو حرام کہتے ہیں اس سے انسان کافر یا مرتد نہیں ہوتا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ مرتد کو فوراً قتل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسے تین دن کی مہلت دینا چاہیئے اور اس کے شکوک وشبہات دور کرنا چاہیئے

سوال :

ان آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کو قتل کرنا جائز ہے اور یہ جبر ہے حالانکہ اسلام میں جبر جائز نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم کی سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۶ میں ہے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ، دین کے معاملات میں زبردستی نہیں ہے۔

جواب :

اس کا جواب یہ ہے کہ اکراہ دو قسم کا ہے۔ ایک اکراہ فی الدین اور دوسرا اکراہ علی الدین ہے۔ سورۃ البقرہ کی اس آیت کے اس جملہ سے مراد اکراہ فی الدین ہے۔ یعنی دین میں داخل کرنے کے لیے کسی غیر مسلم پر زبردستی نہیں کی جانی چاہیئے۔ بلکہ دلائل سے اسے سمجھانا چاہیئے۔ کیونکہ جبر و اکراہ اور زبردستی سے حقانیت اس کے دل میں اترے گی نہیں بلکہ نفرت پیدا ہوگی۔ اور دلائل سے اس کے دل میں ایسی حقانیت اترے گی جو اس کے قتل سے بھی نہیں نکلے گی۔

اس باب میں مذکورہ آیات اور احادیث سے مراد اکراہ علی الدین ہے یعنی جو آدمی ایک دفعہ دین میں داخل ہو جائے تو اسے پھر یہ دین چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان کی حیثیت ایک مجاہد اور فوجی کی ہے۔ اور پوری دنیا میں افواج

کے لیے یہی مانا ہوا اصول ہے کہ فوجی از سرِ خود فوج کو نہیں چھوڑ سکتا، ورنہ اس کے خلاف کورٹ مارشل ہوتا ہے اور انہیں سزا تے موت تک دی جاتی ہے۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے اسلام دشمن عناصر کی سازشوں کا انسداد کرنا مقصود ہے کیونکہ دشمن اس طرح اسلامی تنظیم میں داخل ہو کر اور پھر نکل کر سب سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ مشہور ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھاتے۔ اسی لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحۂ ارتحال کے بعد مانعین زکوٰۃ اور بعض دیگر قبائل عرب نے جب ارتداد شروع کیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے اُن کے خلاف جہاد کیا تھا۔ اور ان فتنوں کی سرکوبی کی تھی۔ شادی شدہ زانی اور زانیہ اور ڈاکو کو بھی مارنا جائز ہے۔ ان دونوں کے بارے میں سورۃ النساء کی آیت ۹۲، اور سورۃ المائدہ کی آیت ۲۵ مجمل ہیں۔ شادی شدہ زانی اور زانیہ کی تفصیل تو خلاصہ تفسیر القرآن جلد خامس میں اور ڈاکو کی تفصیل جلد سادس میں بیان ہو چکی ہے۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے جو دیکھنا چاہے وہاں دیکھ سکتا ہے۔

البتہ خلاصہ یہ ہے کہ شادی شدہ زانی، زانیہ اور ڈاکو دوسروں کی حق تلفی کر کے ناانصافی کرتے ہیں۔ اس لیے ان کا قتل روا رکھا گیا ہے تاکہ باقی معاشرہ میں انارکی اور بے رحمی کا سدِّباب ہو سکے۔

تمام مسلمانوں کو صرف
اسلامی عدالت سے فیصلہ کرانے کا حکم

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

(سورۃ النساء آیت ۵۹)

اے ایمان والو اللہ کی فرمان برداری کرو اور رسول کی فرمان برداری کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہوں۔ پھر اگر آپس میں کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیرو اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو یہی بات اچھی ہے اور انجام کے لحاظ سے بہتر ہے

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

اور جس بات میں بھی تم اختلاف کرتے ہو سو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔ وہی اللہ میرا رب ہے۔ اسی پر

وَ اِلَیۡہِ اُنِیۡبُ ۝ میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔
(سورۃ الشوریٰ آیت ۱۰)

تفسیر

یہاں اس بحث میں دو آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ ایک سورۃ النسآء کی آیت ۵۹، اور دوسری سورۃ شوریٰ کی آیت دس ہے۔ سورۃ النسآء کی آیت میں پہلے دو حکم اجمالاً مذکور ہیں اور بعد میں ان کی تفصیل ہے۔ پہلا حکم یہ ہے کہ تمام ایمان والے اللہ کی اطاعت کریں۔ اور دوسرا حکم یہ ہے کہ وہ اللہ کے رسول کی بھی اطاعت کریں اور رسول کے تحت مسلمانوں میں سے جو حکمران ہو اس کی بھی اطاعت کا حکم ہے۔ یہاں تک تو اجمال ہے اور اس کے بعد یوم الآخر تک اس اجمال کی تفصیل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کس چیز کا نام ہے کہ تمہارا آپس میں کوئی بھی دینوی یا دنیاوی جھگڑا ہو تو اس کا فیصلہ اللہ سے یعنی اس کی کتاب قرآن مجید یا رسول یعنی اس کی سنت احادیث کے موافق کرانا ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے موافق جو فیصلہ کراؤ گے تو اس کا انجام اچھا ہو گا۔

اس کے بعد سورۃ الشوریٰ کی آیت دس ہے اس میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز وما اختلفتم سے لے کر الی اللہ تک ہے اس میں بالفاظ دیگر فان تنازعتم والے جملہ کی تاکید ہے۔ اور

دوسری چیز ذالکم اللہ ربی ہے اس میں بالفاظ دیگر ذالک خیر و احسن تاویلا کی تاکید ہے اور تیسری چیز علیہ توکلت ہے۔ یہاں بظاہر علیہ توکلت کا مقولہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظر آتا ہے مگر درحقیقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ آپ کی تمام امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب وہ کسی اسلامی عدالت سے فیصلہ کرائیں تو انہیں اعتماد اور یقین ہونا چاہیئے کہ اللہ کے حکم کے موافق جو بھی فیصلہ ہوگا وہ میرے حق میں بہتر ہوگا خواہ میرے حق میں ہو یا خلاف ہو۔ کیونکہ تمام انسانوں کے جملہ حقوق اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث میں متعین فرما دیئے ہیں۔ اور جب دو آدمیوں کا کسی چیز میں جھگڑا ہوتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دعوے دار ہوتا ہے کہ یہ میری ہے اور جب کسی اسلامی عدالت میں وہ کیس لے جاتے ہیں تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عدالت سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ تحقیق کر کے بتائے کہ اللہ کے قانون میں وہ چیز کس کی ہے اور کس کی نہیں ہے۔ اور جب عدالت تحقیق کر کے بتاتی ہے کہ وہ چیز فلاں کا حق ہے۔ تو پھر یہ فیصلہ دونوں کے حق میں بہتر ہوتا ہے کیونکہ ایک کو اپنا حق مل جاتا ہے اور دوسرا حرام سے بچ جاتا ہے۔

چوتھی چیز یہاں یہ بیان فرمائی و الیہ انیب کہ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور یہ جملہ بھی بظاہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہے مگر درحقیقت اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آپ کی پوری امت کو اس میں تعلیم دی ہے کہ اپنے ہر قسم کے دینوی اور دنیاوی معاملات میں فیصلہ اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق سلامی

عدالت سے کرایا کرو۔

سورۃ النساء میں اطاعتِ رسول کے ذیل میں اُولِی الْاَمْرِ کا ذکر آیا ہے مگر آگے اس کی کوئی حیثیت بیان نہیں فرمائی۔ اس سے ایک تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امیر کی اطاعت بھی ہونی چاہیئے اور دوسرا اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امیر کی حیثیت صرف انتظامیہ کی ہے مقننہ کی نہیں ہے۔ مقنن خدا ہے۔ نبی شارح اور مفسّر ہے اور امیر انتظامیہ ہے۔ اس کا کام اللہ پاک کے بتائے ہوئے قوانین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کی تفصیل بیان فرمائی ہے اس کے موافق اس کو عملی جامہ پہنانا اور ان کو نافذ کرنا ہے۔

دراصل اس سے یہودی اور عیسائی نظریہ کی تردید مقصود ہے کیونکہ ان کے ہاں یہ اصول ہے کہ حاکم وقت یا امام یا مجتہد قوانین خداوندی میں تبدیلی کر سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اولی الامر کو اطاعتِ رسولؐ کے ذیل میں داخل کر کے بتا دیا کہ کسی حاکم کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ قوانین خداوندی میں تبدیلیاں کرے وہ تو صرف انتظامیہ ہے۔ اس کا کام اللہ کا قانون نافذ کرنا ہے۔ مزید تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔

مسلمانوں کو غیر اسلامی حکام سے فیصلہ کرانے کی ممانعت اور اسکی خلاف ورزی کرنیوالا منافق ہے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ	کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو
يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ	دعوٰی کرتے ہیں کہ ایمان
اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ	لائے ہیں اس پر جو اترا
اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ	تیری طرف اور جو اترا تجھ
مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ	سے پہلے چاہتے ہیں کہ قضیہ
اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى	لے جائیں شیطان کی طرف
الطَّاغُوْتِ وَقَدْ	اور حکم ہو چکا ہے ان کو
اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا	کہ اس کو نہ مانیں اور چاہتا
بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ	ہے شیطان کہ ان کو بہکا کر
اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝	دُور جا ڈالے ۔
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ	اور جب ان کو کہو کہ
تَعَالَوْا اِلٰى مَآ	آؤ اللہ کے حکم کی طرف
اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى	جو اس نے اتارا اور رسولؐ
الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ	کی طرف تو دیکھے تو منافقوں
يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝	کو کہ ہٹتے ہیں تجھ سے
فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ	رُک کر پھر کیا ہونا ہے کہ
مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ	اُن کو پہنچے مصیبت اپنے

أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَانًا وَّتَوْفِيقًا ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۝ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ ط وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝

(سورۃ النساء آیت ٦٠ تا ٦٤)

ہاتھوں کے کیے ہوئے سے پھر آویں تیرے پاس قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی کہ ہم کو غرض نہ تھی مگر بھلائی اور ملاپ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو اُن کے دل میں ہے سو تو ان سے تغافل کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے کہہ کہ ان کے حق میں بات کام کی' اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے اپنا بُرا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشواتا تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان۔

آیات کا شانِ نزول

ان آیات کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ بشرؔ نامی ایک منافق تھا، اس کا ایک یہودی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا، یہودی نے کہا کہ چل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس، ان سے فیصلہ کرائیں مگر بشرؔ منافق نے اس کو قبول نہ کیا، بلکہ کعبؔ بن اشرف یہودی کے پاس جانے اور اس سے فیصلہ کرانے کی تجویز پیش کی، کعب بن اشرف یہود کا ایک سردار اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ یہودی تو اپنے سردار کو چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ پسند کرے اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے والا بشرؔ آپؐ کی بجائے یہودی سردار کا فیصلہ اختیار کرے، مگر راز اس میں یہ تھا کہ ان دونوں کو یقین تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حق وانصاف کا فیصلہ کریں گے۔ اس میں کسی کی رُو و رعایت یا غلط فہمی کا اندیشہ نہیں اور چونکہ اس جھگڑے میں یہودی حق پر تھا، اس لیے اس کو اپنے سردار کعب بن اشرف سے زیادہ اعتماد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا، اور بشرؔ منافق غلطی اور ناحق پر تھا، اس لیے جانتا تھا کہ آپؐ کا فیصلہ میرے خلاف ہوگا، اگرچہ میں مسلمان کہلاتا ہوں اور یہ یہودی ہے۔

ان دونوں میں باہمی گفتگو کے بعد یہ انجام ہوا کہ دونوں اسی پر راضی ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر آپؐ ہی سے اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرائیں، مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا، آپؐ نے معاملہ کی تحقیق فرمائی، تو حق یہودی کا ثابت ہوا، اسی کے حق میں فیصلہ

دے دیا اور بشر کو جو بظاہر مسلمان تھا ناکام کر دیا، اس لیے وہ اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا، اور ایک نئی راہ نکالی کہ کسی طرح یہودی کو اس بات پر راضی کر لیا جائے کہ ہم حضرت عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ کرانے چلیں، یہودی نے اس کو قبول کر لیا۔ راز اس میں یہ تھا کہ بشر نے سمجھا ہوا تھا کہ حضرت عمرؓ کفار کے معاملہ میں سخت ہیں، وہ یہودی کے حق میں فیصلہ دینے کے بجائے میرے حق میں فیصلہ دیں گے۔

بہرکیف یہ دونوں اب حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس پہنچے، یہودی نے حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے پورا واقعہ بیان کر دیا، کہ اس مقدمہ کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں، مگر یہ شخص اس پر مطمئن نہیں، اور آپؓ کے پاس مقدمہ لایا ہے۔

حضرت عمرؓ نے بشر سے پوچھا کہ کیا یہی واقعہ ہے؟ اس نے اقرار کیا، حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا اچھا ذرا ٹھہرو! میں آتا ہوں، گھر میں تشریف لے گئے اور ایک تلوار لے کر آئے۔ اور اس منافق کا کام تمام کر دیا اور فرمایا: "جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا یہی فیصلہ ہے۔ (یہ واقعہ روح المعانی میں بروایت ثعلبی و ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے)

اور علامہ مفسرین نے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے بعد منافق مقتول کے وارثوں نے حضرت عمرؓ کے خلاف یہ دعویٰ بھی دائر کر دیا۔ کہ انہوں نے ایک مسلمان کو بغیر دلیل شرعی کے مار ڈالا ہے، اور اس کو مسلمان ثابت کرنے کے لیے اس کے کفر قولی و عملی کی تاویلیں پیش کیں، آیت متذکرہ میں اللہ تعالیٰ نے معاملہ کی اصل حقیقت اور اس شخص مقتول کا منافق ہونا

ظاہر فرما کر حضرت عمرؓ کو بری کر دیا۔

اس سلسلہ میں اور بھی چند وقائع منقول ہیں، جن میں کچھ لوگوں نے شرعی فیصلہ چھوڑ کر کسی کاہن یا نجومی کا فیصلہ قبول کر لیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ آیتِ متذکرہ ان سب کے متعلق نازل ہوئی ہو۔

اب آیات کی تفسیر دیکھیے، پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اس شخص کو دیکھو جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے پچھلی کتابوں توراۃ اور انجیل پر ایمان لایا تھا اور جو کتاب (قرآن) آپؐ پر نازل ہوئی اس پر بھی ایمان لاتا ہوں، یعنی پہلے اہلِ کتاب میں داخل تھا، پھر مسلمانوں میں داخل ہو گیا، لیکن یہ مسلمانوں میں داخل ہونا محض زبانی ہے، دل میں وہی کفر بھرا ہوا ہے جس کا ظہور جھگڑے کے وقت اس طرح ہو گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر یہودی سردار کعب ابن اشرف کی طرف رجوع کرنے کی تجویز پیش کی اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واضح اور حق فیصلہ دے دیا تو اس پر راضی نہ ہوا۔

لفظ طاغوت کے لغوی معنی سرکشی کرنے والے کے ہیں اور عرف میں شیطان کو طاغوت کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں کعب بن اشرف کی طرف مقدمہ لے جانے کو شیطان کی طرف لے جانا قرار دیا ہے، یا تو اس وجہ سے کہ کعب بن اشرف خود ایک شیطان تھا اور یا اس وجہ سے کہ شرعی فیصلہ کو چھوڑ کر خلافِ شرع فیصلہ کی طرف رجوع کرنا شیطان ہی کی تعلیم ہو سکتی ہے، اس کا اتباع کرنے والا گویا شیطان ہی کے پاس اپنا مقدمہ لے گیا ہے، اسی لیے آخر آیت میں ہدایت فرما دی کہ جو شخص شیطان کی پیروی کرے گا تو شیطان اس کو دور دراز کی گمراہی میں مبتلا کر دے گا۔

دوسری آیت میں تبلادیا کہ باہمی خصوصیت اور جھگڑے کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی فیصلہ سے اعراض کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں ہوسکتا، ایسا کام کرنے والا منافق ہی ہوسکتا ہے اور جب اس منافق کا کفر عملاً اس طرح کھل گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا تو فاروق اعظمؓ کا اس کو قتل کرنا صحیح ہوگیا، کیونکہ اب وہ منافق نہ رہا بلکہ کھلا کافر ہوگیا، اس لیے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ جب اُن سے کہا جائے کہ آجاؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور اس کے رسولؐ کی طرف، تو یہ منافقین آپؐ کی طرف آنے سے رُک جاتے ہیں۔

تیسری آیت میں ان تاویلات باطلہ کا غلط ہونا واضح کیا ہے جو شرعی فیصلہ کو چھوڑ کر غیر شرعی فیصلہ کی طرف رجوع ہونے والوں کی طرف سے پیش کی جاتی تھیں جن کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناحق سمجھ کر نہیں چھوڑا، اور دوسروں کے فیصلوں کو اس کے بالمقابل حق سمجھ کر اختیار نہیں کیا، بلکہ بعض مصالح کی بناء پر ایسا کیا، مثلاً یہ مصلحت تھی کہ آپ کے پاس تو قانونی فیصلہ ہوتا، جس میں باہمی مصالحت اور رواداری کا کوئی سوال نہیں تھا۔ ہم مقدمہ کو دوسری جگہ اس لیے لے گئے کہ ان دونوں فریق کے لیے کوئی بھلائی کی صورت نکل آئے اور دونوں میں مصالحت کرادی جائے۔

یہ تاویلیں ان لوگوں نے اس وقت پیش کیں جب کہ ان کا راز کھل گیا، اور خباثت اور نفاق ظاہر ہوگیا ان کا آدمی حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے مارا گیا، غرض جب ان کے اعمالِ بد کے نتیجہ میں ان پر رسوائی یا قتل کی مصیبت پڑ گئی، تو قسمیں کھا کر تاویلیں کرنے لگے، حق تعالےٰ نے اس

آیت میں واضح فرمادیا کہ یہ اپنی قسموں اور تاویلوں میں جھوٹے ہیں، انہوں نے جو کچھ کیا اپنے کفر و نفاق کی وجہ سے کیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جب ان پر اپنے اعمالِ بد کے نتیجہ میں کوئی مصیبت پڑجاتی ہے۔ مثلاً خیانت و نفاق ظاہر ہو کر رُسوائی ہوگئی، یا اس کے نتیجہ میں قتل کا واقعہ پیش آیا، تو اس وقت یہ لوگ آپؐ کے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے کے پاس مقدمہ لے جانے کا سبب کفر یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو ناحق سمجھنا نہیں تھا بلکہ ہمارا مقصد احسان و توفیق تھا، یعنی فریقین کے لیے کوئی بھلائی اور مصالحت کی راہ تلاش کرنا مقصود تھا۔

چوتھی آیت میں اس کا جواب آیا کہ ان کے دلوں میں جو کفر و نفاق ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف اور باخبر ہیں، انکی تاویلیں غلط اور قسمیں جھوٹی ہیں، اس لیے آپ ان کے عذر کو قبول نہ فرمائیں، اور حضرت عمرؓ کے خلاف دعویٰ کرنے والوں کا دعویٰ رَد فرمائیں، کیونکہ اس منافق کا کفر واضح ہو چکا تھا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ان منافقین کو بھی آپ خیر خواہانہ نصیحت فرمائیں جو ان کے دلوں پر اثر انداز ہو، یعنی آخرت کا خوف دلا کر انکو مخلصانہ اسلام کی طرف دعوت دیں یا دنیوی سزا کا ذکر کر دیں کہ اگر تم نفاق سے باز نہ آئے تو کسی وقت نفاق کھل جائے گا، تو تمہارا بھی یہی انجام ہوگا جو بشر منافق کا ہوا۔

پانچویں آیت میں اوّل تو ایک عام ضابطہ بتلایا کہ ہم نے جو رسولؐ بھیجا وہ اسی لیے بھیجا کہ سب لوگ فرمانِ خداوندی کے موافق اس کے احکام

کی اطاعت کریں، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جو شخص رسول کے احکام کی مخالفت کرے اس کے ساتھ کفار جیسا معاملہ کیا جائے گا اس لیے حضرت عمرؓ نے جو عمل کیا وہ صحیح ہوا، اس کے بعد ان کو خیر خواہانہ مشورہ دیا گیا ہے کہ یہ لوگ تاویلاتِ باطلہ اور جھوٹی قسموں کی بجائے اپنے قصور کا اعتراف کر لیتے اور آپ کے پاس حاضر ہو کر خود بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی مغفرت کی دُعاء کرتے، تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی توبہ قبول فرما لیتے۔

اس جگہ قبولِ توبہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاءِ مغفرت کرنے کی شرط غالباً اس لیے ہے کہ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوّت پر حملہ کیا، اور آپ کے فیصلہ کو نظر انداز کر کے آپ کو ایذا پہنچائی۔ اس لیے ان کے جرم کی توبہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کو شرط کر دیا گیا۔

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا، کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کیلئے دُعاءِ مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی۔

فَلَا وَرَبِّكَ	سو قسم ہے تیرے رب
لَا يُؤْمِنُونَ	کی وہ مومن نہ ہوں گے
حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ	یہاں تک کہ تجھ کو ہی
فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ	منصف جانیں اس جھگڑے

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا	پس جو ان میں اُٹھے پھر نہ
فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ	پاویں اپنے جی میں
حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ	تنگی تیرے فیصلہ سے
وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○	اور قبول کریں خوشی سے

معارف و مسائل

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے

اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور علوِ مرتبت کے اظہار کے ساتھ آپ کی اطاعت جو بے شمار آیات قرآنیہ سے ثابت ہے اس کی واضح تشریح بیان فرمائی ہے۔ اس آیت میں قسم کھا کر حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک مؤمن یا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈے دل سے پوری طرح تسلیم نہ کر لے کہ اس کے دل میں بھی اس فیصلہ سے کوئی تنگی نہ پائی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رسولؐ خود امت کے حاکم اور ہر پیش آنے والے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے ذمہ دار ہیں، آپؐ کی حکومت اور آپؐ کا فیصلہ کسی کے حکم بنانے پر موقوف نہیں، پھر اس آیت میں مسلمانوں کو حکم بنانے کی تلقین اس لیے فرمائی گئی ہے کہ حکومت کے مقرر کردہ حاکم اور اس کے فیصلہ پر تو بہت سے لوگوں کو اطمینان نہیں ہوا کرتا، جیسا اپنے مقرر کردہ ثالث یا حکم پر ہوتا ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف حاکم نہیں، بلکہ رسولِ معصوم بھی ہیں، رحمۃ للعالمین بھی ہیں، امت کے شفیق

و مہربان باپ بھی ہیں، اس لیے تعلیم یہ دی گئی کہ جب بھی کسی معاملہ میں یا کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو فریقین کا فرض ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنا کر اس کا فیصلہ کرائیں اور پھر آپ کے فیصلہ کو دل و جان سے تسلیم کر کے عمل کریں۔

اختلافات میں آپکو حکم بنانا آپکے عہدِ مبارک کیساتھ مخصوص نہیں

حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ارشادِ قرآنی پر عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں، آپؐ کے بعد آپؐ کی شریعت مطہرہ کا فیصلہ خود آپؐ ہی کا فیصلہ ہے، اس لیے یہ حکم قیامت تک اس طرح جاری ہے کہ آپؐ کے زمانۂ مبارک میں خود بلا واسطہ آپ سے رجوع کیا جائے، اور آپؐ کے بعد آپؐ کی شریعت کی طرف رجوع کیا جائے جو درحقیقت آپؐ ہی کی طرف رجوع ہے۔

چند اہم مسائل

اوّل یہ کہ وہ شخص مسلمان نہیں ہے جو اپنے ہر جھگڑے اور ہر مقدمہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر مطمئن نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس شخص کو قتل کر ڈالا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور پھر معاملہ کو حضرت عمرؓ کے پاس لے گیا، اس مقتول کے اولیاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں حضرت عمرؓ پر دعویٰ کر دیا کہ انہوں نے ایک مسلمان کو بلا وجہ قتل کر دیا، جب یہ استغاثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوا تو بلیساختہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان

مبارک سے نکلا : " ماکنت اظن ان عمر یجترئ علیٰ قتل رجل مؤمن " (یعنی مجھے یہ گمان نہ تھا کہ عمر کسی مردِ مومن کے قتل کی جرأت کریں گے) اس سے ثابت ہوا کہ حاکمِ اعلیٰ کے پاس اگر کسی ماتحت حاکم کے فیصلہ کی اپیل کی جائے تو اس کو اپنے حاکمِ ماتحت کی جانب داری کے بجائے انصاف کا فیصلہ کرنا چاہیے، جیسا اس واقعہ میں آیت نازل ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر اظہارِ ناراضی فرمایا، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو حقیقت کھل گئی کہ اس آیت کی رُو سے وہ شخص مؤمن ہی نہیں تھا۔

دوسرا[۲] مسئلہ اس آیت سے یہ نکلا کہ لفظِ فِیمَا شَجَرَ صرف معاملات اور حقوق کے ساتھ متعلق نہیں، عقائد اور نظریات اور دوسرے نظری مسائل کو بھی حاوی ہے (بحر محیط) اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو باہم جھگڑتے رہنے کے بجائے دونوں فریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور آپؐ کے بعد آپؐ کی شریعت کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کا حل تلاش کریں۔

تیسرا[۳] مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا عملاً ثابت ہو، اس کے کرنے سے دل میں تنگی محسوس کرنا بھی ضعفِ ایمان کی علامت ہے، مثلاً جہاں شریعت نے تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت دی وہاں تیمم کرنے پر جس شخص کا دل راضی نہ ہو وہ اس کو تقویٰ نہ سمجھے، بلکہ اپنے دل کا روگ سمجھے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی متقی نہیں ہو سکتا، جس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی اور خود بیٹھ کر ادا فرمائی، اگر کسی شخص کا دل اس پر راضی نہ ہو

اور ناقابلِ برداشت محنت ومشقت اُٹھاکر کھڑے ہی ہو کر نماز ادا کرے اور وہ سمجھ لے کہ اس کے دِل میں روگ ہے، ہاں معمولی ضروریات یا تکلیف کے وقت اگر رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم کے مطابق درست ہے، مگر مطلقاً شرعی رخصتوں سے دل تنگی محسوس کرنا کوئی تقوٰی نہیں، اس لیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى	"یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح
يُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰى	عزیمتوں پر عمل کرنے سے
رُخْصَتُهٗ كَمَا	خوش ہوتے ہیں اسی طرح
يُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰى	رخصتوں پر عمل کرنے کو بھی
عَزَائِمُهٗ ۔	پسند فرماتے ہیں۔"

عام عبادات واذکار و اوراد، درود و تسبیح میں سب سے بہتر طریقہ وہی ہے جو خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معمول رہا، اور آپ کے بعد آپ کے صحابۂ کرام کا جس پر عمل رہا، مسلمانوں کا فرض ہے کہ حدیث کی مستند روایات سے اس کو معلوم کر کے اسی کو اپنا لائحہ عمل بنائیں۔

ایک اہم فائدہ

گزشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم امّت کے صرف مصلح اور اخلاقی رہبر ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک عادل حاکم بھی تھے، پھر حاکم بھی اس شان کے کہ آپ کے فیصلہ کو ایمان و کفر کا معیار

قرار دیا گیا، جیسا کہ بشر منافق کے واقعہ سے ظاہر ہے، اس چیز کی وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں متعدد مقامات پہ اپنی اطاعت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ "یعنی تم اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو"۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ، یعنی جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔

ان آیات میں غور کرنے سے آپ کی شانِ حاکمیت بھی نکھر کر سامنے آجاتی ہے، جس کی عملی صورت ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے پاس اپنا قانون بھیجا، تاکہ آپ مقدمات کے فیصلے اسی کے مطابق کر سکیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىکَ اللّٰہُ، یعنی ہم نے آپ پر کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان میں اس طرح فیصلہ کریں جس طرح اللہ آپ کو دکھلائے اور سمجھائے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

وَ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ	اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ
وَ بِالرَّسُوۡلِ وَ اَطَعۡنَا	اور رسول پر ایمان لائے
ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیۡقٌ	اور ہم فرمان بردار ہو گئے
مِّنۡہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ	پھر ایک گروہ ان میں سے
ذٰلِکَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِکَ	اس کے بعد پھر جاتا ہے
بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝	اور وہ لوگ مومن نہیں

وَ اِذَا دُعُوْا اِلَى
اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ
اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
مُّعْرِضُوْنَ ۝
وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ
الْحَقُّ يَاْتُوْا اِلَيْهِ
مُذْعِنِيْنَ ۝ اَفِيْ
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
اَمِ ارْتَابُوْا اَمْ
يَخَافُوْنَ اَنْ
يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
وَرَسُوْلُهٗ ط بَلْ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔
(سورۃ النور آیت ۴۷ تا ۵۰)

اور جب انہیں اللہ اور
اس کے رسول کی طرف
بلایا جائے تاکہ ان میں
فیصلہ کرے تب بھی ایک
گروہ ان میں سے منہ
موڑنے والے ہیں۔ اور
اگر انہیں حق پہنچتا ہو تو
اس کی طرف گردن جھکائے
آتے ہیں کیا ان کے
دلوں میں بیماری ہے یا
شک میں پڑے ہیں یا
ڈرتے ہیں اس سے کہ
ان پر اللہ اور اس کا
رسول ظلم کرے گا بلکہ
وہی ظالم ہیں۔

تفسیر

ان آیات کا شانِ نزول اور مقصد وہی ہے جو سورۃ النساء کی آیات کا ہے۔ خلاصہ اور لبِ لباب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو غیر مسلم حکام سے فیصلہ نہیں کرانا چاہیئے کیونکہ عدالت میں کیس لے جانے کا مقصد یہ

ہوتا ہے کہ وہ تحقیق کر کے بتائے کہ اس مقدمہ میں مدعی اور مدعا علیہ میں سے حق کس کا ہے اور کس کا نہیں ہے۔ اور حقوق وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے ہیں جو قرآن وسنت کی شکل میں مدوّن موجود ہیں اور غیر مسلم حکام چونکہ قرآن وسنت سے بے خبر ہوتے ہیں ان کے لیے یہ تعین کرنا مشکل ہوگا کہ اس مقدمے میں کس کا حق ہے کتنا حق ہے اور کیا ہے۔ لہٰذا وہ جو فیصلہ کرے گا وہ بزعم خود کرے گا۔ اور اپنے مرّوجہ قانون کے موافق کرے گا۔ اور یہ تفصیل پہلے آچکی ہے کہ قاضی (جج) اگر غلط فیصلہ کرے اور ایک آدمی کا حق دوسرے کو دلا دے تو وہ چیز اس کے لیے حلال نہیں ہو جاتی وہ حرام ہی ہے اس لیے کسی بھی مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہونے کے کسی غیر مسلم حاکم سے فیصلہ کرانا جائز نہیں ہے۔ اسے صرف اسلامی عدالت سے ہی فیصلہ کرانا چاہیئے تاکہ وہ اپنا حق حاصل کر سکے اور دوسرے کی حق تلفی سے بچ جائے اور اگر کوئی غیر مسلم حاکم شرعی اصولوں کے موافق تحقیق کر کے صحیح فیصلہ کر دے تو اس وقت مسلمان کو اس کا فیصلہ ماننے میں قباحت تو نہیں ہو گی کیونکہ اصل مقصد تو اپنا حق حاصل کرنا اور دوسرے کی حق تلفی سے بچنا ہے لیکن ایسا کرنا ہے مشکل۔

مسلمان اپنے تنازعات ختم کرانے کیلئے اپنوں میں سے کسی عادل کو اپنا حاکم مقرر کر سکتے ہیں

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ	اور اگر تمہیں کہیں میاں
بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا	بیوی کے تعلقات بگڑ جانے
حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ	کا خطرہ ہو تو ایک منصف
وَحَكَمًا مِّنْ	مرد کے خاندان میں سے
اَهْلِهَا ج اِنْ	اور ایک منصف عورت
يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا	کے خاندان میں سے مقرر
يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا	کرو۔ اگر یہ دونوں صلح کرنا
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ	چاہیں گے تو اللہ ان دونوں
عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝	میں موافقت کر دے گا
(سورۃ النساء آیت ۳۵)	بے شک اللہ سب کچھ
	جاننے والا خبردار ہے۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے ایمان والو جب تم
اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا	احرام میں ہو تو شکار نہ
الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ	کرو اور جو کوئی تم میں
حُرُمٌ ط وَمَنْ	سے اسے جان بوجھ کر
قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا	مارے تو اس مارے ہوئے
فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا	کے برابر مویشی میں سے

فَقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ	اس پر بدلہ لازم ہے جو
يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ	تم میں سے دو معتبر آدمی
مِنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ	تجویز کریں بشرطیکہ
الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ	کعبہ تک پہنچنے والی ہو
طَعَامُ مَسٰكِيْنَ	یا کفارہ مسکینوں کو کھانا
اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ	کھلانا ہو یا اس کے برابر
صِيَامًا لِّيَذُوْقَ	روزے تاکہ اپنے کام کا
وَبَالَ اَمْرِهٖ ط عَفَا	وبال چکھے۔ اللہ نے اس
اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ط	چیز کو معاف کیا جو گزر
وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ	چکی اور جو کوئی پھر کریگا
اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ	تو اللہ اس سے بدلہ لیگا
عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ	اور اللہ غالب بدلہ لینے
(سورۃ المائدہ ایت ۹۵)	والا ہے۔

تفسیر

یہاں اس بحث میں دو آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ النسار کی ہے اور دوسری آیت سورۃ المائدہ کی ہے۔ سورۃ النسار والی آیت میں میاں اور بیوی کے درمیان فسادِ عظیم کا دروازہ بند کرنے کے لیے حکامِ وقت، فریقین کے اولیار اور حامیوں کو اور مسلمانوں کی جماعتوں کو خطاب کر کے ایک ایسا پاکیزہ طریقہ بتلایا جس سے فریقین کا اشتعال

بھی ختم ہو جائے اور الزام تراشی کے راستے بھی بند ہو جائیں اور ان کے آپس میں مصالحت کی راہ نکل آئے اور گھر کا جھگڑا اگر گھر میں ختم نہیں ہوا تو کم از کم خاندان ہی میں ختم ہو جائے، عدالت میں مقدمہ کی صورت میں کوچہ و بازار میں یہ جھگڑا نہ چلے۔

وہ یہ کہ ارباب حکومت یا فریقین کے اولیاء یا مسلمانوں کی کوئی مقتدر جماعت یہ کام کرے کہ ان کے آپس میں مصالحت کرانے کے لیے دو حَکَم مقرر کریں، ایک مرد کے خاندان سے دوسرا عورت کے خاندان سے، اور ان دونوں جگہ لفظ حَکَم سے تعبیر کرکے قرآن کریم نے ان دونوں شخصوں کے ضروری اوصاف کو بھی متعین کر دیا، کہ ان دونوں میں جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو، اور یہ صلاحیت ظاہر ہے کہ اسی شخص میں ہو سکتی ہے جو ذی علم بھی ہو اور دیانتدار بھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک حَکَم مرد کے خاندان کا اور ایک عورت کے خاندان کا مقرر کر کے دونوں میاں بیوی کے پاس بھیجے جائیں ——— اب وہاں جا کر یہ دونوں کیا کام کریں اور ان کے اختیارات کیا ہیں ——— قرآن کریم نے اس کو متعین نہیں فرمایا، البتہ آخر میں ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا، یعنی اگر یہ دونوں حَکَم اصلاحِ حال اور باہمی مصالحت کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے کام میں امداد فرما دیں گے اور میاں بیوی میں اتفاق پیدا کر دیں گے۔

اس جملہ سے دو باتیں مفہوم ہوئیں۔

اوّل تو یہ کہ مصالحت کرانے والے دونوں حَکَم اگر نیک نیت ہوں، اور دل سے چاہیں کہ باہم صلح ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی غیبی

امداد ہوگی، کہ یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے، اور ان کے ذریعہ دونوں میاں بیوی کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اتفاق و محبت پیدا فرما دیں گے اس کے نتیجہ سے یہ بھی سمجھا سکتا ہے کہ جہاں باہمی مصالحت نہیں ہو پاتی تو دونوں حکمین میں سے کسی جانب اخلاص کے ساتھ صلح جوئی میں کمی ہوتی ہے۔

دوسری بات اس جملہ سے یہ بھی سمجھی جاتی ہے کہ ان دونوں حکمین کے بھیجنے کا مقصد میاں بیوی میں صلح کرانا ہے، اس سے زیادہ کوئی کام حکمین کے بھیجنے کے مقصد میں شامل نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ فریقین رضامند ہو کر انہیں دونوں حکموں کو اپنا وکیل، مختار یا ثالث بنا دیں، اور یہ تسلیم کر لیں کہ تم دونوں مل کر جو فیصلہ بھی ہمارے حق میں دو گے ہمیں منظور ہوگا، اس صورت میں یہ دونوں حکم کلی طور پر ان کے معاملہ کے فیصلہ میں مختار ہو جائیں گے۔ دونوں طلاق پر متفق ہو جائیں گے تو طلاق ہو جائے گی۔ دونوں مل کر خلع وغیرہ کی کوئی صورت طے کر دیں تو وہی فریقین اور مرد کی جانب سے دیئے ہوئے اختیار کی بنا پر عورت کو طلاق دے دیں تو فریقین کو ماننا پڑے گی۔ سلف میں حسن بصریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی یہی تحقیق ہے (روح المعانی وغیرہ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا، اس میں بھی اس کی شہادت موجود ہے کہ ان دونوں حکموں کو از خود کوئی اختیار بجز صلح کرانے کے نہیں ہے، جب تک فریقین ان کو کلی اختیار نہ دے دیں ــــــ یہ واقعہ سنن بیہقی میں بروایت عبیدہ سلمانی اس طرح مذکور ہے۔

ایک مرد اور ایک عورت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور دونوں کے ساتھ بہت سی جماعتیں تھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم دیا کہ ایک حَکَم مرد کے خاندان سے اور ایک عورت کے خاندان سے مقرر کریں۔ جب یہ حَکَم تجویز کر دیئے گئے تو ان دونوں سے خطاب فرمایا کہ تم جانتے ہو تمہاری ذمہ داری کیا ہے؟ اور تمہیں کیا کرنا ہے؟ ——— سُن لو! اگر تم دونوں ان میاں بیوی کو یکجا رکھنے اور باہم مصالحت کرا دینے پر متفق ہو جاؤ تو ایسا ہی کر لو، اور اگر تم یہ سمجھو کہ ان میں مصالحت نہیں ہو سکتی یا قائم نہیں رہ سکتی، اور تم دونوں کا اس پر اتفاق ہو جائے کہ ان میں جدائی ہی مصلحت ہے تو ایسا ہی کر لو، یہ سُن کر عورت بولی کہ مجھے یہ منظور ہے، یہ دونوں حَکَم قانونِ الٰہی کے موافق جو فیصلہ کر دیں خواہ میری مرضی کے مطابق ہو یا خلاف مجھے منظور ہے۔

لیکن مرد نے کہا کہ جدائی اور طلاق تو میں کسی حال گوارا نہ کروں گا، البتہ حَکَم کو یہ اختیار دیتا ہوں کہ مجھ پر مال تاوان جو چاہیں ڈال کر اسکو راضی کر دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نہیں تمہیں بھی ان حَکَمین کو ایسا ہی اختیار دینا چاہیئے جیسا عورت نے دے دیا۔

اس واقعہ سے بعض ائمہ مجتہدین نے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ ان حَکَمین کا با اختیار ہونا ضروری ہے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فریقین سے کہہ کر ان کو با اختیار بنوایا، اور امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ اور حسن بصریؒ نے یہ قرار دیا کہ اگر ان حَکَمین کا با اختیار ہونا امر شرعی اور ضروری ہوتا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد اور فریقین سے رضامندی حاصل کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی، فریقین کو رضامند کرنے کی کوشش خود اس کی دلیل ہے کہ اصل سے یہ حَکَمین با اختیار نہیں ہوتے، ہاں میاں بیوی ان کو مختار بنا دیں تو با اختیار ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم کی اس تعلیم سے لوگوں کے باہمی جھگڑوں اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کے متعلق ایک نئے باب کا نہایت مفید اضافہ ہوا جس کے ذریعہ عدالت و حکومت تک پہنچنے سے پہلے ہی بہت سے مقدمات اور جھگڑوں کا فیصلہ برادریوں کی پنچایت میں ہو سکتا ہے۔

دوسرے نزاعات میں بھی حکم کے ذریعہ مصالحت کرائی جائے

حضرات فقہائے نے فرمایا ہے کہ باہم صلح کرانے کے لیے دو حکموں کے بھیجنے کی یہ تجویز صرف میاں بیوی کے جھگڑوں میں محدود نہیں، بلکہ دوسرے نزاعات میں بھی اس سے کام لیا جا سکتا ہے اور لینا چاہیئے، خصوصاً جب کہ جھگڑنے والے آپس میں عزیز رشتہ دار ہوں، کیونکہ عدالتی فیصلوں سے وقتی جھگڑا تو ختم ہو جاتا ہے مگر وہ فیصلے دلوں میں کدورت و جراثیم چھوڑ جاتے ہیں جو بعد میں نہایت ناگوار شکلوں میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے قاضیوں کے لیے یہ فرمان جاری فرما دیا تھا کہ:

رَدُّوا الْقُضَاةَ بَيْنَ ذَوِي الْاَرْحَامِ حَتّٰى يَصْطَلِحُوْا فَاِنَّ فَصْلَ الْقَضَاءِ يُوْرِثُ الضَّغَائِنَ۔

"رشتہ داروں کے مقدمات کو انہی میں واپس کر دو تاکہ وہ خود برادری کی امداد سے آپس میں صلح کی صورت نکال لیں، کیونکہ قاضی کا فیصلہ دلوں میں کینہ و عداوت پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے۔

(معین الاحکام، ص ۲۱۴)

فقہائے حنفیہ میں سے قاضی قدس علاء الدین طرابلسی نے اپنی کتاب

معین الاحکام میں اور ابن شحنہ نے لسان الحکام میں اس فرمانِ فاروقی کو ایسے پنچائتی فیصلوں کی خاص بنیاد بنایا ہے جن کے ذریعہ فریقین کی رضامندی سے صلح کی کوئی صورت نکالی جائے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اگرچہ فاروقی فرمان میں یہ حکم رشتہ داروں کے باہمی جھگڑوں سے متعلق ہے، مگر اس کی جو علت و حکمت اسی فرمان میں مذکور ہے کہ عدالتی فیصلے دلوں میں کدورت پیدا کر دیا کرتے ہیں - یہ حکمت رشتہ دار اور غیر رشتہ دار میں عام ہے کیونکہ باہمی کدورت اور عداوت سے سب ہی مسلمانوں کو بچانا ہے اس لیے حکام اور قضاۃ کے لیے مناسب یہ ہے کہ مقدمہ کی سماعت سے پہلے اس کی کوشش کر لیا کریں کہ کسی صورت سے ان کے آپس میں رضامندی کے ساتھ مصالحت ہو جائے۔

غرض ان دو آیتوں میں انسان کی خانگی اور عائلی زندگی کا ایک ایسا جامع اور مکمل نظام ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر اس پر پورا عمل ہو جائے تو دنیا کے اکثر جھگڑے اور جنگ و جدال مٹ جائیں، مرد اور عورتیں سب مطمئن ہو کر اپنی خانگی زندگی کو ایک جنت کی زندگی محسوس کرنے لگیں اور خانگی جھگڑوں سے جو قبائلی اور پھر جماعتی اور ملکی جھگڑے اور جنگیں کھڑی ہو جاتی ہیں ان سب سے امن ہو جائے۔

آخر میں پھر اس عجیب و غریب قرآنی نظام محکم پر ایک اجمالی نظر ڈالئے جو اس نے گھریلو جھگڑوں کو ختم کرنے کے لیے دنیا کو دیا ہے۔

۱۔ گھر کا جھگڑا گھر ہی میں تدریجی تدبیروں کے ساتھ چکا دیا جائے۔

۲۔ یہ صورت ممکن نہ رہے تو حکام یا برادری کے لوگ دو حکموں کے ذریعہ ان میں مصالحت کرا دیں تاکہ گھر میں نہیں تو خاندان ہی کے اندر

محدود رہ کر جھگڑا ختم ہو سکے۔

۳۔ جب یہ بھی ممکن نہ رہے تو آخر میں معاملہ عدالت تک پہنچے، وہ دونوں کے حالات و معاملات کی تحقیق کر کے عادلانہ فیصلہ کرے۔

آخر آیت میں اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا ط فرما کر دونوں حکموں کو بھی متنبہ فرما دیا کہ تم کوئی بے انصافی یا کج روی کرو گے تو تم کو بھی ایک علیم و خبیر سے سابقہ پڑنا ہے اس کو سامنے رکھو۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

اور سورۃ المائدہ والی آیت میں حالتِ احرام میں شکار کرنے کی ممانعت بیان فرمائی ہے۔ اور اگر کوئی جان بوجھ کر شکار کرے تو اس کی سزا یہ بیان فرمائی ہے کہ مقتول مویشی کے برابر اس کا بدلہ دے۔ اور اس بدلہ کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ دو صاحبِ عدل آدمیوں سے فیصلہ کرایا جائے۔ پس اس آیت اور اس سے پہلے سورۃ النساء والی آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے نزاعی امور میں حکام بالا کے پاس جانا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنوں میں سے دو معتبر منصف قسم کے آدمیوں سے فیصلہ کرا سکتے ہیں۔

جب اسلامی ملک میں انہیں یہ اختیار حاصل ہے تو غیر اسلامی ملکوں میں انہیں بطریقہ اولیٰ یہ ہی اختیار حاصل ہے۔ وہ کفار کی عدالتوں میں جانے کے بجائے اپنے طور پر اپنوں میں سے کسی کو حکم مقرر کر لیں۔ اور ان سے اپنے فیصلے کرائیں۔ یا اسلامی ممالک کے مفتیانِ کرام سے پوچھ کر عمل کر لیں۔ اور مسلمانوں کی اپنی مقرر کردہ یہ پنچایت حدود اللہ کے سوا بقیہ تمام نزاعی امور میں فیصلہ کر سکتی ہے اور حدود اللہ میں چونکہ تحقیقات کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اس کے بس کا روگ نہیں ہے اس لیے وہاں یہ فیصلہ نہیں کر سکتی۔

معارف و مسائل

مسئلہ : صید جو کہ حرم اور احرام میں حرام ہے عام ہے، خواہ ماکول یعنی حلال جانور ہو یا غیر ماکول (یعنی حرام) (اطلاق الآیۃ)

مسئلہ : صید یعنی شکار، اُن جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں، عادۃً انسانوں کے پاس نہ رہتے ہوں، پس جو خلقۃً اہلی ہوں جیسے بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ، ان کا ذبح کرنا اور کھانا درست ہے۔

مسئلہ : البتہ جو دلیل سے مستثنیٰ ہوگئے ہیں ان کو پکڑنا قتل کرنا حلال ہے، جیسے دریائی جانور کا شکار، لقولہٖ تعالیٰ اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ، اور بعضے خشکی کے جانور، جیسے کوّا اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور کاٹنے والا کتا۔ اسی طرح جو درندہ خود حملہ کرے اس کا قتل بھی جائز ہے، حدیث میں ان کا استثناء مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اَلصَّیْدُ میں الف لام عہد کا ہے۔

مسئلہ جو حلال شکار غیر احرام اور غیر حرم میں کیا جائے اس کا کھانا محرم کو جائز ہے۔ جب یہ اس کے قتل وغیرہ میں معین یا مشیر یا بتلانے والا نہ ہو، حدیث میں ایسا ہی ارشاد ہے، اور آیت کے الفاظ لَا تَقْتُلُوْا میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہاں لَا تَقْتُلُوْا فرمایا ہے۔ لَا تَاْکُلُوْا نہیں فرمایا۔

مسئلہ : شکار حرم کو جس طرح قصداً قتل کرنے پر جزاء واجب ہے اسی طرح خطاء و نسیان میں بھی واجب ہے (اخرجہ الروح)

مسئلہ : جیسا پہلی بار میں جزاء واجب ہے اسی طرح دوسری تیسری بار قتل کرنے میں بھی واجب ہے۔

مسئلہ : حاصل جزاء کا یہ ہے کہ جس زمان اور جس مکان میں یہ جانور قتل ہوا ہے بہتر تو یہ ہے کہ دو عادل شخص سے اور جائز یہ بھی ہے کہ ایک ہی عادل شخص سے اس جانور کی قیمت کا تخمینہ کرائے، پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ وہ مقتول جانور اگر غیر ماکول ہے تب تو یہ قیمت ایک بکری کی قیمت سے زیادہ واجب نہ ہوگی، اور اگر وہ جانور ماکول تھا تو جس قدر تخمینہ ہوگا وہ سب واجب ہوگا اور دونوں حال میں آگے اس کو تین صورتوں میں اختیار ہے۔ خواہ تو اس قیمت کا کوئی جانور حسب شرائط قربانی کے خرید لے اور حدودِ حرم کے اندر ذبح کر کے فقراء کو بانٹ دے، اور یا اس قیمت کے برابر غلّہ حسب شرائط صدقۂ فطر کے فی مسکین نصف صاع فقراء کو دیدے، اور یا بحساب فی مسکین نصف صاع جتنے مساکین کو وہ غلّہ پہنچ سکتا ہو اتنے شمار سے روزے رکھ لے اور تقسیم غلّہ اور روزوں میں حرم کی قید نہیں۔ اور اگر قیمت نصف صاع سے بھی کم واجب ہوئی ہے تو اختیار ہے خواہ ایک مسکین کو دے دے، یا ایک روزہ رکھ لے۔ اسی طرح اگر فی مسکین نصف صاع دے کر نصف صاع سے کم بچ گیا، تو بھی یہی اختیار ہے کہ خواہ وہ بقیہ ایک مسکین کو دے دے یا ایک روزہ رکھ لے۔ نصف صاع کا وزن ہمارے وزن کے اعتبار سے پونے دو سیر ہوتا ہے۔

مسئلہ : تخمینۂ مذکور میں جتنے مساکین کا حصّہ قرار پا دے اگر ان کو دو وقت کھانا شکم سیر کر کے کھلا دے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ : اگر اس قیمت کے برابر ذبح کے لیے جانور تجویز کیا،

مگر کچھ قیمت بچ گئی تو اس بقیہ میں اختیار ہے خواہ دوسرا جانور خرید لے، یا اس کا غلّہ دے دے، یا غلّہ کے حساب سے روزے رکھ لے، جس طرح قتل میں جزاء واجب ہے اسی طرح ایسے جانور کو زخمی کرنے میں بھی تخمینہ کرایا جائے گا کہ اس سے جانور کی کس قدر قیمت کم ہوگئی، اس مقدار قیمت میں پھر وہی تین مذکورہ صورتیں جائز ہوں گی۔

مسئلہ : محرم کو جس جانور کا شکار کرنا حرام ہے اس کا ذبح کرنا بھی حرام ہے، اگر اس کو ذبح کرے گا تو اس کا حکم مُردار کا سا ہوگا (دفی تقتلوا اشارۃ الیٰ ان ذبحہ کالقتل)

مسئلہ : اگر جانور کے قتل ہونے کی جگہ جنگل ہے تو جو آبادی اس سے قریب ہو وہاں کے اعتبار سے تخمینہ کیا جائے گا۔

مسئلہ : اشارہ و دلالت و اعانت شکار میں مثل شکار کرنے کے حرام ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع)

مسلمانوں پر اسلامی عدالت کا فیصلہ ماننا فرض ہے

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ	مومنوں کی بات تو یہی ہوتی
الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْآ	ہے جب انہیں اللہ اور
اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ	اس کے رسول کی طرف بلایا
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ	جاتا ہے تاکہ وہ ان کے
اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا	درمیان فیصلہ کرے وہ کہتے
وَ اَطَعْنَا ط وَاُولٰٓئِكَ	ہیں ہم نے سنا اور مان

هُوُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝	لیا اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ۔
(سورۃ النور آیت ۵۱)	
وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝	کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے تو انہیں اپنے کام میں اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا ۔
(سورۃ الاحزاب آیت ۳۶)	

تفسیر

یہاں دو سو آیتیں نقل کی گئی ہیں ۔ پہلی سورۃ نور کی ہے اس میں دو چیزوں کا بیان ہے ۔ پہلی چیز یہ ہے کہ مومن اللہ کا حکم اور فیصلہ بسر و چشم تسلیم کرتے ہیں اور دوسری چیز یہ ہے کہ ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور کامیابی عام ہے دُنیاوی بھی ہو سکتی ہے اور اُخروی بھی ہو سکتی ہے ۔

اور دوسری سورۃ الاحزاب کی ہے ۔ پہلے اس کا شانِ نزول ملاحظہ فرما لیا جائے ۔

معارف و مسائل

ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت زید بن حارثہ رضؓ کسی شخص کے غلام تھے، زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بازار عکاظ سے خرید لیا تھا، ابھی عمر بھی کم تھی۔ آپؐ نے خریدنے کے بعد ان کو آزاد کر کے یہ شرف بخشا کہ عرب کے عام رواج کے مطابق ان کو اپنا مُنہ بولا بیٹا بنا لیا اور ان کی پرورش فرمائی، مکہ مکرمہ میں ان کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے پکارا جاتا تھا، قرآن کریم نے اس کو جاہلیت کی رسم غلط قرار دے کر اس کی ممانعت کردی کہ منہ بولے بیٹے کو اس شخص کا بیٹا کہہ کر پکارا جائے، اور حکم دیا کہ اس کو اس کے اصلی باپ کی طرف منسوب کیا جائے اسی سلسلے میں وہ آیات نازل ہوئیں جو اسی سورۃ میں پہلے آچکی ہیں — اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ (الآیہ) ان احکام کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام رضؓ نے ان کو ابن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنا چھوڑ دیا اور ان کے والد حارثہ کی طرف منسوب کرنے لگے۔

ایک لطیفہ

پورے قرآن میں انبیاء علیہم السّلام کے سوا کسی بڑے سے بڑے صحابی کا بھی نام ذکر نہیں کیا گیا، بجز حضرت زید بن حارثہ کے اسکی حکمت بعض حضرات نے یہی بیان کی ہے کہ ان کی نسبت ولدیت کو بحکم قرآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قطع کیا گیا تو ان کے لیے ایک بہت بڑے

اعزاز سے محرومی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بدل اس طرح کر دیا کہ قرآن میں ان کا نام لے کر ذکر فرما دیا، اور لفظ زَیْدٌ قرآن کا ایک لفظ ہونے کی حیثیت سے اس کے ہر لفظ پر حسب وعدہ حدیث دس نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ ان کا نام جب قرآن میں پڑھا جائے تو صرف ان کا نام لینے پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کا اکرام فرماتے تھے۔ حضرت صدیقہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ نے جب کبھی کسی لشکر میں ان کو بھیجا ہے تو امیرِ لشکر انہی کو بنایا ہے (ابن کثیر)

تنبیہ :

یہ تھی اسلام میں غلامی کی حقیقت کہ ان کو تعلیم و تربیت دے کر جو صاحبِ صلاحیت ثابت ہوا اس کو مقتداؤں کا درجہ دیا۔

زید بن حارثہؓ جوان ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کے لیے اپنی پھوپھی کی لڑکی حضرت زینب بنت جحش کا انتخاب فرما کر پیغام نکاح دیا۔ حضرت زیدؓ پر چونکہ یہ عرفی عیب لگا ہوا تھا، کہ آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے اس رشتہ سے انکار کر دیا کہ ہم باعتبار خاندان و نسب کے ان سے اشرف ہیں۔

اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ الآیۃ جس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو کسی کام کا حکم بطورِ وجوب دے دیں تو اس پر وہ کام کرنا واجب ہو جاتا ہے، اس کو نہ کرنے کا اختیار شرعاً نہیں رہتا اگرچہ فی نفسہٖ وہ کام شرعاً واجب و ضروری نہ ہو، مگر جس کو آپؐ نے حکم دے

دیا اس کے ذمہ لازم و واجب ہو جاتا ہے اور جو ایسا نہ کرے آخر آیت میں اس کو کھلی گمراہی فرمایا ہے۔

اس آیت کو حضرت زینب بنت جحش اور ان کے بھائی نے سنا تو اپنے انکار سے باز آ گئے اور نکاح پر راضی ہو گئے، چنانچہ یہ نکاح کر دیا گیا ان کا مہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے ادا کیا۔ جو دس دینار سرخ (جو تقریباً چار تولہ سونا ہوتا ہے) اور ساٹھ درہم (جس کی تقریباً اٹھارہ تولہ چاندی ہوتی ہے) اور ایک باربرداری کا جانور اور پورا زنانہ جوڑا اور پچاس مُد آٹا (یعنی تقریباً پچیس سیر) اور دس مُد (پانچ سیر) کھجور تھا (ابن کثیر) اس آیت کے نزول کا مشہور واقعہ جمہور مفسرین کے نزدیک یہی حضرت زیدؓ اور حضرت زینب بنت جحش کے نکاح کا قصہ ہے (ابن کثیر، قرطبی، مظہری)

ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے اسی طرح کے دو واقعے اور بھی نقل کئے ہیں ان میں بھی یہ مذکور ہے کہ آیت مذکورہ ان واقعات کے متعلق نازل ہوئی ہے ان میں سے ایک واقعہ حضرت جُلَیْبِیبؓ کا واقعہ ہے کہ ان کا رشتہ ایک انصاری صحابی کی لڑکی سے کرنا چاہا تو اس انصاری اور ان کے گھر والوں نے اس رشتہ اور نکاح سے انکار کر دیا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب راضی ہو گئے اور نکاح کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے وسعتِ رزق کی دعا فرمائی۔ صحابہؓ کا بیان ہے کہ اللہ نے ان کے گھر میں ایسی برکت دی تھی کہ مدینہ طیبہ کے گھروں میں سب سے زیادہ اُجلا اور بڑا خرچ اس گھر کا تھا۔ بعد میں حضرت جُلبیبؓ ایک جہاد میں شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجہیز و تکفین اپنے دستِ مبارک

سے فرمائی۔

اسی طرح کا ایک واقعہ روایاتِ حدیث میں اُمّ کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کا منقول ہے (ابن کثیر، قرطبی) اور ان میں کوئی تضاد نہیں، ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے متعدد واقعات ہی نزولِ آیت کا سبب بنے ہوں۔

نکاح میں نسبی کفو کی رعایت کا حکم اور درجہ

نکاح مذکور میں حضرت زینب بنتِ جحش اور ان کے بھائی عبداللہ نے جو زید بن حارثہؓ سے نکاح کو ابتداء میں نامنظور کیا تھا، اس کی وجہ ان دونوں میں خاندانی اور نسبی کفاءت و مماثلت کا نہ ہونا تھا، اور یہ وجہ شرعاً خود مطلوب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے کفوء میں کرنا چاہیئے (جس کی تحقیق آگے آئے گی) اس لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی کا عذر کیوں مقبول نہ ہوا۔

جواب یہ ہے کہ دینی اعتبار سے کفاءت و مماثلت زوجین کی تو لازم و ضروری ہے، کسی مسلمان لڑکی کا نکاح کسی کافر سے باجماعِ امت حلال نہیں، اگرچہ لڑکی اس پر راضی ہو۔ کیونکہ یہ صرف عورت کا حق نہیں جو اس کی رضامندی سے ساقط ہو جائے بلکہ حق اللہ اور فریضۂ الٰہیہ ہے بخلاف نسبی اور مالی کفاءت کے کہ وہ لڑکی کا حق ہے اور خاندانی کفاءت کے حق میں لڑکی کے ساتھ اس کے اولیاء بھی شریک ہیں، اگر عاقلہ بالغہ لڑکی مالدار خاندان سے ہونے کے باوجود کسی غریب فقیر سے نکاح پر راضی ہو کر اپنا حق ساقط

کر دے تو اس کو اختیار ہے اور خاندانی کفارت میں لڑکی اور اس کے اولیا سب اس حق کو کسی دوسری اہم مصلحت کی خاطر چھوڑ کر کسی ایسے شخص سے نکاح پر راضی ہو جائیں جو نسب اور خاندان کے اعتبار سے ان سے کم درجہ ہے تو ان کو اس کا حق ہے بلکہ مصالح دینیہ کے پیش نظر اس حق کو چھوڑ دینا محمود و مطلوب ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع میں اس حق کو نظر انداز کرنے اور مصالح دینیہ کی وجہ سے نکاح کر دینے کا مشورہ دیا۔

اور قرآن کریم کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق اپنی امت کے مرد و زن پر سب سے زیادہ ہے، بلکہ اپنے نفس سے بھی زیادہ ہے جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے، اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ "یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق مؤمنین پر ان کے اپنے نفوس سے بھی زیادہ ہے"۔ اس لیے حضرت زینب اور عبداللہ کے معاملہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسبی کفارت کے حق کو نظر انداز کر کے زید بن حارثہ رض سے نکاح منظور کر لینے کا حکم دے دیا تو ان کا فرض تھا کہ اس حکم کے سامنے اپنی رائے اور اپنے نفس کے حقوق کو ترک کر دیتے، اس لیے ان کے انکار پر قرآن کریم کا یہ حکم نازل ہوا۔

رہا یہ معاملہ کہ جب نسبی کفارت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قابل رعایت ہے تو خود آپ نے اس کی رعایت کیوں نہ فرمائی تو اس کا جواب بھی مذکورہ تقریر سے واضح ہو گیا کہ یہ رعایت دوسری دینی مصالح کے بالمقابل قابل ترک ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں متعدد نکاح اسی طرح غیر کفو میں اسی قسم کی دینی مصالح کی بناء پر کیے گئے

اس سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مسئلہ کفایت

نکاح ایک ایسا معاملہ ہے جس میں اگر زوجین کی طبائع میں موافقت نہ ہو تو مقاصدِ نکاح میں خلل آتا ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے میں خلل آتا ہے۔ باہمی جھگڑے نزاع پیدا ہوتے ہیں اس لیے شریعت میں کفاءت یعنی باہمی مماثلت کی رعایت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی اعلیٰ خاندان کا آدمی اپنے سے کم خاندان والے آدمی کو رذیل یا ذلیل سمجھے۔ ذلت وعزت کا اصل مدار اسلام میں تقویٰ اور دینداری ہے جس میں یہ چیز نہیں اس کو خاندانی شرافت کتنی بھی حاصل ہو اللہ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں، صرف انتظامی معاملات کو استوار رکھنے کے لیے نکاح میں کفاءت کی رعایت کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے اولیاء ہی کے ذریعہ ہونا چاہیے یعنی لڑکی کو بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کرے۔ حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کام اس کے والدین اور اولیاء کریں) اور فرمایا کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے کفو ہی میں کرنا چاہیئے۔ اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر صحابہ کرام کے آثار و اقوال سے اس کی تائید ہو کر حدیث قابلِ استدلال ہو جاتی ہے۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ "میں یہ حکم جاری کروں گا کہ کسی بڑے اونچے معروف خاندان کی لڑکی کا نکاح دوسرے

کم درجہ والے سے نہ کیا جائے "۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت انسؓ نے بھی اس کی تاکید فرمائی کہ نکاح میں کفاءت کی رعایت کی جائے جو متعدد اسانید سے منقول ہے۔ امام ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نکاح میں کفاءت و مماثلت کی رعایت کرنا دین میں مطلوب ہے تاکہ زوجین میں موافقت رہے لیکن کوئی دوسری اہم مصلحت اس کفاءت سے بڑھ کر سامنے آجائے، تو عورت اور اس کے اولیاء کو اپنا یہ حق چھوڑ کر غیر کفوء میں نکاح کر لینا بھی جائز ہے خصوصاً جب کہ کوئی دینی مصلحت پیش نظر ہو تو ایسا کرنا افضل و بہتر ہے جیسا کہ صحابہ کرام کے متعدد واقعات سے ثابت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان واقعات سے اصل مسئلہ کفاءت کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم (معارف القرآن)

پس خلاصہ اور لبِّ لباب یہ نکلا کہ اسلامی عدالت کا فیصلہ سننا اور ماننا، اس پر عمل کرنا یہ مومن پر بحیثیت مومن ہونے کے لازم اور فرض ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ مومن اللہ کے فیصلے کو سنتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ جب اللہ و رسولؐ فیصلہ کریں تو انہیں پھر اپنا کوئی اختیار باقی ہی نہیں رہتا اور ان کے لیے اس فیصلہ کی تعمیل کے سوا اب چارہ نہیں ہے۔ اور ان آیات میں جہاں اللہ کا ذکر آیا ہے اس سے مراد قرآن حکیم ہے اور جہاں رسولؐ کا ذکر آیا ہے اس سے مراد سنّتِ رسولؐ ہے یعنی تا قیامت جو مسلم حکام قرآن و سنّت کے موافق فیصلہ کریں وہ فیصلہ ماننا مسلمانوں پر فرض ہوتا ہے۔

اسلامی عدالت کا فیصلہ نہ ماننے والے کو حکومت مناسب سزا دے سکتی ہے

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ج فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ج فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرا دو پھر اگر چڑھا چلا جائے ایک اُن میں سے دوسرے پر تو تم سب لڑو اس چڑھائی والے سے یہاں تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم پر پھر اگر پھر آیا تو ملاپ کرا دو اُن میں برابر اور انصاف کرو بیشک اللہ کو خوش آتے ہیں انصاف والے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں سو ملاپ کرا دو اپنے دو بھائیوں میں اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم پر

تُرْحَمُوْنَ ۝ رحم ہو۔

سببِ نزول

ان آیات کے سببِ نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان فرمائے ہیں جن میں خود مسلمانوں کے دو گروہوں میں باہم تصادم ہوا اور کوئی بعید نہیں کہ یہ سبھی واقعات کا مجموعہ سببِ نزول ہوا ہو یا نزول کسی ایک واقعہ میں ہوا، دوسرے واقعات کو اس کے مطابق پاکر ان کو بھی سببِ نزول میں شریک کردیا گیا۔ اس آیت کے اصل مخاطب وہ اولوالامر اور ملوک ہیں جن کو قتال وجہاد کے وسائل حاصل ہیں۔ (کذا قال ابوحیان فی البحر واختارہ فی روح المعانی) اور بالواسطہ تمام مسلمان اس کے مخاطب ہیں کہ وہ اس معاملے میں اولوالامر کی اعانت کریں اور جہاں کوئی امام وامیر یا بادشاہ ورئیس نہیں وہاں حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں کو فہمائش کرکے ترکِ قتال پر آمادہ کیا جائے، اور دونوں نہ مانیں تو دونوں لڑنے والے فرقوں سے الگ رہے نہ کسی کے خلاف کرے نہ موافقت، کذا فی بیان القرآن۔

مسائل متعلقہ

مسلمانوں کے دو گروہوں کی باہمی لڑائی کی چند صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ دونوں جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت ہیں یا دونوں نہیں، یا ایک ہے ایک نہیں۔ پہلی صورت میں عام مسلمانوں پر لازم

ہے کہ فہمائش کر کے ان کو باہمی جنگ سے روکیں۔ اگر فہمائش سے باز نہ آئیں تو امام المسلمین پر اصلاح کرنا واجب ہے اگر حکومت اسلامیہ کی مداخلت سے دونوں فریق جنگ سے باز آگئے تو قصاص و دیت کے احکام جاری ہوں گے۔ اور باز نہ آئیں تو دونوں فریق کے ساتھ باغیوں کا سا معاملہ کیا جائے اور ایک باز آگیا دوسرا ظلم و تعدی پر جما رہا تو دوسرا فریق باغی ہے۔ اس کے ساتھ باغیوں کا معاملہ کیا جائے اور جس نے اطاعت قبول کر لی وہ فریق عادل کہلائے گا اور باغیوں کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے اور مختصر جامع حکم یہ ہے کہ قبل قتال ان کے ہتھیار چھین لیے جاویں گے اور اُن کو گرفتار کر کے توبہ کرنے کے وقت تک قید رکھیں گے اور عین قتال کی حالت میں اور قتال کے بعد اُن کی ذرّیت کو غلام یا لونڈی نہ بنانے دیں گے اور انکا مال مالِ غنیمت نہیں ہو گا البتہ توبہ کرنے تک اموال کو محبوس رکھا جائے گا، توبہ کے بعد واپس دے دیا جائے گا۔ آیاتِ مذکورہ میں جو یہ ارشاد ہوا ہے۔ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا، یعنی اگر بغاوت کرنے والا فرقہ بغاوت اور قتال سے باز آجائے تو صرف جنگ بند کر دینے پر اکتفا نہ کرو بلکہ اسبابِ جنگ اور باہمی شکایات کے ازالہ کی فکر کرو تاکہ دِلوں سے بغض و عداوت نکل جاوے اور ہمیشہ کے لیے بھائی چارے کی فضا قائم ہو جائے۔ اور چونکہ یہ لوگ امام المسلمین کے خلاف بھی جنگ کر چکے ہیں اس لیے ہو سکتا تھا کہ ان کے بارے میں پورا انصاف نہ ہو اس لیے قرآن نے تاکید فرمائی کہ دونوں فریق کے حقوق میں عدل و انصاف کی پابندی کی جائے۔ یہ سب تفصیل بیان القرآن

سے لی گئی ہے اور اس میں ہدایہ کے حوالہ سے ہے۔

مسئلہ: اگر مسلمانوں کی کوئی بڑی طاقت ور جماعت امام المسلمین کی اطاعت سے نکل جائے تو امام پر لازم ہے کہ اوّل اُنکی شکایات سُنے ان کو کوئی شبہ یا غلط فہمی پیش آئی ہے تو اس کو دور کرے اور اگر وہ اپنی مخالفت کی ایسی وجوہ پیش کریں جن کی بنا پر کسی امام و امیر کی مخالفت شرعاً جائز ہے یعنی جن سے خود امام المسلمین کا ظلم و جور ثابت ہو تو عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس جماعت کی مدد کریں تاکہ امام اپنے ظلم سے باز آجائے بشرطیکہ اس کے ظلم کا ثبوت یقینی بلا کسی اشتباہ کے ثابت ہو جائے (کذا قال ابن الہمام۔ مظہری) اور اگر کوئی ایسی واضح وجوہ اپنی بغاوت اور عدم اطاعت کی بیان نہ کر سکیں اور امام المسلمین کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہو جائیں تو مسلمانوں کو اُن سے قتال کرنا حلال ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب تک وہ خود قتال شروع نہ کر دیں اس وقت تک مسلمانوں کو اُن سے قتال کی ابتدا کرنا جائز نہیں (مظہری) یہ حکم اس وقت ہے جب کہ اس جماعت کا باغی اور ظالم ہونا بالکل یقینی اور واضح ہو، اور اگر صورت ایسی ہے کہ دونوں فریق کوئی شرعی حجت رکھتے ہیں اور یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ ان میں کون باغی ہے کون عادل، وہاں جس شخص کو کسی ایک کے عادل ہونے کا ظن غالب ہو وہ اس کی مدد کر سکتا ہے اور جس کو کسی جانب رجحان نہ ہو وہ دونوں سے الگ رہے جیسا کہ مشاجراتِ صحابۂ کرام کے وقت جنگ جمل اور صفین میں پیش آیا۔

مشاجراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

امام ابوبکر بن العربی نے فرمایا کہ یہ آیت قتال بین المسلمین کی تمام صورتوں کو حاوی اور شامل ہے اس میں وہ صورت بھی داخل ہے جس میں دونوں فریق کسی حجتِ شرعی کے تحت جنگ کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں صحابہ کرام کے مشاجرات اسی قسم میں داخل ہیں۔ قرطبی نے ابنِ عربی کا یہ قول نقل کر کے اس جگہ مشاجرات صحابہ جنگ جمل اور صفین وغیرہ کی حقیقت بیان کی ہے اور مشاجرات صحابہ کے بارے میں بعد کے آنیوالے مسلمانوں کے عمل کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ احقر نے یہ سب مضامین احکام القرآن میں بزبان عربی اور بزبان اردو اپنے رسالہ مقامِ صحابہ میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیئے ہیں یہاں اس کا خلاصہ جو تفسیر قرطبی ص ۳۲۲ ج ۱ کے حوالہ سے اس رسالہ میں دیا گیا ہے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

"یہ جائز نہیں ہے کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے اس لیے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا، اور سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی۔ یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے کفِ لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقے پر کریں، کیونکہ صحابیت بڑی حرمت کی چیز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بُرا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی کہ اللہ نے انہیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے راضی ہے"۔ اس کے

علاوہ متعدد سندوں سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرمایا۔

انّ طلحۃ شہید یمشی علی وجہ الارض ، یعنی طلحہؓ روئے زمین پر چلنے والے شہید ہیں۔

اب اگر حضرت علیؓ کے خلاف حضرت طلحہؓ کا جنگ کے لئے نکلنا کھلا گناہ اور عصیان تھا تو اس جنگ میں مقتول ہو کر وہ ہرگز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے، اسی طرح حضرت طلحہؓ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جا سکتا تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا کیونکہ شہادت تو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اطاعتِ ربانی میں قتل ہوا ہو۔ لہٰذا ان حضرات کے معاملہ کو اسی عقیدہ پر محمول کرنا ضروری ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

اس بات کی دوسری دلیل وہ صحیح اور معروف و مشہور احادیث ہیں جو خود حضرت علیؓ سے مروی ہیں اور جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ " زبیر کا قاتل جہنم میں ہے"۔

نیز حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ" صفیہؓ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دے دو"۔ جب یہ بات ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس لڑائی کی وجہ سے عاصی اور گنہگار نہیں ہوئے ، اگر ایسا نہ ہوتا تو حضورؐ حضرت طلحہؓ کو شہید نہ فرماتے اور حضرت زبیرؓ کے قاتل کے بارے میں جہنم کی پیشین گوئی نہ کرتے ۔ نیز ان کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہے جن کے جنتی ہونے کی شہادت تقریباً متواتر ہے۔

اسی طرح جو حضرات صحابہؓ ان جنگوں میں کنارہ کش رہے۔ انہیں بھی تاویل میں خطا کار نہیں کہا جا سکتا، بلکہ ان کا طرزِ عمل بھی اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ نے ان کو اجتہاد میں اسی رائے پر قائم رکھا جب یہ بات ہے تو اس وجہ سے ان حضرات پر لعن طعن کرنا ان سے برارت کا اظہار کرنا اور انہیں فاسق قرار دینا، ان کے فضائل و مجاہدات اور ان عظیم دینی مقامات کو کالعدم کر دینا کسی طرح درست نہیں۔ بعض علمار سے پوچھا گیا کہ اس خون کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو صحابہ کرامؓ کے باہمی مشاجرات میں بہایا گیا تو انہوں نے جواب میں یہ آیت پڑھ دی کہ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ، یہ ایک اُمّت تھی جو گزر گئی، اس کے اعمال اس کے لیے ہیں، اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔

کسی اور بزرگ سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا، "ایسے خون ہیں کہ اللہ نے میرے ہاتھوں کو اس میں (رنگنے سے) بچایا، اب میں اپنی زبان کو ان سے آلودہ نہیں کروں گا" مطلب یہی تھا کہ میں کسی ایک فریق کو کسی ایک معاملے میں یقینی طور پر خطا کار ٹھہرانے کی غلطی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔

علامہ ابن فورکؒ فرماتے ہیں :-

"ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان جو مشاجرات ہوئے ان کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السّلام اور اُن کے بھائیوں کے درمیان پیش آنے والے واقعات کی، وہ حضرات آپس کے ان اختلافات کے باوجود ولایت اور نبوت کی حدود سے خارج

نہیں ہوئے ۔ بالکل یہی معاملہ صحابہؓ کے درمیان پیش آنے والے واقعات کا بھی ہے"۔

اور حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ،

"جہاں تک اس خونریزی کا معاملہ ہے تو اس کے بارے میں ہمارا کچھ کہنا مشکل ہے۔ کیونکہ اس میں خود صحابہؓ کے درمیان اختلاف تھا" اور حضرت حسن بصریؒ سے صحابہؓ کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ،

"ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہؓ موجود تھے اور ہم غائب، وہ پورے حالات کو جانتے تھے اور ہم نہیں جانتے، جس معاملہ پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں، اور جس معاملہ میں اُن کے درمیان اختلاف ہے اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں"۔

حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن بصریؒ نے فرمائی، ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے جن چیزوں میں دخل دیا ان سے وہ ہم سے کہیں بہتر طریقے پر واقف تھے۔ لہٰذا ہمارا کام یہی ہے کہ جس پر وہ سب حضرات متفق ہوں اس کی پیروی کریں، اور جس میں ان کا اختلاف ہو اس میں خاموشی اختیار کریں اور اپنی طرف سے کوئی نئی رائے پیدا نہ کریں ہمیں یقین ہے کہ ان سب نے اجتہاد سے کام لیا تھا اور اللہ تعالےٰ کی خوشنودی چاہی تھی اس لیے کہ دین کے معاملہ میں وہ سب حضرات شک شبہ سے بالاتر ہیں۔

حاکم وقت اپنی صوابدید کے موافق جرائم پیشہ لوگوں کیخلاف تادیبی کاروائی کرسکتا ہے

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ	اور جن عورتوں سے تمہیں
فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ	سرکشی کا خطرہ ہو تو
فِی الْمَضَاجِعِ	انہیں سمجھاؤ اور سونے میں
وَاضْرِبُوْھُنَّ فَاِنْ	جُدا کر دو اور مارو پھر اگر
اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا	تمہارا کہا مان جائیں تو ان
عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا ؕ	پر الزام لگانے کے لیے
(سورۃ النساء آیت ۳۴)	بہانے مت تلاش کرو
وَفِی الْکَافِیْ قَالَ عَلَیْہِ	اور کافی میں آپ علیہ الصّلوٰۃ
الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ	والسلام کا فرمان ہے
لَا تَرْفَعْ عَصَاكَ عَنْ	اپنی لاٹھی اپنی اہل سے نہ
اَھْلِكَ (حاشیہ مشکوٰۃ	ہٹا
عَنْ اَبِیْ عَمْرِو ابْنِ	اور عمرو بن شعیب نے
شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ	اپنے باپ سے اور اس
عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ	نے اس کے دادا سے
رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ	روایت کی ہے۔ آپ نے
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُرُوْا	فرمایا اپنی اولاد کو نماز کا
اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ	حکم دو جب کہ وہ سات

وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ (ابوداؤد)	سال کے ہوں۔ اور نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے انہیں مارو جب کہ وہ دس سال کے ہوں۔
عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ ابْنِ نِيَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ اِلَّا فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ (متفق علیہ)	ابی بردہ بن نیار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں مگر اللہ کی حدوں میں۔
عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ضَرَبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَّقِ الْوَجْهَ (ابوداود)	ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مارے تو چہرے سے بچے۔
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ يَا يَهُوْدِيُّ فَاضْرِبُوْهُ	ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک آدمی دوسرے کو کہے اے یہودی تو اس کو بیس

عِشْرِیْنَ وَاِذَا قَالَ | درّے مارو اور جب
یَا مُخَنَّثُ فَاضْرِبُوْہُ | کہے اے مخنّث تو اس
عِشْرِیْنَ وَمَنْ وَقَعَ | کو بیس درّے مارو اور
عَلٰی ذَاتِ مَحْرَمٍ | جو اپنی محرم سے بدکاری
فَاقْتُلُوْہُ (ترمذی) | کرے تو اسے قتل کر دو
عَنْ عُمَرَ اَنَّ | عمرؓ سے روایت ہے کہ
رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ | وسلم نے فرمایا جب تم
اِذَا وَجَدْتُّمُ الرَّجُلَ | ایک کو پاؤ کہ اس نے
قَدْ غَلَّ فِیْ سَبِیْلِ | مال غنیمت میں خیانت کی
اللّٰہِ فَاحْرِقُوْا مَتَاعَہٗ | ہے تو اس کا سامان جلا
وَاضْرِبُوْہُ (ترمذی) | دو اور اسے پیٹو۔

تشریح

یہاں اس بحث میں ایک آیت اور چھ احادیث نقل کی گئی ہیں آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کو اپنی سرکش بیویوں کی اصلاح اور تادیب کے تین طریقے بتائے ہیں۔ پہلا طریقہ انہیں نصیحت کرنا، دوسرا سوتے وقت انہیں جدا کرنا اور تیسرا ان کی مارپٹائی کرنا۔ اگر ان تین طریقوں سے انکی اصلاح ہو جاتے تو پھر ان کے خلاف کسی قسم کی کاروائی سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کے بعد کافی والی حدیث میں اس آیت کے جملہ وَاضْرِبُوْھُنَّ کی تشریح

ہے مگر اس حدیث میں اہل سے مراد عام ہے بیوی بچے سب شامل ہیں اور اپنی اہل سے لاٹھی نہ ہٹانے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے دلوں میں باپ اور خاوند کا خوف ہر وقت رہنا چاہیئے ۔ صرف ایک دفعہ کی مار پیٹ، کافی نہیں ہوگی بلکہ جب ان سے غلطی ہو تو انہیں سزا دینا چاہیئے ۔

اس کے بعد عمرو بن شعیب والی حدیث ہے ۔ یہ حدیث کافی والی حدیث کی تشریح ہے اس میں خصوصی طور پہ اولاد کی اصلاح کا طریقہ بتایا ہے کہ ان سے نماز پڑھاؤ اگر وہ نہ پڑھیں تو ان کو مارو ۔ اور تیسرے نمبر پہ ابی بردہ والی حدیث ہے اس میں اپنی بیوی اور بچوں کو مارنے کا طریقہ بتایا ہے کہ انہیں درّے مارنا ہے اور دس درّوں سے زیادہ نہیں مارنا ۔ البتہ حدود اللہ میں سو درّے مارنا ہے جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے ۔

اس کے بعد ابو ہریرہ والی حدیث ہے اس میں چہرے پہ مارنے کی ممانعت فرمائی ہے اور اس کے بعد ابن عباس والی حدیث ہے اس میں آپ نے فرمایا کہ اگر ایک آدمی مسلمان کو یہودی کہہ دے یا کسی بھی کافر کے ساتھ اسے تشبیہ دے دے یا کسی گناہ کی اس کی طرف نسبت کر دے یا اسے مخنّث (زنانہ) کہہ دے تو اسے بیس درّے مارنا ہے اور اگر کوئی مال غنیمت سے چوری کرے تو اس کا سامان جلانا ہے اور اس کو مارنا بھی ہے ۔ اور ان احادیث میں سے حضرت ابن عباس اور حضرت عمر والی حدیث میں مخاطب حکام ہیں ۔ پبلک از سر خود کسی کو ایسی تعزیر یا تادیب نہیں دے سکتی، مگر پہلی آیت اور احادیث جو ذکر ہو چکی ہیں ان میں تو مخاطب صرف خاوند ہے یا باپ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا فرمان بھی موجود ہے کہ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ، ہر ایک تم میں سے سربراہ ہے

اور ہر ایک سربراہ سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سربراہ پر اپنی رعیت کی اصلاح کرنا لازم ہے۔ خواہ وہ سربراہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ پس معلوم ہوا کہ حکام بالا کو بھی اپنی رعیت کی اصلاح کے لیے یہی طریقے اپنانا چاہیئے جو اس آیت اور احادیث میں موجود ہیں۔ یعنی اوّلاً نصیحت دوسرے نمبر پر معزول یا جلا وطن اور تیسرے نمبر پر سزا جو حاکمِ وقت مناسب سمجھے جرائم پیشہ کو دے سکتا ہے۔

ان احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حدود اللہ کے مرتکبین کے سوا بھی جرائم پیشہ لوگوں کے لیے سزائیں تو ہیں لیکن وہ متعین نہیں ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے حاکمِ وقت کی صوابدید پر چھوڑا ہے۔ وہ جُرم کی نوعیت اور حیثیت کے مطابق سزا دے سکتا ہے اور بڑھا بھی سکتا ہے اور گھٹا بھی سکتا ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ دس سے زیادہ درّے نہ مارے جائیں اور دوسری حدیث میں خود ہی بیس کا ارشاد فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ دس والی حدیث کسی خاص واقعہ سے متعلق ہے۔ واللہ اعلم۔

نبوی بشارات اور نفاذِ شریعت کی برکات

۱۔ سُرخ و سفید خزانے

عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقھا و مغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا ما زُوِیَ لی منھا واعطیت الکنزین الاحمر والابیض۔ [1]

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بیعتِ رضوان کے موقع پر) فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے سمیٹ دیا ہے۔ میں نے اس کے جملہ مشارق اور مغارب کا مشاہدہ کیا اور اس ساری زمین پر جو میرے لیے سمیٹ دی گئی۔ میری امت کا قبضہ اور تسلّط ہو کر رہے گا اور مجھے سُرخ و سفید (یعنی سونا چاندی) دونوں قسم کے خزانے عطا فرمائے گئے ہیں جو میری اُمت کو ضرور مل کر رہیں گے۔

۲۔ غم و پریشانی سے نجات

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجاھدوا الناس القریب والبعید ولا تبالوا فی اللہ لومۃ لائم واقیموا

---

[1] مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۱۲

حدود الله فی السفر والحضر فان الجهاد باب من ابواب الجنة عظیم ینجی الله به من الهم والغم [1]

ترجمہ : حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے لوگوں سے جہاد کرو خواہ وہ قریب ہوں یا بعید خویش ہوں یا اجنبی اور اللہ تعالٰے کی فرمانبرداری میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو اور سفر و حضر میں اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرو اور جان لو کہ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک عظیم الشان دروازہ ہے۔ اس جہاد اور اقامت حدود (نفاذِ شریعت) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہیں دنیاوی فکر و غم سے نجات دے دے گا۔

۲۔ امن و سلامتی

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعدی بن حاتم حین وفد علیه اتعرف الحیرة قال لم اعرفها ولکن قد سمعت بها قال فوالذی نفسی بیده لیتمن الله هذا الامر حتی تخرج الظعینة من الحیرة حتی تطوف بالبیت فی غیر جوار احد ولتفتحن کنوز کسریٰ بن هرمز قلت کسریٰ بن هرمز قال نعم کسریٰ بن هرمز ولیبذلن المال حتی

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۱۱

لا يقبله احد قال عدی بن حاتم فهذه الظعينة تخرج من الحيرة فتطوف بالبيت فی غير جوار و لقد كنت فی من فتح كنوز كسرىٰ بن هرمز و الذی نفسی بيده لتكون الثالثة لان الرسول صلی اللہ عليہ وسلم قد قالها ۔[1]

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم سے فرمایا کیا تو حیرہ کو جانتا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے اس کا نام سنا ہوا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھاتے ہوئے فرمایا اے عدی بن حاتم اگر اللہ تعالیٰ تمہاری زندگی دراز کرے تو تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو مکمل فرمائے گا اور ایک بڑھیا مقام حیرہ سے اکیلی چلے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کریگی پھر فرمایا کہ تم دیکھو گے اللہ تعالیٰ کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو تمہارے ہاتھوں پہ فتح کرے گا اور فرمایا کہ تم دیکھو گے کہ تمہارے پاس اتنا مال ہو جائے گا کہ ایک شخص زکوٰۃ کا مال لیکر پھرے گا مگر کوئی لینے والا نہ ملے گا۔ حضرت عدی بن حاتم فرماتے تھے کہ میں نے ایسی بڑھیا کو بھی حج کرتے دیکھا کہ کوفہ سے اکیلی حج کرنے آئی تھی اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہ تھا اور خزائن کسریٰ کی فتح میں تو میں خود شامل تھا اور تیسری

---

[1] ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۳

بات بھی تم دیکھ لو گے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں تیسری بات حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں پوری ہو گئی تھی۔ عدی بن حاتم طائیؓ کا یہ واقعہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے رحمۃ للعلمین میں صحیح بخاری کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

واللہ لیتمن اللہ ھذا الامر حتی یسیر الراکب من صنعاء الی حضرموت لا یخاف الا اللہ والذئب علیٰ غنمہ ولکنکم قوم تستعجلون۔[1]

ترجمہ: خدا کی قسم میرا رب میرے اس دین کو اس قدر پورا کرے گا کہ بلا خوف و خطر ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک سفر کرے گا سوائے اللہ کے کسی کا ڈر نہ ہو گا۔ ہاں بکریوں پر بھیڑیئے کا خطرہ اور بات ہے۔

وفی حدیث ابی رزین عجب و بك من قنوط عبادہ وقرب غیثہ فینظر الیھم قنطین یضحك یعلم ان فرجھم قریب۔[2]

ترجمہ: ابو رزین سے روایت ہے کہ بندے جب ناامید ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تعجب کرتا ہے کہ میری فریاد رسی تو پہنچنے والی ہے اور یہ ناامید ہوتا چلا جاتا ہے پس اللہ تعالےٰ ان

---

[1] ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۶

[2] ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۶

کی عجلت اور اپنی رحمت کے قرب پر ہنس دیتا ہے۔

وقد ثبت فی الصحیحین من غیر وجہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم الی یوم القیمۃ۔ [1]

ترجمہ: صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی اور غالب رہے گی۔ اور ان کے مخالف ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے قیامت تک یہی حالت رہے گی۔

وفی روایۃ حتی ینزل عیسیٰ بن مریم وھم ظاھرون۔

ترجمہ: اور ایک روایت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تک وہ کافروں پر غالب رہیں گے۔

۴۔ فتوحات ممالک اور مادی خزانے

بیہقی اور ابونعیم نے حضرت برّاء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ خندق کھودتے ہوئے ایک بہت بڑا اور بہت سخت پتھر نکل آیا جس پر کدال کا اثر نہ ہوتا تھا ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حال عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابن کثیر ج ۳ ص ۴۸۳

نے پتھر کو دیکھا اور کدال کو ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ کہہ کر ضرب لگائی تو ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ اکبر اعطیت مفاتیح الشام۔

مجھے ملک شام کی چابیاں (خزانے) عطا کی گئیں۔

بخدا میں نے وہاں کے سرخ محلات کو دیکھا۔

پھر دوسری ضرب لگائی اور ایک تہائی پتھر توڑ دیا پھر فرمایا:

اللہ اکبر اعطیت مفاتیح الفارس واللہ لا بصر قصر المدائن الابیض۔

ترجمہ: مجھے ملک فارس کی چابیاں (خزانے) عطا کی گئیں اور اللہ کی قسم میں نے مدائن کے سفید محلات کو دیکھا ہے۔

پھر تیسری ضرب لگائی اور مکمل پتھر چکنا چور ہو گیا۔ اور فرمایا:

اللہ اکبر انی اعطیت مفاتیح الیمن واللہ انی لا بصر ابواب الصنعا من مکانی الساعۃ۔

ترجمہ: اللہ اکبر مجھے ملک یمن کی چابیاں (خزانے) عطا کی گئیں واللہ میں یہاں سے اس وقت شہر صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں حرف بحرف پوری ہوئیں اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسلام کی برکت سے یہ سب مادی اور دنیاوی خزانے حاصل کیے۔[1]

---

[1] رحمۃ للعالمین ج ۳ ص ۱۸۷۔

۵۔ ایرانی خزانے حاصل کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک سے فرمایا: كَيْفَ بِكَ إِذَا لَبِسْتَ سِوَارَيْ كِسْرَىٰ۔ تیری کیا شان ہوگی جب کہ تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

بیہقی کی دوسری روایت ہے کہ عہدِ فاروقی میں جب ایران سے مالِ غنیمت آیا جس میں بے شمار مال و دولت اور سونے چاندی کے انبار تھے اس میں کسریٰ کے کنگن بھی تھے تو حضرت فاروق اعظمؓ نے سراقہ بن مالک کو بلایا اور اسے وہ کنگن پہنائے اور خدا کا شکر ادا کیا اور نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے ایک متکبّر ظالم اپنے منہ رب الناس بننے والے سے یہ کنگن چھین کر اسلام کے ایک سپاہی سراقہ مدلجی اعرابی کو (اسلام کی برکت سے) پہنائے۔[1]

یہ سب بشارات سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثاروں، فرمانبرداروں کو اس وقت سنائیں جب کہ وہ اعلاءِ کلمۃ اللہ و احکام الٰہی پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ہولناک و اذیت ناک حالات سے گزر رہے تھے: آپ نے فرمایا: إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ بے شک تنگیوں کے بعد آسانیاں ہوتی رہیں۔ آپ نے فرمایا احکام الٰہی پر عمل پیرا ہونے میں اتنی برکات ہیں کہ جن کی کوئی حد و شمار نہیں۔

یہ بشارات و برکات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ تک محدود نہیں تھیں بلکہ یہ برکات احکام الٰہی و شریعت نبوی میں مضمر ہیں جب بھی جس

---

[1] رحمۃ للعالمین ج ۳ ص ۱۸۹

جگہ بھی ان پر عمل ہوگا اسی وقت برکاتِ الٰہی کا نزول شروع ہو جاتا ہے ہم اپنے ملک میں نفاذ شریعت سے یہ تجربہ کر سکتے ہیں : نفاذ شریعت سے سب سے زیادہ فائدہ اور دنیاوی برکت جو انسان کو حاصل ہوتی ہے وہ شے ہے امن و سلامتی ۔ ایمان اور اسلام کے الفاظ ہی امن و سلامتی کا پیغام دے رہے ہیں جب ہم مکمل اسلامی نظام نافذ کر دیں گے تو انشاء اللہ مکمل امن و امان اور سلامتی و عافیت حاصل ہوگی۔

٦۔ نفاذ شریعت سے امن عالم پیدا ہوتا ہے

بنیادی طور پہ انسان کو پانچ چیزوں کی حفاظت کی ضرورت ہے ۔ ١۔ حفاظت جان ، ٢۔ حفاظت مال ، ٣۔ حفاظت عزت ، ٤۔ حفاظت نسل ، ٥۔ حفاظت عقل ۔

نظام شریعت میں ان پانچوں چیزوں کی حفاظت کے راہنما اصول و قوانین موجود ہیں ۔ پہلے ترغیباً و ترھیباً ان اصول سے روشناس کرایا جاتا ہے جب اس سے کام نہ بن سکے تو پھر سزائیں لاگو کی جاتی ہیں۔

٧۔ قیام عدل کی ایک اچھوتی مثال

نظام الملک طوسی نے ایک درزی کا واقعہ جو کہ مسجد میں اذان بھی دیا کرتا تھا بہت تفصیل سے لکھا ہے ۔ ہم اسے اختصار کے ساتھ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ خلافت عباسیہ کے سب سے با جبروت خلیفہ کے دور میں ایک معمولی مؤذن بھی قیام عدل کے سلسلے میں کیا کچھ کر سکتا تھا ۔ یہ ایک ایسے اسلامی معاشرہ ہی میں ممکن ہے جہاں کا حکمران عدل کو ہر بات پہ ترجیح دیتا ہو۔

بغداد کے ایک بہت با اثر امیر نے ایک معمولی تاجر سے چھ سو دینار پانچ

ماہ کی مدت کے لیے قرض لیے۔ لیکن ڈیڑھ سال تک ٹالتا رہا اور قرض ادا نہ کیا۔ آخر کار اس نے رقم کی واپسی کے لیے کئی بڑے بڑے لوگوں سے سفارش بھی کرائی حتیٰ کہ قاضی کے ہاں سے بھی کئی آدمی اس کے پاس آتے لیکن شنوائی نہ ہوتی۔ آخر کار وہ سب طرف سے مایوس ہوکر مسجد میں نماز کے بعد آہ وزاری کرنے لگا کہ اے خدا تو میری فریاد سن لے۔ مسجد میں ایک درویش بھی بیٹھا تھا۔ جب یہ شخص دعا اور آہ وزاری سے فارغ ہوا تو درویش نے پوچھا کہ تم کو کیا تکلیف ہے مجھے بتاؤ شاید کوئی راستہ نکل آتے؟ اس نے جواب دیا کہ سوائے خلیفہ کے سب سے رجوع کر چکا ہوں، کوئی فائدہ نہیں ہوا تو تم کو بتانے سے کیا فائدہ ہوگا۔ درویش نے کہا کہ فائدہ نہ ہوگا تو نقصان بھی نہ ہوگا۔ آخر کار اس نے سارا حال درویش کے گوش گزار کر دیا درویش نے جواب دیا کہ تم بے فکر ہو جاؤ۔ اگر میرے کہنے پر عمل کرو گے تو ممکن ہے آج ہی اپنی رقم حاصل کرو۔ فلاں مسجد کے پہلو میں ایک درزی بیٹھتا ہے۔ اس کو میرا سلام کہنا اور اپنی مشکل بیان کر دینا۔ جب وہ شخص درزی کے پاس جا رہا تھا تو سوچ رہا تھا کہ یہ درویش بھی عجیب احمق ہے۔ امراء و رؤسا کی سفارش سے تو کچھ نہ ہوا بھلا ایک بوڑھا عاجز درزی کیا کر سکے گا۔ بہر حال وہ گیا۔ درزی نے حال سن کر اپنے ایک شاگرد کو بھیجا کہ فلاں امیر کے گھر جاؤ اور پیغام بھیجو کہ فلاں درزی کا شاگرد پیغام لایا ہے جب وہ تمہیں اپنے پاس بلالے تو اسے کہنا فلاں شخص کا قرض پورا کا پورا ادا کر دو اور اس کی خوشنودی اور دلجوئی میں کوئی فروگزاشت نہ کرو۔

لڑکا تھوڑی دیر بعد واپس آگیا اور خبر لایا کہ وہ امیر رقم لے کر آرہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد امیر نے آکر رقم واپس کر دی اور معافی مانگی۔ مزید اسکی دعوت

بھی کی اور ہر طرح سے اس کی دلجوئی کی۔

اس عجیب ماجرے کے بعد شخص مذکور نے بوڑھے درزی سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ جس شخص نے بڑے بڑے لوگوں کی نہ سُنی وہ آپ کے آگے کیونکر سرنگوں ہو گیا؟ اس سوال کو سُن کر بوڑھے درزی نے کہا کہ میرے جو روابط امیر المومنین کے ساتھ ہیں شاید ان کا تم کو علم نہیں ہے۔ اس کا قصہ یوں ہے۔

میں تیس برس سے اس مسجد کے مینارے پر اذان دے رہا ہوں۔ کپڑے سیتا ہوں اور روزی کماتا ہوں۔ اسی گلی میں ایک امیر کا گھر بھی ہے ایک روز نمازِ عصر ادا کر کے دکان میں آیا تو دیکھا کہ یہ امیر عالم مستی میں چلا آرہا ہے اور ایک عورت کے دامن پر ہاتھ ڈالے اُسے زبردستی کھینچ رہا ہے۔ وہ عورت فریاد کر رہی ہے کہ میں اس قماش کی عورت نہیں۔ یہ ترک مجھے زبردستی لے جا رہا ہے۔ میں چیخا چلایا۔ لیکن بے سود وہ عورت کو لے کر گھر میں گھس گیا۔ میں چند لوگوں کو لے کر اس کے گھر گیا۔ تو وہ ترک اپنے غلاموں کے ساتھ نکلا اور ہمیں زدوکوب کیا یہاں تک کہ ہم بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ میں آدھی رات تک سوچ میں پڑا رہا کہ کیا کروں میں نے سُن رکھا تھا کہ میخوار مست ہوتے ہی سو جاتے ہیں۔ جب جاگتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ رات بہت ہو گئی۔ میں یہ تدبیر کروں کہ منارے پر چڑھ کر اذان دوں اور جلدی سے اُتر آؤں۔ ترک آواز سنے گا تو سمجھے گا کہ صبح ہو گئی ہے اور وہ عورت سے دست کش ہو کر اسے گھر سے نکال دے گا تو میں اسے اس کے خاوند کے گھر پہنچا دوں گا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ منارہ پر چڑھ کر اذان دی۔ خلیفہ معتصم باللہ جاگ اُٹھا اور غضبناک ہوا کہ آدھی رات کو کس نے اذان دے دی۔ خلیفہ کے آدمی مجھ

کو پکڑ کر لے گئے تو میں نے خلیفہ کو سارا واقعہ سنا دیا۔ واقعہ سن کر خلیفہ نے اسی وقت سو آدمی روانہ کئے جو فوراً اسے گرفتار کر کے لے آئے۔ جب وہ آگیا تو اس سے غضبناک ہو کر خلیفہ معتصم نے کہا:

میرا عہد اور دین داری میں یہ خلل؟ کیا میں وہی نہیں ہوں جس نے روم کے لشکر کو مار بھگایا۔ قیصر کو شکست دی آج میرے عدل و دبدبے کے باعث بھیڑ اور بھیڑیا ایک جگہ پانی پی رہے ہیں۔ تجھے یہ جرأت کیونکر ہوئی کہ تو ایک عورت کو زبردستی پکڑے؟ لوگ تجھے نیک عملی کی تلقین کریں اور تو ان کو زدوکوب کرے؟ اس کے بعد اس امیر کو ایک بورے میں ڈالا گیا کس کر باندھ دیا گیا۔ پھر لاٹھیاں مار مار کر اس کی ہڈیاں چورہ چورہ کر دی گئیں اور پھر اس بورے کو دجلہ میں پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد خلیفہ نے مجھے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے شیخ دیکھو جو خدا سے ڈرتا ہو وہ ایسا کام کیونکر کر سکتا ہے۔ آج سے تمہیں حکم ہے کہ کوئی شخص بھی کسی پر ظلم کرے یا شریعت کی توہین کرے تو تمہارا فرض ہے کہ اسی طرح بے وقت دے دو تاکہ میں سن کر تم کو بلا لوں اور پھر مجرم کے ساتھ خواہ وہ میرا فرزند یا بھائی ہی کیوں نہ ہو، وہی سلوک کروں جو اس سگ غلیظ کے ساتھ ہوا۔ یہ کہہ کر مجھے انعام بخشا اور احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ اس واقعے سے جملہ اکابر و خواص آگاہ ہیں۔ اس امیر نے اگر تمہاری رقم دی ہے تو میرے ادب و احترام کے باعث نہیں دی بلکہ لاٹھی اور دجلہ کے خوف سے دی ہے۔ کیونکہ اگر وہ پس و پیش کرتا تو میں اسی وقت اذان دے دیتا پھر اس کا وہی حشر ہوتا جو اس ترک کا ہوا تھا۔

مذکورہ بالا واقعہ بیان کرنے کے بعد سیاست نامہ میں بادشاہ کو خطاب

کرتے وقت نظام الملک طوسی وزیر لکھتے ہیں کہ ایسی اور بھی بے شمار حکایتیں ہیں ۔ لیکن یہاں ایک درج کی گئی تاکہ بادشاہ سلامت جان لیں کہ بادشاہوں کا طرز عمل ماضی میں کیا رہا ہے ۔ انہوں نے بھیڑ کو بھیڑیے سے کیوں کر مامون رکھا، وہ دین کو کس طرح قوت دیتے اور اس کا کس قدر احترام و ادب ملحوظ رکھتے تھے ۔ دراصل قیام عدل سے اسلام کو جتنی قوت پہنچ سکتی ہے کسی اور شے سے نہیں پہنچ سکتی ۔ اس کی اہمیت سے سیاستدان بے خبر ہیں ۔

نظام الملک کے مندرجہ بالا قول سے یہ بات ثابت ہو گئی ۔ جو حکمران واقعی دین کو قوت دینا چاہتا ہے اور دین کا ادب و احترام کرنا چاہتا ہے تو وہ ایسا ہی عدل قائم کرے گا ۔ عدل ساعة خیر من عبادة ستین سنة یعنی ایک ساعت کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے ۔ (ماخوذ از منہاج سید محمد متین ہاشمی)

۸ ۔ قیام عدل سے زندوں میں رحیمانہ ادا پیدا ہوتی ہے

قال حسن القصاب رئیت الذئاب ترعی مع الغنم بالبادیة فی خلافة عمر ابن عبد العزیز فقلت سبحان ذئب فی غنم لا یضرها فقال الراعی اذا صلح الراس فلیس علی الجسد باس ۔

ترجمہ : حسن قصاب نے کہا کہ عمر ابن عبد العزیز کی خلافت کے زمانے میں میں نے بھیڑیوں کو جنگل میں بکریوں کے ساتھ چرتے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا کہ سبحان اللہ بھیڑیا بکریوں

کے ساتھ ہے اور تکلیف نہیں دیتا تو چرواہے نے کہا کہ جب سر ٹھیک ہو جائے تو باقی جسم کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی

وَقَالَ مالك بن دينار لمّا ولی عمر بن عبد العزيز قالت رعاء الشاء من هذا الصالح الذی قام علی الناس خليفة عدل كفت الذّئاب عن شائنا۔

ترجمہ: مالک بن دینار نے کہا جب عمر بن عبد العزیز ولیعہد مقرر کئے گئے تو چرواہوں نے کہا کہ اس نیک آدمی کی وجہ سے جو لوگوں پر خلیفۂ عادل مقرر ہوا ہے بھیڑئیے ہماری بکریوں کی نگرانی کرتے ہیں۔

وقال موسی بن اعين كنّا نرعی الشاء بكرمان فی خلافة عمر بن عبد العزيز فكانت الشاة والذئب ترعی فی مكان واحد فبينا نحن ذات ليلة اذ عرض الذئب للشاة فقلت ما نری الرجل الصالح الا قد هلك فتجسّسوا فوجدوه مات تلك الليلة۔

ترجمہ: موسیٰ بن اعین نے کہا کہ عمر بن عبد العزیز کے خلافت کے زمانہ میں کرمان میں بکریاں چراتے تھے تو بھیڑیا اور بکری ایک جگہ چرتے تھے تو ایک رات بھیڑئیے نے بکری پر حملہ کیا تو میں نے کہا کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ نیک آدمی فوت ہو گیا ہے۔ پھر لوگوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ عمر بن عبد العزیز اس

رات فوت ہو گئے ہیں۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ملک میں نظامِ عدل قائم کرنے سے درندوں میں اور حیوانات میں بھی ظلم کی عادت اور رجحان ختم ہو جاتا ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے نگران اور محافظ بن جاتے ہیں۔ اور اگر نظامِ عدل نہ ہو تو انسانوں کے اندر بھی درندوں کی ادا آ جاتی ہے اور عمر بن عبدالعزیز کے دور میں چونکہ ایسا امن اس لیے تھا کہ وہ ایک عادل حکمران تھے اور انہوں نے ملک میں اسلام کا نظامِ عدل نافذ کیا ہوا تھا۔

عادل آدمی اللہ کا محبوب ترین بندہ ہے

ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عادل اللہ کا محبوب اور قریب ترین انسان ہے اور ظالم اللہ کی رحمت اور نظرِ کرم سے دور ہوتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ سب سے پہلے اللہ کے سایہ کے نیچے کون جائے گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی کو اس بات کا زیادہ علم ہے تو پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے سامنے جب حق آ جائے تو فوراً قبول کر لیتے ہیں، اور جب ان سے سوال کیا جاتا ہے تو مال کو خرچ کرتے ہیں اور جب وہ فیصلہ کرتے ہیں تو ایسا عادلانہ کرتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے لیے کرتے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ○

ناچیز
حمید الرحمان عباسی مدرس
مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ دروازہ لاہور

مورخہ ۷ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
بمطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۹۳ء

مؤلف کی چند دیگر مفید تالیفات

خلاصۃ القرآن

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کے تمام متفرق مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ شروع میں ایک باب قائم کیا ہے اور پھر اس کے متعلقہ جو آیات ہیں وہ نقل کی ہیں اور تحت اللفظ ترجمہ بھی دیا ہے اور آخر میں ایک خلاصہ سادے دیا ہے۔ اس کی کتابت سادہ ہے مگر علماء اور خطباء کے لیے بہت مفید ہے۔

خلاصہ تفسیر القرآن
جلد خامس

یہ تفسیر بھی اسی خلاصۃ القرآن کی ہے اور اس کی ترتیب و تبویب بھی وہی ہے اور اس سے پہلے کی چار جلدیں جو توحید و رسالت، قیامت اور عبادات پر مشتمل ہیں۔ ابھی تک طاق النواء میں ہیں۔ تفسیر لکھنے کی ابتدا جلد خامس سے ہی کی ہے۔ یہ حقوق نسواں پر مشتمل ہے۔ عام فہم ہے اس میں عورتوں کے وہ تمام حقوق بیان کر دیئے گئے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیئے ہیں۔

اسلامی معیشت
جلد سادس

اس کی طرز تبویب بھی خلاصۃ القرآن کی طرح ہے۔ اسلامی معیشت کے تمام اصول اس میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلزم کا دنداں شکن جواب ہے۔

خلاصۃ الاحادیث

اس کتاب میں مشکوٰۃ کے کتاب الایمان سے لے کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تک ہر باب کی دو تین جامع احادیث نقل کی گئی ہیں۔ یہ کتاب کالجیئٹ طبقہ کے لیے بہت مفید ہے اور یہ انہی کی خاطر لکھی گئی ہے۔